إرشاد السالكين إلىٰ رياض الصالحين

المعروف بہ

حدیث

کے

اصلاحی مضامین

جلد دوازدہم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

ناشر

مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:............ حدیث کے اصلاحی مضامین (جلد دوازدہم)

افادات:.................. حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

بہ اہتمام:..................خدّام حضرت اقدس دامت برکاتہم

صفحات:.................................۴۰۸

ناشر:.......................... مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

ان مضامین کو انٹرنیٹ سے حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست حضرتِ اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

- شعبۂ فیض محمود، سورت 99988,31838
- ادارۃ الصدیق ڈابھیل، 9913319190
- مفتی سلیمان شاہوی (دار العلوم فلاح دارین ترکیسر) 88666,21229
- مکتبۂ انور (مفتی عبد القیوم راجکوٹی) جامعہ ڈابھیل 99246,93470
- کتب خانہ نعیمیہ دیو بند 97562,02118
- مکتبۃ الاتحاد دیو بند 9897296985
- حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہ (دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر)
- مولانا بک ڈپو، رانی تالاب، سورت

اجمالی فہرست مضامین ...... جلد دوازدہم

تفصیلی فہرست مضامین ...... جلد دوازدہم

باب فضل الإحسان إلى المملوك
غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی فضیلت

باب فضل المملوك الذي يؤدي حق الله وحق مواليه
اللہ تعالیٰ اور اپنے آقا کا حق ادا کرنے والے غلام کی فضیلت

باب فضل العباد في الهرج وهوالاختلاط والفتن ونحوها
فتنوں اور حالات کے زمانہ میں عبادت کرنے کی فضیلت

باب فضل السماحة في البيع والشراء والأخذ والعطاء.
وحسن القضاء والتقاضي وإرجاح المكيال والميزان.
والنهي عن التطفيف
وفضل إنظار الموسِر المُعْسِرَ والوضع عَنْهُ

کتاب العلم

باب فضل العلم تعلماً وتعلیماً للہ

كِتَابُ الصَّلاةِ عَلىٰ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا بیان

كِتَابُ الْاَذْكَارْ

بَابُ فَضْلُ الذِّكْرِ وَالْحَثِّ عليهِ

ذکر کی فضیلت اور اس کی ترغیب

بَابُ الذِّكْرِ عِنْدَ الصَّبَاحِ وَالْمَسَاءِ

صبح اور شام اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرنا

بَابُ مَا يَقُوْلُهُ عِنْدَ النَّوْمِ؟

سوتے وقت کے مسنون اذکار

كِتَابُ الدَّعْوَات

دعاؤں کا بیان

بَابُ الأمر بالدعاء وفضله وبيان جمل من أدعيته ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول مختلف دعاؤں کی فضیلت اور ان کا حکم

بَابُ فَضْلِ الدُّعَآءِ بِظَهْرِ الْغَيْب

غائبانہ دعا کی فضیلت

بَابٌ فِيْ مَسَائِلِ مِنَ الدُّعَاء

دعا کے چند مسائل

بَابُ كَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ وَفَضْلِهِمْ
اللہ کے نیک بندوں کی کرامتیں اور ان کی فضیلتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

فضائل کا جو سلسلہ جلد:۱۱ سے شروع ہوا تھا وہ جلد:۱۲ پر ختم ہو رہا ہے، کل ملا کر تقریباً ۸۰۰ ؍صفحات ہوتے ہیں، ریاض الصالحین کے ایک نسخہ میں ص:۳۲۶ سے کتاب الفضائل کی ابتداء ہے، اورص: ۴۴۴ پر اس کی انتہاء ہے، یعنی متن متن ہی ۱۱۸؍صفحات ہیں، جن کی تشریحات حدیث کے اصلاحی مضامین کے تقریباً ۸۰۰؍ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو یہی ہماراز ادِراہ ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والے سب سے پہلے نمبر پر فرائض ہیں، اور اس کے بعد سب سے زیادہ مقرب بنانے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ نفلی اعمال ہیں۔ جب انسان ان کا اہتمام کرتا ہے تو وہ ترقی کرتا رہتا ہے، اُدھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے قدردانی کا یہ عالَم ہے کہ بندہ ایک بالشت بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک ہاتھ بڑھتے ہیں، بندہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک باع یعنی چار ہاتھ بڑھتے ہیں۔ اب کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان سے خواہی نخواہی اللہ تعالیٰ کی مرضیات ہی کا صدور ہوتا ہے، نامرضیات کا صدور ہوتا ہی نہیں۔ اسی کو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، الخ۔ گویا اطاعت اس کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے، اب بندہ کی اپنی کوئی مرضی اور خواہش باقی نہیں رہتی:- ع مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ

اور

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود  گوئے گشتن بہرِ اُو اولیٰ بود

اگر یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو پھر کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے!۔

آج دنیا کو ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہے، نہ آج کی سیاست سے خلقِ خدا کو کوئی فائدہ ہوا، اور نہ ذرائع ابلاغ (Media) سے، اور نہ خالی باتوں سے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب انقلاب آیا ہے اور انسانیت کو فیض پہنچا ہے، ان ہی نفوسِ قدسیہ سے پہنچا ہے۔

مؤرخِ اسلام مفکرِ ملت حضرت اقدس مولانا علی میاں صاحبؒ تاتاری فتنہ کی ہولناکی کو مفصل بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

''آپ جانتے ہیں پھر تاتاریوں کو کس نے فتح کیا؟ کس نے تاتاریوں کو اسلام کا کلمہ پڑھایا؟ اُس نازک گھڑی اور گھٹاٹوپ اندھیرے میں اہلِ دل سامنے آئے جن کے اندر روحانی طاقت تھی اور تقریباً نصف صدی کے اندر انھوں نے تاتاریوں کو من حیث القوم مسلمان بنالیا۔ قبولِ اسلام کے واقعات پوری تاریخ میں پھیلے ہوئے ہیں، افراد کے قبولِ اسلام کے، خاندانوں کے قبولِ اسلام کے، شہروں کے قبولِ اسلام کے؛ لیکن قوموں کے من حیث القوم قبولِ اسلام کی مثالیں ہمارے علم میں تین یا چار سے زیادہ نہیں۔ تاتاریوں اور ترکوں نے انفرادی طور پر نہیں، من حیث القوم سو فیصدی اسلام قبول کیا۔ تاریخ کا یہ معمہ ہے، اور میں بھی اس آزمائش سے گزر چکا ہوں۔ یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ یہ تاریخ ساز اور ساری دنیا کے مستقبل پر اثر ڈالنے والا واقعہ (تاتاریوں کے قبولِ اسلام کا واقعہ) پیش آئے اور ہمیں ان لوگوں کے نام بھی نہ ملیں جن کے سر تاتاریوں کے قبولِ اسلام کا سہرا ہے؛ یہ کیا بات ہے؟

مجھے بڑی تحقیق وجستجو کے بعد جب میں اس موضوع پر لکھ رہا تھا، دو آدمیوں

کے نام ملے ہیں، ایک درویش صفت وزیر امیر توزون کا نام جو عراق پر حکومت کرنے والی تاتاری نسل کے بادشاہ کے وزیر اعظم تھے، وہ صوفی منش اور عابد وزاہد وزیر تھے۔ تاتاری بادشاہ کے کان میں وہ اچھی بات ڈالتے رہے حتیٰ کہ بغداد والوں نے اچانک ایک دن یہ دیکھا کہ جمعہ کا مبارک دن ہے اور تاتاری حکمران سلطان غازان اور اس کے وزراء ہاتھ میں تسبیحیں لیے ہوئے مسجد کو جا رہے ہیں۔

دوسرا کارنامہ شیخ جمال الدین کا ہے جن کے خلوصِ بے پایاں، سچی روحانیت اور دلی دردمندی کی برکت سے تاتاریوں کی چغتائی شاخ (کاشغر) میں اسلام پھیلا اور پوری شاخ مسلمان ہوگئی۔

واقعہ یہ ہے کہ شیخ جمال الدین کہیں جا رہے تھے، ایرانی تاتاریوں کی نگاہ میں سب سے زیادہ بے وقعت تھے، وہ ان کو طعنہ دیتے اور چڑاتے تھے کہ: ایرانی بھی کوئی آدمی ہوتے ہیں؟ اتفاق سے وہ ایرانی بھی تھے۔ یہ تغلق تیمور شہزادہ کے شکار کا دن تھا جو چغتائی شاخ کا ولی عہد تھا اور اس کی تاج پوشی میں کچھ مہینے یا سال باقی تھے۔ شکار کے بہت سے توہمات ہوتے ہیں، اور یہ لوگ سخت توہم پرست تھے۔ شیخ کو دیکھا کہ وہ شکارگاہ میں داخل ہوگئے، فوراً سپاہی نے پکڑا اور مشکیں باندھ کر شہزادہ کے سامنے لایا، شہزادہ بڑا ہی مکدر ہوا، اس نے کہا: آج تو میرا سارا شکار غارت گیا، کس منحوس کی میں نے صورت دیکھ لی، یہ ایرانی کمبخت یہاں آگیا۔ اس کا کتا پاس تھا، غصہ میں کہا کہ: تم اچھے ہو کہ میرا کتا؟ خیال کیجئے اور منظر کو سامنے لائیے اور دیکھئے کہ خدا کے بندوں نے کس طرح کام کیا ہے۔ ان کے چہرہ پر کوئی رنگ نہیں آیا۔ کوئی شکن پیشانی پر نمودار نہیں ہوئی، نہایت اطمینان کے ساتھ کہا: اس کا فیصلہ ابھی نہیں ہوسکتا، شہزادہ

نے کہا: کیا مطلب؟ انہوں نے کہا کہ: اس کا انحصار کسی اور چیز پر ہے، اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے تو میں اچھا ہوں؛ ورنہ یہ کتا اچھا ہے۔ تغلق تیمور کے پتھر دل پر ضرب لگی۔ محض کچھ کہہ دینے سے دل پر ضرب نہیں لگتی؛ لیکن:-

ہر چہ از دل می خیزد، بر دل می ریزد

انہوں نے جس وقت یہ جملہ کہا ہوگا اس کے ساتھ کتنی دعائیں، کتنے آنسو، کتنی آہیں رہی ہوں گی۔ خدایا! کہنے کو تو میں جملہ کہتا ہوں، اثر تو پیدا کر۔ یہ وقت ہے اسلام کی قسمت کے فیصلے کا۔ اگر اس شخص کے دل پر چوٹ لگتی ہے تو مسلمانوں کی قسمت بدل جاتی ہے۔

یہ واقعہ جو فارسی تاریخوں سے ماخوذ ہے، آرنلڈ کی کتاب ''Preaching Of Islam'' میں کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

تغلق تیمور نے کہا: اس وقت تو میں کچھ نہیں کہتا، ولی عہدِ سلطنت ہوں، آپ کہیں بھی ہوں، جب یہ سنیں کہ میری تاج پوشی ہوگئی تو مجھ سے ملئے گا۔ اب وہ اللہ کے بندے دن گننے لگے کہ وہ ساعتِ سعید کب آتی ہے کہ تغلق تیمور کی تاج پوشی ہو، اور مَیں خدا کا پیغام اس تک پہنچاؤں۔ ان کی قسمت میں نہیں تھا، وقتِ آخیر آگیا، مرضِ موت میں انہوں نے اپنے بیٹے شیخ رشید الدین کو بلایا اور پوری بات بتا کر کہا: جس وقت تم یہ سننا کہ تغلق تیمور کی تاج پوشی ہوگئی ہے اس تک میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ: آپ نے میرے والد سے کچھ کہا تھا؟ چناں چہ وہ گئے، دربانوں نے ان کو روک دیا، یہ ایک درخت کے نیچے مصلّیٰ ڈال کر وہاں بیٹھ گئے، جب نماز کا وقت ہوتا اذان دیتے اور نماز پڑھ لیتے۔ خدا کو منظور تھا ایک دن صبح کے وقت انہوں نے اذان دی، وہ آواز محل اور خوابگاہِ سلطانی میں پہنچی یا پہنچائی گئی۔ بادشاہ نے کہا: یہ کون باؤلا شخص ہے؟ داروغہ

نے کہا: حضور! ایک دیوانہ سا آدمی آیا ہے، ہم نے بھی کوئی زیادہ تعرض نہیں کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا: اسے پکڑ کر لاؤ۔ بلایا گیا۔ بادشاہ نے کہا: تم کون ہو؟ شیخ نے کہا کہ: سرکار! آپ کو کچھ یاد ہے؟ پوری بات بتائی اور کہا: میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ اس کا فیصلہ ہو گیا۔ الحمدللہ! وہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ بادشاہ نے سنا اور وزیرِ اعظم کو بلایا۔ کہا کہ: ایک راز ہے جو میرے سینے میں تھا۔ یہ واقعہ میرے ساتھ گزرا ہے، اُس کا اثر آج تک میرے دل پر باقی ہے۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا؛ تمہاری کیا رائے ہے؟ وزیر نے کہا: حضورِ والا! میں تو بہت دنوں سے مسلمان ہوں، میں تو اپنے اسلام کو چھپا رہا تھا۔ میں ایک مرتبہ ایران گیا تھا، وہاں میں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور وزراء بلائے گئے اور جب بادشاہ کا منشاء معلوم ہوا تو سب مسلمان ہو گئے۔ اسی وقت تغلق تیمور مسلمان ہوا اور پورے ایران کے تاتاری چند دن میں مسلمان ہو گئے۔ جس طرح تسبیح کے دانے گرتے ہیں، تاتاری لاکھوں کی تعداد میں اسلام قبول کر رہے تھے۔ یہ مسلمان دانشور مخلص علماء واعظین مبلغین اور سب سے بڑھ کر اہلِ دل کا کارنامہ تھا۔ اس حقیقت میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں، پوری تاریخ شہادت دیتی ہے کہ ان اہلِ دل نے اندر اندر کام کیا ہے اور تاتاری ان کے نامۂ اعمال میں ہیں۔ یہ لاکھوں انسان (جنھوں نے تاریخ پر اثر ڈالا ہے) قیامت کے دن جب اُٹھیں گے تو انہیں کے حساب میں شمار ہوں گے۔ ان اہلِ دل کا ذکر کرتے ہوئے اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا ایک شعر بے اختیار زبان پر آ رہا ہے: ؎

اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیرِ گل ❁ افسوس ہے انہیں کے ہزاروں گلے ہوئے

(''نقوش'' رسول نمبر: ۱/ ۱۵ تا ۱۹)

دعا گو ہوں:-

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے	۞	جو قلب کو تڑپا دے، جو رُوح گرما دے
پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذَرّے کو چمکا دے	۞	پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضہ دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے	۞	دیکھا ہے جو کچھ مَیں نے اوروں کو بھی دِکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل	۞	اس شہر کے خُوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر	۞	اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے
اس دَور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو	۞	وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثُریا کر	۞	خودداریٔ ساحل دے، آزادیٔ دَریا دے
بے لوث محبت ہو، بے باک صداقت ہو	۞	سینوں میں اُجالا کر، دل صورتِ مینا دے
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا	۞	امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے
مَیں بلبلِ نالاں ہوں اِک اُجڑے گلستاں کا	۞	تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو دَاتا دے

(کلیاتِ اقبال)

ابوزاہر

كِتَاب الجِهَاد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب وجوب الجهاد وفضل الغدوة والروحة

أَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً۔ أما بعد:-

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.
وَقَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّۃً، وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ. (التوبۃ:۳۶)

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ، وَعَسٰی أَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئاً وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ، وَعَسٰی أَنْ تُحِبُّوْا شَیْئاً وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ، وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (البقرۃ:۲۱۶)

فضائل کا سلسلہ چل رہا ہے، اسی مناسبت سے جہاد کے فضائل کو بیان فرمارہے ہیں۔

جہاد کا معنیٰ اور اس کی قسمیں

''جہاد'' عربی زبان کا لفظ ہے، اور مصدر کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ جس میں کسی کام کے کرنے یا ہونے کو بتلایا جائے؛ اس کو مصدر کہتے ہیں۔ جَاھَدَ یُجَاھِدُ

مُجَاهَدَةً وَجِهَاداً، کا معنیٰ کوشش کرنا، محنت ومشقت اٹھانا۔ یہ تو اس کا ڈکشنری اور لغت کے اعتبار سے ترجمہ ہوا۔ شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے اپنی انتہائی کوشش کو صرف کرنا، یہاں تک کہ اس کے لئے مال وجان کی جو بھی قربانی دینی پڑے؛ اس سے دریغ نہ کرنا؛ اس کا نام ''جہاد'' ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں کہ جہاد کی کئی قسمیں ہیں: (۱) جہاد مع النفس (۲) جہاد مع الشیطان (۳) جہاد مع الکفار والمنافقین (۴) جہاد مع أهل المنكرات والبدعات والمظالم۔

پہلی قسم اور اس کے چار درجات ہیں

''جہاد مع النفس'' یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کے سلسلہ میں آدمی کا اپنے نفس کے مقابلہ میں محنت ومشقت اٹھانا اور اپنی کوشش کو استعمال کرنا۔ پھر اس کے چار درجات بتلائے گئے ہیں۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ان چاروں درجوں سے آدمی گزر جاتا ہے تب ہی ''عالمِ ربانی'' کہلاتا ہے۔ عالمِ ربانی ہونے کے لئے ان چاروں درجات سے گزرنا ضروری ہے۔

پہلا درجہ

ا :- **تحصیلِ علم**: دین اور شریعت کے احکام کو جاننے کے لئے مشقت اٹھانا۔ کون سی باتوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور کون سے کاموں سے ناراض ہوتے ہیں؛ ان دونوں چیزوں کا جاننا بہت ضروری ہے۔ اور یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے بندوں کو بتلاتے ہیں۔ ایک انسان

کے حواس اور عقل میں اس بات کی صلاحیت ہی نہیں کہ وہ اپنے طور پر یہ معلوم کرلے کہ اللہ تعالیٰ کون سے کاموں سے راضی ہوتے ہیں اور کون سے کاموں سے ناراض ہوتے ہیں، وحی اسی لئے اتاری جاتی ہے۔

ارے بھائی! ایک معمولی انسان کی رضامندی، عدم رضامندی بھی دوسرا انسان اپنی عقل وحواس سے معلوم نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ خود نہ بتلائے۔ آپ کون سی چیز سے راضی ہوں گے اور کون سی چیز سے ناراض ہوں گے، یہ میں نہیں کہہ سکتا جب تک کہ آپ مجھے نہ بتلائیں۔ اور میں کون سی چیز سے خوش ہوتا ہوں، اور کون سی چیز سے ناراض ہوتا ہوں، جب تک کہ میں آپ کے سامنے وضاحت کے ساتھ نہیں بتلاؤں گا، وہاں تک آپ کو پتہ نہیں چلے گا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کون سے کاموں سے راضی ہوتے ہیں اور کون سے کاموں سے ناراض ہوتے ہیں یہ جب تک اللہ تعالیٰ خود ہی نہیں بتلائیں گے؛ کسی کو کیسے پتہ چلے گا۔ اسی چیز کو بتلانے کے لئے وحی نازل کی جاتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض بندوں کو اس مقصد اور ان خدمات کی انجام دہی کے لئے مخصوص کرلیتے ہیں، ان کو بذریعۂ وحی بتلایا جاتا ہے، اور پھر ان کو اس بات کا مکلف کیا جاتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس مرضی اور نامرضی کو اللہ کے بندوں تک پہنچائیں۔

تو اللہ تعالیٰ کون سی چیزوں سے راضی ہیں اور کون سی چیزوں سے ناراض ہیں اس کا نام دین اور شریعت ہے۔ تو اسی دین اور شریعت کو سیکھنے کے لئے اپنے نفس سے مقابلہ کرنا، اور اس کے لئے مشقت اور تکلیف اٹھانا؛ یہ جہاد مع النفس کا پہلا درجہ ہے۔

دوسرا درجہ

[۲]:- تعمیل: جب اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کا علم ہوگیا کہ کون سی

چیزوں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اور کون سی چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے، تو اب دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان پر عمل کرنے کی خاطر اپنی طبیعت اور مزاج کو جمانے کے لئے اپنے نفس سے مقابلہ کرنا اور مشقت اٹھانا۔ اس کے لئے جو محنت اور کوشش کی جاتی ہے، یہ جہاد مع النفس کا دوسرا درجہ ہے۔

ہم نے یہ جان تو لیا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اور دوسرے نیکی کے کام اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والے ہیں۔ اور چوری، زنا، شراب نوشی، سود اور حرام خواہشاتِ نفس وغیرہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کام ہیں، لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو کرنے کی چیزوں کو کرنے کے لئے مشقت اُٹھانی پڑتی ہے، اس کے لئے ہمیں اپنے نفس سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اس کے لئے محنت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، اسی طرح بچنے کی چیزوں سے بچنے کے واسطے جو محنت و مشقت اٹھائی جاتی ہے؛ یہ جہاد مع النفس کا دوسرا درجہ ہے۔

تیسرا درجہ

۳:- **تعلیم و تبلیغ**: نمبر اول پر خود جان لیا، نمبر دو پر خود عمل کا اہتمام کیا، تو اب تیسرے نمبر پر درجہ آئے گا کہ جو اللہ کے بندے ان چیزوں کو نہیں جانتے ان کو سکھلانا اور ان تک اس کو پہنچانا۔ تعلیم و تبلیغ ساتھ ساتھ ہے، الگ الگ چیز نہیں ہے۔ تو اللہ کے بندوں تک پہنچانا اور سکھلانا؛ یہ کام بھی مشقت کا طالب ہے۔ اس میں بھی آدمی کو کوشش کرنی پڑے گی، اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنا پڑے گا، مشقت اٹھانی پڑے گی۔ تو یہ جو مشقت اٹھائی جاتی ہے یہ جہاد مع النفس کا تیسرا درجہ ہے۔

چوتھا درجہ

۴:- **صبر**: جب آپ یہ کام شروع کریں گے تو اس کے اندر دوسروں کی

طرف سے رکاوٹیں ڈالی جائیں گی، مخالفین اٹھیں گے، آپ کو یہ کام کرنے نہیں دیں گے۔ تو اب ان کی طرف سے جو رکاوٹیں ڈالی جائیں، یا ان کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچائی جائیں، ان کو برداشت کرنا؛ یہ جہاد مع النفس کا چوتھا درجہ ہے۔

دوسری قسم اور اس کے دو درجے

جہاد کی دوسری قسم **"جہاد مع الشیطان"** ہے۔ اس کے دو درجے ہیں:-

[۱]:- شکوک وشبہات: آدمی کے ایمان کو خراب کرنے کے لئے آدمی کے قلب اور دل میں شیطان شکوک وشبہات ڈالتا ہے، ان کو دور کرنے کے لئے کوشش کرنا، مشقت اٹھانا، محنت کرنا؛ یہ پہلا درجہ ہے۔ جب اس درجہ سے آدمی پار ہو جاتا تو وہ **"مقامِ یقین"** پر فائز ہوتا ہے۔

[۲]:- شہوات اور منکرات: آدمی کے ایمان اور عمل میں خرابی ڈالنے کے لئے شیطان انسان کی شہوتوں کو ابھارتا ہے، اس کی خواہشات کو برانگیختہ کرتا ہے، منکرات میں مبتلا کرنے کے لئے محنت کرتا ہے، تو ان سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے شیطان کا جو مقابلہ کیا جائے گا، جو محنت ومشقت برداشت کی جائے گی، اس کے لئے جو کوشش کی جائے گی؛ یہ جہاد مع الشیطان کا دوسرا درجہ ہے۔ جب آدمی اس درجہ میں کامیاب ہوتا ہے تو وہ **"مقامِ صبر"** پر فائز ہوتا ہے۔

اور جب آدمی کو یہ دونوں چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدمی کو امامت اور پیشوائی کا منصب دیا جاتا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ ہم نے ان کے اندر سے ایسے ائمہ اور راہبر بنائے جو لوگوں کو ہمارے حکم سے ہدایت کا راستہ بتلاتے ہیں، جب

انہوں نے صبر سے کام لیا، یعنی عمل کے سلسلہ میں شیطان کی طرف سے جو رکاوٹیں ڈالی جاتی تھی، اور ایمان کے معاملہ میں اس کی طرف سے جو شکوک وشبہات پیدا کئے جاتے تھے ان کا مقابلہ کیا۔

تیسری قسم اور اس کے چار مراتب ہیں

ان دونوں کے بعد **"جہاد مع الکفار والمنافقین"** کا نمبر آتا ہے۔ جو آدمی خود اپنے نفس ہی کو زیر نہ کر پایا ہو، شیطان کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوا ہو؛ بھلا وہ دوسروں سے کیا مقابلہ کرے گا۔ اس لئے ان دو درجوں کے بعد تیسرا درجہ **"جہاد مع الکفار والمنافقین"** آتا ہے۔ اس کے اندر بھی چار مراتب ہیں:-

۱ جہاد بالقلب؛ دل سے جہاد کرنا۔

۲ جہاد باللسان؛ زبان سے جہاد کرنا۔

۳ جہاد بالمال؛ مال سے جہاد کرنا۔

۴ جہاد بالنفس؛ جان سے جہاد کرنا۔

"جہاد مع الکفار والمنافقین" کے یہ چار درجے ہیں، لیکن آج کل لوگ اس میں سے صرف ایک ہی چیز کو "جہاد بالنفس"۔ جس کو قتال سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ جہاد سمجھتے ہیں، حالاں کہ وہ تو جہاد کی ایک قسم اور اس کا ایک درجہ ومقام ہے۔

چوتھی قسم اور اس کے تین طریقے

چوتھی قسم "اہلِ منکرات، اہلِ بدعات، ظالموں" سے جہاد کرنا۔ جو لوگ شریعت کے خلاف امور میں پھنسے ہوئے ہیں، گناہوں میں جکڑے ہوئے ہیں بدعات

کا شکار ہیں، لوگوں کی حقوق تلفی میں مبتلا ہیں ان کا مقابلہ اور ان کو ان حرکتوں سے باز رکھنے کے لئے جو محنت کی جاتی ہے؛ وہ بھی تین طرح کی ہے:-

۱ بالید؛ ہاتھ سے روکا جائے۔

۲ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو باللسان؛ زبان سے روکا جائے۔

۳ اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو بالقلب؛ دل سے اس کو برا سمجھے۔

”مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَالِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ“ جو آدمی شریعت کے خلاف کوئی کام ہوتا ہوا دیکھے؛ تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اس کی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ تو یہ تین قسمیں ہوئیں۔

تو اس طرح جہاد کی کل چار قسمیں اور تیرہ درجات ہوئے، ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ آدمی اپنے مال اور جان کو لے کر نکلے اور اپنی جان کو اللہ کے راستہ میں قربان کر دے جس کو قتال سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے؛ یہ جہاد کا اعلیٰ درجہ ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے مطابق شروع میں کچھ آیات پیش کی ہیں:

قتال؛ مجبوری کا علاج ہے

﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ (التوبة: ۳۶) اور تم تمام مشرکین کے ساتھ قتال کرو جیسے وہ سب تمہارے ساتھ قتال کرتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تو انہیں کے ساتھ ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔

یہاں ایک بات یاد رہے، علماء لکھتے ہیں کہ: ”قتال“ تو مجبوری کے درجے کا علاج ہے، جیسے: اگر آپ کے جسم کے کسی عضو میں کوئی بیماری لگ گئی، کوئی زخم ہو گیا،

تو پہلے مرہم سے آپ اس کا علاج کریں گے، اگر اسی سے اچھا ہو گیا تو ٹھیک ہے، اگر مرہم کارآمد نہیں ہوا، تو پھر نشتر لگایا جاتا ہے، اس سے بھی اگر فائدہ نہیں ہوتا تو پھر آخر میں ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس کو عضو کو کاٹ دو، ورنہ یہ سڑا آگے پھیلے گا اور پورے جسم کو خراب کرے گا۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے دلوں پر مُہر لگ چکنے کی وجہ سے شیطانی طریقۂ کار کو اپنا کر دین کی نشر و اشاعت، اور دین کی راہوں میں ایسے روڑے اٹکاتے ہیں کہ ان کو راہ سے ہٹائے بغیر دین کا آگے بڑھنا مشکل ہو جاتا ہے؛ اسی کے لئے ''قتال'' کو مشروع کیا گیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ بطورِ علاج عضو کو کاٹنے والا درجہ ہے۔ اسی کو اس آیت میں کہا گیا کہ: تمام مشرکین کے ساتھ قتال کرو جیسے وہ سب مل کر تم سے قتال کرتے ہیں۔ یعنی جب تمہارے ساتھ مقابلہ کی نوبت آتی ہے تو وہ سب ایک ہو جاتے ہیں اور نیشنل ایلائنس (National Alliance) متحدہ محاذ قائم کرتے ہیں؛ تو آپ بھی ان کے مقابلہ کے لئے متحد ہو کر رہو۔

......اسی میں تمہارے لئے بھلائی ہو

دوسری آیت پیش فرمائی ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. (البقرة:۲۱۶)﴾ تم پر قتال کو فرض کیا گیا ہے اور یہ چیز تم کو ناپسند ہے اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اس میں آدمی کو اپنے مال، یا اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے، تو طبیعت اس کے لئے کیسے آمادہ ہوگی، لیکن ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کو تم ناپسند سمجھو لیکن اسی میں تمہارے لئے بھلائی ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کو تم پسند کر رہے ہو لیکن اس میں تمہارے لئے برائی ہو۔ سارے حالات و حقائق سے اللہ تعالیٰ

واقف ہے اور تم ساری چیزوں سے واقف نہیں ہو۔

قتال اور جہاد کے لئے نکلو......

﴿إِنْفِرُوا خِفَافاً وَثِقَالاً وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ﴾ (التوبة:۴۱) باری تعالیٰ نے یہ بھی حکم دیا کہ: قتال اور جہاد کے لئے نکلو ہلکے اور بھاری، یعنی اسباب اور وسائل تمہارے پاس پورے طور پر موجود ہوں تب بھی؛ اس کو بھاری سے تعبیر کیا گیا، اور پورے اسباب ووسائل نہ ہو تب بھی؛ اس کو ہلکے سے تعبیر کیا گیا، اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔

یہی بڑی کامیابی ہے

﴿إِنَّ اللهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَالِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبة:۱۱۱) بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے خرید لیا ہے ان کی جانوں اور مالوں کو اس کے بدلے میں کہ ان کے لئے جنت ہے (گویا تمہاری جان اور مال کا اللہ تعالیٰ نے سودا کرلیا ہے، اور اس کی قیمت جنت مقرر کردی گئی ہے، اور اس کے بدلہ میں تم سے تمہاری جان اور مال کا مطالبہ کیا گیا ہے، جب تم ایمان لے آئے اور اقرار کرلیا تو گویا اس سودے کو تم نے منظور کرلیا) اللہ کے راستہ میں لڑتے ہیں، دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ اور یہ چیز تورات، انجیل اور قرآن میں اللہ تعالیٰ کے ذمہ وعدہ کے طور پر ہے (اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدہ، عہد و پیمان کو

پورا کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کر کے رہے گا) پس تم خوش ہوجاؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللهُ الْحُسْنَى، وَفَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً وَكَانَ اللهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (النساء:۹۶،۹۵) جو ایمان والے جہاد میں شریک نہیں ہوتے اور کسی قسم کی معذوری کے بغیر گھروں پر بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں (یہ دونوں) برابر نہیں ہوسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جان اور مال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے فضیلت دی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد فرضِ عین نہیں ہے، بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ اس لئے کہ اگر فرضِ عین ہوتا تو صرف اتنی بات نہیں ہوتی کہ دوسروں کو فضیلت عطا فرمائی جاتی، بلکہ نہ کرنے والے گنہ گار ٹھہرتے۔ اور ان میں سے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے اچھے بدلہ کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے اجر کی فضیلت دی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے جانے والے درجات، بخشش اور رحمت ہے، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

عذاب سے بچانے والا کاروبار

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ، تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ، يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ، ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ، وَأُخْرٰى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الصف:۱۰-۱۳) اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایک ایسی تجارت (اور کاروبار بتلاؤں) جوتم کو دردناک عذاب سے نجات دے گا۔ (وہ یہ ہے کہ) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اللہ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ (جب تم یہ کرلوگے) تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، اور ایسے عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ کے باغات میں بنے ہوئے ہیں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے، اور اس کے علاوہ بھی (تم کو اللہ تعالیٰ) وہ چیز (دے گا) جس کو تم پسند کرتے ہو (یعنی دنیوی اعتبار سے فوری فائدہ میں) اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوگی، اور (تمہیں) کامیابی (حاصل ہوگی) اور (دنیوی اعتبار سے بھی) ایمان والوں کو (اچھے ثمرات مرتب ہونے کی) خوش خبری سنادو۔

اس سلسلہ میں آیتیں بھی بے شمار ہیں، اور جہاد کی فضیلت پر احادیث بھی بے شمار ہیں۔ محدثین نے اس پر مستقل کتابیں لکھیں ہیں، اور عام انداز سے حدیث کی جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں بھی مستقل عنوان قائم کرکے روایتیں پیش کی گئی ہیں۔ یہاں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ چند روایتوں کو پیش کرتے ہیں:-

کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟

۱۲۸۵:- عن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: سُئِلَ رسول الله -ﷺ-: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ((إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ)) قيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((الجهادُ في سَبِيلِ اللهِ)) قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((حَجٌّ مَبْرُورٌ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا: اس کے بعد کونسا عمل (بہتر ہے)؟ فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ پوچھا گیا: اس کے بعد کونسا (عمل اچھا ہے)؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حج مبرور۔

۱۲۸۶:- وعن ابن مسعود -رضی الله عنه-، قَالَ: قُلْتُ: يَا رسولَ الله! أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ تَعَالَى؟ قَالَ: ((الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا)) قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ((بِرُّ الْوَالِدَيْنِ)) قلتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ((الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب (اور پسندیدہ) ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا۔ میں نے پوچھا: اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک (اور بھلائی کا معاملہ کرنا) میں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

۱۲۸۷:- وعن أَبي ذرّ -رضی الله عنه- قَالَ: قُلْتُ: يَا رسول الله! أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ((الإِيمَانُ بِاللهِ، وَالْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول!

کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

اللہ کے راستے میں ایک صبح یا شام

۱۲۸۸:- وعن أنس -رضي الله عنه-: أنَّ رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قَالَ:
((لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوْ رَوْحَةٌ، خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے راستے میں صبح کے وقت یا شام کے وقت چلنا؛ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔

افادات:- اس زمانہ میں جب پیدل یا اونٹوں وغیرہ کی سواریوں پر سفر کرتے تھے تو صبح کے وقت روانہ ہو کر دو چار گھنٹہ سفر کرنے کے بعد جب دھوپ تیز ہو جاتی تو آرام کرتے تھے، اور دو پہر کے وقت جب سورج ڈھل جاتا، دھوپ کی تیزی کم ہو جاتی تو شام کے وقت پھر دوبارہ سفر شروع کرتے۔ صبح کو جو سفر کیا جاتا تھا؛ اس کو ''غَدْوَةٌ'' اور شام والے سفر کو ''رَوْحَةٌ'' کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی صبح کے وقت دو تین گھنٹہ کا سفر، یا شام کا کچھ وقت اللہ کے راستہ میں سفر کرے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو پورا کرنے کے لئے آدمی جب گھر سے نکلے گا تو اس کو یہ فضیلت حاصل ہوگی۔ چناں چہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''باب السعي إلى الجمعة'' (جمعہ کی نماز کے لئے آدمی کا گھر سے نکلنا) میں اس روایت کو بھی پیش کیا ہے۔

لوگوں میں بہتر کون؟

۱۲۸۹:-وعن أَبِي سعيدٍ الخدريِّ-رضی الله عنه-قَالَ: أَتَى رَجُلٌ رسولَ اللهِ-ﷺ-فَقَالَ: أيُّ النَّاسِ أفْضَلُ؟ قَالَ: ((مُؤْمنٌ يُجَاهِدُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ)) قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((مُؤْمِنٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ اللهَ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور پوچھا: لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ ایمان والا جو اللہ کے راستہ میں اپنی جان ومال دونوں کے ذریعہ جہاد کرے۔ پھر پوچھا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: وہ ایمان والا جو پہاڑ کی کسی گھاٹی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو، اور لوگوں کو اپنی ایذا رسانیوں سے محفوظ رکھے۔

افادات:- اپنی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں سے لوگوں کو بچائے رکھنا بھی بہت بڑی عبادت اور بہت اونچا مقام ہے۔ آج کل لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے، بلکہ بعضوں نے تو اپنی زندگی کا مشن ہی دوسروں کے درپئے آزار ہونا، دوسروں کو تکلیف پہنچانا بنالیا ہے، یہ بھی عجیب معاملہ ہے، حالاں کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ" حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذاء رسانیوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ تو یہ بھی بہت اونچا مقام ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اپنی ایذا رسانیوں اور اپنے شر سے بچائے۔

اللہ کے راستہ میں ایک دن پہرہ دینے کے فضائل

۱۲۹۰:- وعن سهل بن سعد- رضی الله عنه-: أنَّ رسول الله- ﷺ- قَالَ: ((رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا، وَمَوْضِعُ سَوْطِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا، وَالرَّوْحَةُ يَرُوحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيلِ اللهِ تَعَالَى، أَوِ الْغَدْوَةُ، خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے راستہ میں ایک دن سرحدوں کی حفاظت کرنا (وہاں چوکی اور پہرہ دینا) دنیا اور دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس سب سے بہتر ہے (یعنی اس کا اجر وثواب دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے) اور جنت میں تم میں سے کسی کی ایک کوڑے کے برابر جگہ (یعنی وہاں کی چھوٹی سی جگہ) دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے (یعنی اس کی قیمت دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے بڑھ کر ہے) اور کوئی بندہ اللہ کے راستہ میں شام کے وقت، یا صبح کے وقت چلے؛ یہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔

افادات:- دشمنوں کے مقابلہ کے لیے سرحدوں پر جو فوج مقرر کی جاتی ہے، تاکہ وہاں پہرہ دیا جائے اور ملک کی حفاظت ہو؛ اس کو ''رباط'' کہتے ہیں۔

پہرہ دینے پر اتنا بڑا اجر کیوں؟

۱۲۹۱:- وعن سَلْمَانَ- رضی الله عنه-. قَالَ: سَمِعْتُ رسول الله ﷺ يقول: رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ، وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُ، وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ، وَأَمِنَ الْفَتَّانَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک دن رات کا اللہ کے راستہ میں پہرہ دینا پورے مہینہ کے روزے اور پورا مہینہ راتوں کو اللہ کے سامنے عبادت کے لئے کھڑا ہونے سے بہتر ہے، اور اگر اسی میں موت آ گئی تو اس کا یہ عمل برابر جاری رہے گا۔ (یعنی قیامت تک اس کو اس عمل کا ثواب ملتا رہے گا) اور اس کی روزی بھی اس کے لئے جاری رہے گی، اور وہ آدمی قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

افادات:- پورے مہینہ تک آدمی روزہ رکھے اور رات بھر عبادت کرتا رہے، اس کے مقابلہ میں فقط ایک دن رات اللہ کے راستہ میں پہرہ دینے کا ثواب زیادہ ہے۔ اس لئے کہ اس کی وجہ سے اللہ کے بے شمار بندے اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کے لئے فارغ کر سکیں گے، ورنہ یہ ہوگا کہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کا کسی کو بھی موقع نہیں ملے گا۔

جو عمل قیامت تک جاری رہے گا

۱۲۹۲:- وعن فَضَالَةَ بن عُبَيْد- رضی الله عنه- أنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: **كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ إِلاَّ الْمُرَابِطَ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَإِنَّهُ يُنْمى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَيُؤَمَّنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ.** (رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر مرنے والے کا عمل ختم ہو جاتا ہے، مگر اللہ کے راستہ میں سرحدوں کی حفاظت کرنے والا کہ قیامت تک اس کے عمل کا اجر بڑھتا رہے گا۔ اور قبر کے فتنہ سے اس کو محفوظ اور مامون رکھا جائے گا۔

افادات:- ظاہر ہے کہ موت کی وجہ سے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور جو بھی اعمال آدمی کرتا ہے وہ موقوف ہو جاتے ہیں، مگر جو آدمی اللہ کے راستہ میں

سرحد کی حفاظت پر مامور تھا اور اسی حالت میں اس کی موت آ گئی، تو اس کا یہ عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا، انتقال کے بعد بھی اس کے اس عمل کے اندر اللہ تعالیٰ ترقی دیتے رہیں گے اور قیامت تک اس کو اس عمل کا اجر ملتا رہے گا۔

دیکھئے! بعض اعمال تو وہ ہیں جن کو صدقۂ جاریہ کی حیثیت دی گئی ہے، جیسے: ایک آدمی نے کسی کو علم پڑھایا، اس نے اس پر عمل کیا، پھر اس نے دوسرے کو پڑھایا، اس نے تیسرے کو پڑھایا۔ یا کسی آدمی نے کوئی نیکی کا ایسا کام کیا کہ اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں جیسے: مسجد تعمیر کر دی، مدرسہ تعمیر کر دیا، کنواں بنا دیا، اور مسافر خانہ تعمیر کیا؛ تو وہاں جو ثواب ملتا ہے وہ لوگوں کے اس کے عمل سے فائدہ اٹھانے کے نتیجہ میں ملتا ہے، لیکن یہاں پر اس کا عمل اس کے مقابلہ میں الگ ہے، وہ آدمی اللہ کے راستہ میں سرحدوں کی حفاظت کا جو کام کر رہا تھا، اس کی موت کی وجہ سے اس کے عمل کا سلسلہ ہی منقطع ہو گیا ہے؛ لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے باجود اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا قیمتی ہے کہ اس کی موت ہو چکنے کے باوجود اس کا یہ عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور جب عمل بڑھتا رہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا ثواب بھی اس کو ملتا رہے گا۔

ایک دن کا عمل ہزار دنوں سے بڑھ کر

۱۲۹۳:- وعن عثمان -رضی اللہ عنہ-، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللہ ﷺ يقول: ((رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ يَوْمٍ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ))

(رواہ الترمذی، وقال: ((حدیث حسن صحیح)).

ترجمہ:- حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم

ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ کے راستہ میں ایک دن سرحدوں کی حفاظت کرنا، شریعت کے دوسرے مراتب کے ہزار دنوں سے بڑھ کر ہے۔

افادات:- ایک دن کا عمل ہزار دنوں سے بڑھ کر ہے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے شریعت کی حفاظت اور اس کی ترویج ہوتی ہے، اور اس کے نتیجہ میں شریعت کے تمام اعمال پر عمل کرنا دوسرے آدمیوں کے لئے ممکن ہوتا ہے۔

جہاد اور شہادت کی اہمیت

۱۲۹۴:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: تَضَمَّنَ اللهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ، لا يُخْرِجُهُ إِلاَّ جِهَادٌ فِي سَبِيلِي، وَإِيمَانٌ بِي، وَتَصْدِيقٌ بِرُسُلِي، فَهُوَ عَلَيَّ ضَامِنٌ أَنْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، أَوْ أُرْجِعَهُ إِلَى مَنْزِلِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ، أَوْ غَنِيمَةٍ. وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، مَا مِنْ كَلْمٍ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِ اللهِ، إِلاَّ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ كُلِمَ، لَوْنُهُ لَوْنُ دَمٍ، وَرِيحُهُ رِيحُ مِسْكٍ. وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَوْلاَ أَنْ يَشُقَّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مَا قَعَدْتُ خِلاَفَ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللهِ أَبداً، وَلكِنْ لاَ أَجِدُ سَعَةً فَأَحْمِلُهُمْ وَلاَ يَجِدُونَ سَعَةً، وَيَشُقُّ عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي. وَالَّذِي نَفْس مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَوَدِدْتُ أَنْ أَغْزُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَأُقْتَلَ، ثُمَّ أَغْزُوَ فَأُقْتَلَ، ثُمَّ أَغْزُوَ فَأُقْتَلَ)) رواه مسلم، وروى البخاري بعضه ((الْكَلْمُ)): الجَرْحُ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے نکلتا ہے، اور سوائے اللہ کے راستہ میں جہاد کے، اور اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کے کوئی اور غرض یا نیت اس کو گھر سے نہیں نکالتی (مطلب یہ ہے کہ دل میں کوئی اور جذبہ موجود نہیں ہوتا، مثلاً: شہرت، نام آوری، ریا اور

نمود، غنیمت کا حصول، مالی اعتبار سے فائدہ؛ ایسی کوئی نیت نہ ہو) تو ایسے آدمی کے لئے اللہ تعالیٰ ذمہ داری اور گارنٹی لیتے ہیں کہ میرے اوپر ضروری ہے کہ اس کو جنت کے اندر داخل کروں گا (اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا اور چوں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کریں گے، اس لئے یہاں اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا کہ میرے اوپر ضروری ہے کہ اگر شہید ہو گیا تو جنت میں جائے گا) یا اگر شہید نہیں ہوا تو میں اس کو اس کے گھر جہاں سے وہ نکلا تھا ثواب اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹاؤں گا (پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! جو زخم اللہ کے راستہ میں آدمی کو پہنچتا ہے، قیامت کے روز وہ ایسی حالت میں آئے گا جیسے آج ہی اس کو زخم لگا ہو (یعنی جس وقت زخم لگتا ہے تو اس میں سے خون نکلتا ہے، جوں جوں وقت گزرتا ہے، خون نکلنے کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے، لیکن قیامت کے روز میدانِ حشر میں جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا تو اس کے زخم کی وہی ہیئت اور شکل وصورت ہوگی جو زخم لگنے کے دن تھی، یعنی عین زخم لگتے وقت جیسے خون نکلا تھا ویسے ہی خون نکل رہا ہوگا) اس کا رنگ تو خون جیسا ہوگا لیکن اس میں سے خوشبو مشک کی آرہی ہوگی۔

(پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! اگر مسلمانوں کے مشقت میں پڑ جانے کا خیال نہ ہوتا تو کسی جماعت کو رخصت کرنے کے بعد جو اللہ کے راستہ میں جہاد کر رہی ہو؛ میں گھر پر نہ بیٹھتا۔ اس لیے کہ خود ان کے پاس بھی جہاد میں شرکت کرنے کے لئے ضروری سامان موجود نہیں ہے، اور میرے پاس بھی اتنے اسباب نہیں ہیں کہ جتنے لوگ شریک ہونا چاہتے ہیں ان سب کے لئے انتظام کر سکوں، اور میرے بغیر مدینہ منورہ میں ٹھہرنا ان کے لیے گرانی کا باعث ہوگا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! میری دلی خواہش یہ تھی کہ میں اللہ کے راستہ میں جہاد

کروں اور شہید کیا جاؤں، پھر جہاد میں شریک ہوؤں اور شہید کیا جاؤں، پھر جہاد میں شرکت کروں اور پھر شہید کیا جاؤں (بار بار شہادت میسر آتی رہے)۔

افادات:- صحابہ کی وہ جماعت جس کو نبیٔ کریم ﷺ جہاد کے لئے روانہ فرماتے تھے اور خود حضور اکرم ﷺ بنفس نفیس اس میں شریک نہ ہوتے تھے؛ اس کو ''سریہ'' کہتے ہیں۔ یہاں مطلق جماعت مراد ہے، حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جہاد کے لئے مسلمانوں کی جماعت کو روانہ کرنے کے بعد میں کبھی بھی گھر پر نہ بیٹھتا، بلکہ میں بھی ان کے ساتھ جاتا، لیکن میرا ہمیشہ ہر جماعت کے ساتھ جہاد کے لئے جانا مسلمانوں کے لئے مشقت کا باعث ہوتا۔ اس لیے کہ اگر حضورِ اکرم ﷺ خود بنفسِ نفیس جس جہاد میں شرکت فرمارہے ہوں تو ظاہر ہے کہ آپ کو اس میں جاتا ہوا دیکھ کر کون مسلمان ہوگا (خاص کر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) جو مدینہ منورہ میں رہ جائے۔ یعنی وہ اس غزوہ سے غیر حاضر رہ کر مدینہ منورہ میں قیام کو کسی حال میں بھی پسند نہ کرتے، بلکہ جب آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو آپ کے ساتھ حضراتِ صحابہ بھی نکلنے کو اپنے لئے ضروری سمجھتے، اور ظاہر ہے کہ جہاد میں جانے کے لئے سامان اور اسباب کی ضرورت پڑتی ہے، سواری ہونی چاہیے، ہتھیار ہونے چاہئیں، اور اس زمانہ میں ہر ایک کے پاس یہ چیزیں میسر نہیں تھیں، اسی کو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: خود ان کے پاس بھی جہاد میں شرکت کرنے کے لئے ضروری سامان موجود نہیں ہوتا ہے، اور میرے پاس بھی اتنے اسباب نہیں کہ جتنے لوگ شریک ہونا چاہتے ہیں ان سب کے لئے انتظام کرسکوں، اس لئے ظاہر ہے کہ سب تو شریک نہیں ہوسکیں گے، کچھ لوگ ایسے رہیں گے جو شریک نہیں ہو پائیں گے۔ اب حضور ﷺ تو تشریف لے جائیں اور ان

کو مدینہ منورہ میں ٹھہرنا پڑ جائے تو یہ چیز ان کے لئے گرانی اور مشقت کا باعث ہوتی، اس لئے (حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ) مَیں ہر ایک جماعت جو اللہ کے راستہ میں جہاد کے واسطے جاتی ہے اس میں شریک نہیں ہوتا۔ گویا آپ کا تمام جماعتوں کے ساتھ شرکت نہ کرنا محض امت کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کرنے کے لئے تھا۔ اس روایت سے جہاد اور اس میں شہادت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

رنگ خون کا؛ خوشبو مشک کی

۱۲۹۵: وعنه قَالَ قَالَ رسولُ الله ﷺ: مَا مِنْ مَكْلُومٍ يُكْلَم فی سَبِيلِ الله إلاَّ جَاءَ يَوْمَ القِيَامَةِ، وَكَلْمُهُ يَدْمِي: اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ، وَالرِّيحُ رِيحُ مِسكٍ. (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس آدمی کو اللہ کے راستہ میں زخم لگا وہ قیامت کے روز ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے اس زخم میں سے خون نکل رہا ہوگا، اس کا رنگ تو خون جیسا ہوگا، لیکن اس میں سے خوشبو مشک جیسی آرہی ہوگی۔

۱۲۹۶:- وعن معاذٍ رضی اللہ عنہ عن النبيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ قَاتَلَ فی سَبِيلِ الله من رَجُلٍ مُسْلِمٍ فُوَاقَ نَاقَةٍ، وَجَبَتْ لَهُ الجَنَّةُ، وَمَنْ جُرِحَ جُرْحاً فی سَبِيلِ اللهِ أَوْ نُكِبَ نَكْبَةً فَإنَّهَا تَجِيءُ يَوْمَ القِيَامَةِ كَأَغْزَرِ مَا كَانَتْ: لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ، وَرِيحُهَا كَالمِسْكِ. (رواه أبو داود والترمذی، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی مسلمان اللہ کے راستہ میں تھوڑی دیر کے لئے بھی جہاد و قتال کے لئے نکلا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی (غور کیجئے کہ کتنا اونچا عمل ہے) اور جو آدمی اللہ کے راستہ میں نکلنے کے بعد

زخمی ہوا، یا اس کو کسی بھی طرح کی تکلیف پہنچی (تکلیف کی بہت ساری شکلیں ہیں) تو قیامت کے روز وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے زخم سے بہت زیادہ خون بہہ رہا ہوگا۔ اس کا رنگ تو زعفران جیسا ہوگا اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی۔

افادات:- ''فُوَاقَ نَاقَةٍ'' جانور کو دوہنے کے دوران دوہنے والا جانور کے تھن کا سرا پکڑ کر دباتا اور پمپنگ کرتا ہے، اس کی وجہ سے دودھ کی دھار نکلتی ہے، ایک مرتبہ دبانے پر اس میں جتنا دودھ ہوتا ہے وہ نکل جاتا ہے، پھر انگلی کو ہٹا لیتا ہے، جب انگلی ہٹاتا ہے اتنی دیر میں پھر دوبارہ اس میں دودھ آجاتا ہے، پھر دباتا ہے، اسی طرح دباتا اور چھوڑتا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ دودھ کی دھار نکلنے کے بعد تھن کے سرے میں دوسرا دودھ لانے کے لئے ایک لمحہ کے لئے جو انگلی ہٹائی جاتی ہے، بیچ والا وقفہ جو چند سیکنڈ کا ہوتا ہے، اس کو عربی میں ''فُوَاقٌ'' کہتے ہیں۔

اپنے گھر کی ستر سال کی عبادت سے افضل ہے

۱۲۹۷:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رسولِ الله ﷺ بِشِعبٍ فِيهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَة، فَأَعْجَبَتْهُ، فَقَالَ: لَو اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَأَقَمْتُ فِي هَذَا الشِّعْبِ، وَلَنْ أَفْعَلَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ رسولَ اللهِ ﷺ فذَكَرَ ذَلِكَ لرسول الله ﷺ فَقَالَ: لاَ تفعلْ، فَإِنَّ مُقَامَ أَحَدِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلاَتِهِ فِي بَيْتِهِ سَبْعِينَ عَاماً، أَلاَ تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ، وَيُدْخِلَكُمُ الجَنَّةَ؟ أُغْزُوا فِي سَبِيلِ الله، من قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الجَنَّةُ.

(رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

وَ((الفُوَاقُ)): مَا بَيْنَ الحَلْبَتَيْنِ.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی کسی پہاڑی علاقہ کی گھاٹی سے گزرے (پہاڑ کے اندر جو راستہ ہوتا ہے؛ اس کو "شِعْبٌ" یعنی گھاٹی کہتے ہیں) وہاں انہوں نے میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ دیکھا، ان کو وہ منظر بڑا اچھا لگا تو انہوں نے اپنے جی میں تمنا کی کہ اگر میں سب لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر اس گھاٹی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بیٹھ جاؤں تو بہت اچھا ہو (اس سے زیادہ اچھی اور کونسی جگہ ہوسکتی ہے۔ان کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی، لیکن حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے دل میں آنے والی کسی بھی تمنا کو اس وقت تک عملی جامہ نہیں پہناتے تھے جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے پیش نہ کریں۔اس لئے انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ تمنا ہوئی اور وہیں بیٹھ گئے بلکہ سوچا کہ) میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا جب تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اجازت نہ لے لوں (اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اچھے کاموں کی تمنا پیدا ہو تب بھی اپنے بڑوں سے مشورہ کر لینا ضروری ہے) چناں چہ انہوں نے (اپنے ارادے کا) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے تذکرہ کیا۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: (تمہارا ارادہ کوئی برا نہیں تھا، لیکن) ایسا مت کرنا، اس لیے کہ تم میں سے کسی کا اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے کھڑا ہونا؛ اپنے گھر کی ستر سال عبادت سے افضل ہے۔کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کردے اور تم کو جنت میں داخل کردے؟ (اگر ایسا چاہتے ہو) تو اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔جو آدمی اللہ کے راستہ میں اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیانی وقفہ کے برابر (یعنی تھوڑی دیر) بھی قتال کرے گا، اس کے لئے جنت واجب ہوجائے گی۔

جہاد کے برابر کوئی عمل نہیں

۱۲۹۸:-وعنه قَالَ: قيل: يَارسولَ اللهِ، مَا يَعْدِلُ الجهادَ في سَبِيلِ

اللهِ؟ قَالَ: لاَتَسْتَطِيعُونَهُ. فَأَعَادُوا عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثاً كُلُّ ذٰلِكَ يَقُولُ: لاَ تَسْتَطِيعُونَهُ! ثُمَّ قَالَ: مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللهِ لاَيَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ، وَلاَ صَلاَةٍ، حَتَّى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ. متفقٌ عَلَيْهِ، وهذا لفظ مسلمٍ

وفی رواية البخاری: أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَارسول الله، دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ يَعْدِلُ الْجِهَادَ؟ قَالَ: ((لاَ أَجِدُهُ)) ثُمَّ قَالَ: ((هَلْ تَسْتَطِيعُ إِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَكَ فَتقومَ وَلاَ تَفْتُرَ، وَتَصُومَ وَلاَ تُفْطِرَ)) ؟ فَقَالَ: وَمَنْ يَسْتَطِيعُ ذٰلِكَ؟!.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کے راستہ میں جہاد کے برابر کون سا عمل ہے؟ (یعنی اور کوئی عمل ایسا ہے جو جہاد کی برابری کر سکتا ہو؟) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (جہاد کے برابر جو عمل میں بتاؤں گا) تم اس کو نہیں کر سکو گے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو یا تین مرتبہ یہی سوال پوچھا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر بار یہی ارشاد فرماتے رہے کہ تم سے ہو نہیں سکے گا پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ آدمی جو روزہ دار ہو، اللہ کے سامنے نماز کے لئے کھڑا ہو کر قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہو، اور نماز، روزہ سے ذرہ برابر بھی تھکتا نہ ہو، یہاں تک کہ وہ مجاہد جہاد سے واپس آجائے (یعنی یہ آدمی جہاد کے لئے نکلا وہاں سے لے کر واپس آنے تک اسی میں مشغول رہے۔ مثلاً اس کو جہاد میں دس دن لگے اور ایک آدمی اپنے گھر میں اس کے نکلنے سے واپس آنے تک مسلسل دس روز تک اسی طرح بغیر تھکے ہوئے روزہ، نماز میں لگا

رہے۔ اب ایسا تو کون کرسکتا ہے؟ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کو انجام نہیں دے سکتے)۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جو جہاد کے برابر ہو؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کے برابر میں کوئی بھی عمل نہیں پاتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم سے یہ ہوسکتا ہے کہ ایک مجاہد جہاد کے لئے نکلے، اور تم مسجد میں داخل ہوجاؤ اور اس کے واپس آنے تک بغیر تھکے ہوئے نماز پڑھتے رہو، اور روزہ کی بھی نیت کرلو اور اس کے واپس آنے تک افطار بھی نہ کرو؟ (ظاہر ہے کہ ایسا کون کرسکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ جہاد کے عمل کا مقابلہ اور اس کی برابری نہیں ہوسکتی)۔

تلواروں کے سایہ میں

۱۲۹۹:-وعنه: أنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ، رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، يَطِيرُ عَلَى مَتْنِهِ، كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّهُ أَوْ رَجُلٌ فِي غُنَيْمَةٍ فِي رَأْسِ شَعَفَةٍ مِنْ هَذَا الشَّعَفِ أَوْ بَطْنِ وَادٍ مِنَ الْأَوْدِيَةِ، يُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَيَعْبُدُ رَبَّهُ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْيَقِينُ، لَيْسَ مِنَ النَّاسِ إِلَّا فِي خَيْرٍ)) (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے گھوڑے کی لگام کو پکڑے ہوئے اللہ کے راستہ میں نکلا ہو اور جہاں کوئی گھبراہٹ کی بات اور آواز سنے کہ فوراً گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوکر بھاگتا دوڑتا وہاں پہنچ جائے۔ پھر کہیں دوسری جگہ خطرے کی آواز سنے اور ذرا سا احساس ہو، تو شہادت اور موت کی تلاش میں فوراً گھوڑے پر سوار ہوکر نکل پڑے (کہ وہاں جاؤں گا تو مجھے

شہادت نصیب ہوگی۔ گویا یہ آدمی زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ اختیار کئے ہوئے ہے) یا وہ آدمی جو اپنی بکریوں کے ساتھ پہاڑوں کی چوٹی پر، یا کسی وادی میں اپنی بکریوں کے ساتھ رہتا ہے، نماز قائم کررہا ہے، زکوٰۃ ادا کررہا ہے، اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہے، لوگوں کو اس کی طرف سے سوائے بھلائی کے اور کوئی بات نہیں پہنچ رہی ہے؛ یہاں تک کہ اس کو موت آجائے۔

مجاہد کے لیے جنت کے سو درجے

۱۳۰۰:- وعنه: أنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: إنَّ في الجنَّةِ مِئَةَ دَرَجَةٍ أعَدَّهَا اللهُ لِلْمُجَاهِدِينَ في سَبِيلِ اللهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأرْضِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھے ہیں، اور دو درجوں کے درمیان زمین وآسمان جتنا فاصلہ ہے۔

۱۳۰۱:- وعن أَبِي سعيد الخدري رضي الله عنه أنَّ رَسولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ رَضِيَ بِاللهِ رَبّاً، وَبِالإسْلاَمِ ديناً، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولاً، وَجَبَتْ لَهُ الجَنّةُ. فَعَجِبَ لَهَا أَبُو سَعيدٍ، فَقَالَ: أَعِدْهَا عَلَيَّ يَا رسولَ اللهِ، فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: وَأُخْرَى يَرْفَعُ اللهُ بِهَا العَبْدَ مِئَةَ دَرَجَةٍ في الجَنَّةِ، مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَينِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأرْضِ. قَالَ: وَمَا هِيَ يَا رسول الله؟ قَالَ: الجِهَادُ في سَبِيلِ اللهِ، الجِهَادُ في سَبيلِ اللهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر راضی ہوگیا؛ اس کے لئے جنت واجب ہے (جب میں نے یہ بات سنی) تو مجھے بہت اچھی معلوم

ہوئی، اس لیے میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ بات جو آپ نے ارشاد فرمائی اس کو دوبارہ ارشاد فرمایئے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات پھر دہرائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: ایک چیز اور بھی ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندے کے سو درجے جنت میں بلند فرماتے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان زمین وآسمان جتنا فاصلہ ہے۔ میں نے عرض کیا: وہ کونسی چیز ہے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں کوئی دغدغہ، تردد اور شک وشبہ کا شکار نہیں رہتا اور جس آدمی کو پورا قلبی اطمینان ہو، وہی راضی رہ سکتا ہے، اگر قلبی اطمینان نہ ہو تو دل میں کہیں نہ کہیں ناراضگی آئے گی، اور ایسا آدمی سوچتا ہے کہ میں کہاں پھنس گیا۔ ایک مؤمن کو اپنے ایمان پر مسرت وخوشی ہوتی ہے، اور ایمان پر اطمینان بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ اور جو آدمی اپنے ایمان پر مطمئن ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر اور اسلام کے دین ہونے پر خوش ہوتا ہے؛ اس کے لئے جنت واجب ہے۔

تلواروں کی چھاؤں میں

۱۳۰۲: وعن أَبي بكر بن أَبي موسى الأشعريّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبي رضي الله عنه وَهُوَ بِحَضْرَةِ العَدُوِّ، يقول: قَالَ رسول الله ﷺ: إنَّ أَبْوَابَ الجَنَّةِ تَحْتَ ظِلاَلِ السُّيُوفِ. فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الهَيْئَةِ، فَقَالَ: يَا أَبَا مُوسَى! أأنْتَ سَمِعْتَ رسولَ الله ﷺ يقول هَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَرَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: أَقْرَأُ عَلَيْكُم السَّلاَمَ، ثُمَّ كَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهِ فَأَلْقَاهُ، ثُمَّ مَشَى بِسَيْفِهِ إِلَى العَدُوِّ فَضَرَبَ بِهِ حَتَّى قُتِلَ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوبکر جو حضرت ابوموسیٰ اُشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب زادے ہیں، وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اُشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں جس وقت وہ دشمن کے مقابلہ پر تھے وہیں یہ بات چیت ہو رہی تھی (حضرت ابوموسیٰ اُشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرمارہے تھے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت کے دروازے تلواروں کی چھاؤں میں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر ایک آدمی اٹھا جس کی ہیئت ایسی تھی کہ بدن پر پھٹے پرانے کپڑے تھے (یعنی اس کی ظاہری حالت عمدہ نہیں تھی، معمولی حالت والا آدمی تھا) اور پوچھا: اے ابوموسیٰ! کیا آپ نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ارشاد فرما رہے تھے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جی ہاں! میں نے خود سنا ہے۔ یہ سن کر وہ آدمی اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا: میں تم سب کو سلام کرتا ہوں (گویا یہ میرا رخصتی کا سلام ہے) پھر اس نے اپنی تلوار کی میان کو توڑ کر پھینک دیا، اور تلوار لے کر دشمن کی طرف بڑھا اور جنگ میں مشغول ہوا؛ یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

افادات:- "إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ" کیسا بہترین اور شیریں جملہ ہے۔ **"جنت کے دروازے تلواروں کی چھاؤں میں ہیں"** اس کلام کے اندر عجیب کشش ہے۔

جس نے اللہ کے راستہ کی دھول برداشت کی

۱۳۰۳:- وعن أَبِي عبسٍ عبد الرحمان بن جَبْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رسول اللہ ﷺ: ما اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوعبس عبدالرحمن بن جبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس بندے کے پاؤں اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہوئے اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

۱۳۰۴:-وعن أبي هريرة رضي الله عنه قَالَ قَالَ رسول الله ﷺ: لاَ يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِى الضَّرْعِ، وَلاَ يَجْتَمِعُ عَلَى عَبْدٍ غُبَارٌ فِى سَبِيلِ اللهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ. (رواه الترمذي، وقال: ((حديث حسن صحيح)).

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا ہو؛ وہ جہنم میں نہیں جائے گا یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس لوٹ جائے (اور ظاہر ہے کہ دودھ تھن میں واپس نہیں لوٹ سکتا، اسی طرح یہ آدمی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوسکتا) اور کسی بندے پر اللہ کے راستہ کی دھول اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہوسکتا (یعنی جس نے اللہ کے راستہ کی دھول کی تکلیف برداشت کی، تو جہنم کا دھواں کبھی نہیں کھائے گا یعنی جہنم میں داخل نہیں ہوگا)۔

دو آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی

۱۳۰۵:-وعن ابن عباس رضي الله عنهما قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقول عَيْنَانِ لاَ تَمَسُّهُمَا النَّارُ: عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ، وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِى سَبِيلِ اللهِ. (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: دو آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی ہو۔ اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے راستہ میں حفاظت کے لئے رات بھر جاگی ہو (یعنی جہاد میں پہرہ دینے کے لئے جاگی ہو۔ جہاد میں چوکی دینے کے لیے کبھی رات بھر بھی جاگنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

بے جہاد مجاہد

۱۳۰۶:-وعن زید بن خالد رضی اللہ عنہ أنَّ رسولَ اللہ ﷺ قالَ: مَنْ جَهَّزَ غَازِياً فی سَبِيلِ اللہِ فَقَدْ غَزَا، وَمَنْ خَلَفَ غَازِياً فی أَهْلِهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَا. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کو سامان مہیا کیا، گویا اس نے خود بھی جہاد میں شرکت کی۔ اور جس نے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کے گھر والوں میں بھلائی کے ساتھ اس کی جانشینی کی؛ تو یہ بھی ایسا ہی سمجھا جائے گا گویا خود غزوہ میں شریک ہوا۔

افادات:- کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جہاد میں جانا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس اسباب نہیں ہوتے۔ یہاں خود جہاد میں نہیں گیا لیکن جہاد میں جانے والے کے لئے سامان کا انتظام کر دیا، تو بروئے حدیث "اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ" نیکی کے کام میں مدد کرنے پر بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا کہ خود وہ کام انجام دیا ہو۔

ایک آدمی اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے گیا ہے، اس کی غیر حاضری کی وجہ سے گھر میں کھوٹ پڑتی ہے، جیسے: گھر والوں کو کوئی چیز منگوانی ہے، یا ان کا کوئی کام رُکا ہوا ہے، ان کے باہر کے کام انجام دینے والا کوئی نہیں ہے، وہ خود ہوتا تو سارے کام انجام دیتا، دوسرا آدمی اس کی جگہ پر وہ سارے کام کر رہا ہے، اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ آدمی بھی ایسا ہی سمجھا جائے گا گویا وہ بھی غزوہ میں شریک ہوا ہے۔

بہترین صدقات

۱۳۰۷:-وعن أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللہ ﷺ: أَفْضَلُ

الصَّدَقَاتِ، ظِلُّ فُسْطَاطٍ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ وَمَنِیحَةُ خَادِمٍ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ، أَوْ طَرُوقَةُ فَحْلٍ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ (رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:۔حضرت ابوأمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہترین صدقات یہ ہیں: اللہ کے راستہ میں کسی خیمہ کا سایہ، کسی خادم کا عطیہ، یا ایسی اونٹنی جو جفتی کے لائق ہو۔

افادات:۔مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جہاد کے لئے جاتے ہیں ان کو خیمہ کی بھی ضرورت پیش آتی ہے، تو اگر کسی آدمی نے خیمہ دیدیا۔ اسی طرح اپنے کاموں کو انجام دینے کے لئے کسی نوکر اور خادم کی ضرورت ہوتی ہے وہ کسی نے مہیا کردیا۔ ایسی اونٹنی دی جو جفتی کے لائق ہو، اس لیے کہ ایسی اونٹنی ہی سواری کے لائق بھی سمجھی جائے گی، ورنہ چھوٹا بچہ تو نہ جفتی کے لائق ہے، نہ سواری کے لائق ہے۔ یہ سب چیزیں اللہ کے راستہ میں کام آنے والی ہیں اس لیے ان سب پر بہترین صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

مجاہد کو اپنا سامان دیدینے کی فضیلت

۱۳۰۸:۔وعن أنس رضی اللہ عنہ: أن فَتًی مِنْ أَسْلَمَ قَالَ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّی أُرِیدُ الغَزْوَ وَلَیْسَ مَعِیَ مَا أَتَجَهَّزُ بِهِ، قَالَ: ائْتِ فُلَانًا فَإِنَّهُ قَدْ کَانَ تَجَهَّزَ فَمَرِضَ. فَأَتَاهُ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یُقْرِئُكَ السَّلَامَ، ویقول: أَعْطِنِی الَّذِی تَجَهَّزْتَ بِهِ. قَالَ: یَا فُلَانَةُ! أَعْطِیهِ الَّذِی کُنْتُ تَجَهَّزْتُ بِهِ، وَلَا تَحْبِسِی عَنْهُ شَیْئًا، فَوَاللّٰهِ لَا تَحْبِسِی مِنْهُ شَیْئًا؛ فَیُبَارَكَ لَكِ فِیهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ قبیلۂ أسلم کا ایک نوجوان نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں

لیکن میرے پاس سامانِ جہاد نہیں ہے (اس وجہ سے اپنے اس ارادہ کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم فلاں کے پاس جاؤ، اس نے جہاد کے لئے ساری تیاریاں کرلی تھیں مگر وہ بیمار ہوگیا ہے (بیماری کی وجہ سے وہ نہیں جاسکا ہے۔ اس نے جو سامان اپنے لئے تیار کیا تھا اس سے وہ حاصل کرلو) چناں چہ وہ نوجوان اس کے پاس پہنچا اور کہا: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم کو سلام کہا ہے اور فرمایا: تم نے جہاد کے لئے جو سامان تیار کیا ہے، وہ مجھے دیدو (جب اللہ کے رسول نے کہلوایا تو اب انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا) اس آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: اے فلانی! میں نے اپنے لئے جو بھی سامان تیار کیا تھا وہ سب اسے دیدے، اور اس میں سے ایک بھی چیز روک کرمت رکھیو، اگر ایک چیز بھی روکے رکھوگی تو اس میں تمہارے لئے برکت نہیں ہوگی۔

افادات:- اس روایت کو لاکر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی آدمی پوری تیاری کر چکا ہوتا ہے، پھر کسی عذر کی وجہ سے نہیں جاسکتا، تو اگر دوسرا کوئی آدمی ایسا ہو جو جانا چاہتا ہو لیکن اس کے پاس اسباب و وسائل نہ ہوں، تو اس کو چاہیے کہ اپنا سامان اس کو دیدے، اس صورت میں وہ بھی ایک طرح سے اس کے ساتھ شریک ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں آگے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزید ارشاد بھی آرہے ہیں۔ اور پہلے بھی گزر چکا ہے کہ جو آدمی غازی کو سامان مہیا کرے گا وہ بھی ثواب میں اس کے ساتھ شریک ہے۔

مجاہد کے ثواب میں شرکت کی عمدہ ترتیب

۱۳۰۹:- عن أَبِي سعيد الخدري رضي الله عنه أَنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم بَعَثَ إِلَى بَنِي لَحْيَانَ، فَقَالَ: لِيَنْبَعِثْ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا، وَالأَجْرُ بَيْنَهُمَا. (رواه مسلم)

وفی روایۃٍ لَہُ: ((لِیَخْرُجَ مِنْ کُلِّ رَجُلَیْنِ رَجُلٌ)) ثُمَّ قَالَ للقاعد: ((أَیُّکُمْ خَلَفَ الخَارِجَ فِی أَھْلِہِ وَمَالِہِ بِخَیْرٍ کَانَ لَہُ مِثْلُ نِصْفِ أَجْرِ الخَارِجِ)).

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنولحیان کی طرف ایک لشکر بھیجا (جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر روانہ فرمارہے تھے) آپ نے ایک بات ارشاد فرمائی: ہر دو آدمیوں میں سے ایک آدمی نکلے اور ثواب دونوں کے درمیان برابر تقسیم ہوجائے گا۔

مسلم شریف کی دوسری روایت میں یہ بھی ہے: دو میں سے ایک آدمی نکلے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر بیٹھنے والے سے فرمایا: جو آدمی اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے گیا ہے، اس کے گھر والوں، اس کے مال اور کاروبار وغیرہ میں جو اس کی نیابت کرے گا (یعنی نکلنے والا یہاں رہ کر گھر کی جو ضرورتیں پوری کرتا تھا، اور کام کاج کرلیا کرتا تھا، کاروبار انجام دیا کرتا تھا؛ وہ سب یہاں رہنے والا سنبھال لے گا) تو راہِ خدا میں نکلنے والے کا آدھا ثواب اِس کو بھی ملے گا۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ دو بھائی کاروبار میں شریک ہیں، تو ایک آدمی کاروبار سنبھال لے، اور دوسرے سے کہے کہ تم جاؤ، مَیں کاروبار سنبھالتا ہوں۔ جو لوگ اس طرح تقسیم کرلیں گے تو جانے والے کو جانے پر جو ثواب ملے گا اس ثواب میں یہاں جو اس کے کام کو سنبھالے ہوئے ہے وہ بھی شریک رہے گا۔ یہ بھی ایک عمدہ ترتیب ہے۔

عمل تھوڑا؛ اجر بڑا

۱۳۱۰:- وعن البَرَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: أَتَی النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلٌ مُقَنَّعٌ بالحَدِیدِ، فَقَالَ: یَارسولَ اللہِ، أُقَاتِلُ أَوْ أُسْلِمُ؟ قَالَ: أَسْلِمْ، ثُمَّ قَاتِلْ. فَأَسْلَمَ ثُمَّ قَاتَلَ،

فَقُتِلَ. فَقَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: عَمِلَ قَلِيلاً وَأُجِرَ كَثِيراً. متفقٌ عَلَيْهِ. وهذا لفظ البخاری.

ترجمہ :- حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا جو پورا لوہے میں ڈھکا ہوا تھا (مطلب یہ ہے کہ ہتھیار سے سجا ہوا تھا، جیسے آدمی جنگ کے لئے تیاری کرتا ہے کہ زراع اور خود پہنتا ہے، تلوار، نیزہ ڈھال وغیرہ لیتا ہے) اور اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میں جنگ کروں یا مسلمان ہوجاؤں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلے مسلمان ہوجاؤ، اس کے بعد جنگ اور قتال کرو۔ چناں چہ وہ اسلام لے آیا، اس کے بعد جنگ میں شریک ہوا؛ یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس نے عمل تو بہت تھوڑا کیا، اور اجر وثواب بہت بڑا پایا۔ (گویا اسلام لانے کے بعد عبادات کے قبیل سے کوئی اور عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی، بس! جہاد میں شریک ہوا اور اللہ تعالیٰ نے شہادت عطا فرمادی)۔

شہید ہی دنیا میں آنے کی تمنا کرے گا

۱۳۱۱:- وعن أنس رضی اللہ عنہ أنّ النبيَّ ﷺ قال: ((مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الجَنَّةَ يُحِبُّ أنْ يَرْجِعَ إلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا عَلَى الأرْضِ مِنْ شَيْءٍ إلاَّ الشَّهِيدُ، يَتَمَنَّى أنْ يَرْجِعَ إلَى الدُّنْيَا، فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ؛ لِمَا يَرَى مِنَ الكَرَامَةِ)).

وفي رواية: ((لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی جنت میں ایک مرتبہ داخل ہوجائے گا وہ دوبارہ دنیا میں آنا پسند نہیں کرے گا، چاہے اس کے بدلہ میں روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ سب اس کو دیدیا جائے، سوائے شہید کے؛ کہ وہ دنیا میں واپس آنے کی تمنا کرے گا، اس لیے کہ شہادت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جو اعزاز واکرام،

نوازشات، مقامات ومراتب حاصل ہوں گے، ان کو دیکھ کر وہ اس بات کی خواہش کرے گا کہ اس کو دس مرتبہ شہید کیا جائے۔

افادات:- شہید اس بات کی تمنا کرے گا کہ میں دنیا کی طرف بار بار جاؤں اور شہید ہوتا رہوں، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کی تمنا فرمائی ہے، جیسا کہ پہلے روایتوں میں گزر چکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین چار مرتبہ اپنی اس تمنا کا اظہار فرمایا۔

شہید کے سب گناہ معاف؛ سوائے......

۱۳۱۲:- وعن عبدِاللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما: أَنَّ رسولَ اللہ ﷺ قَالَ: يَغْفِرُ اللهُ لِلشَّهِيدِ كُلَّ شَيْءٍ إِلاَّ الدَّيْنَ. (رواہ مسلم)

وفی روایۃٍ له: ((القَتْلُ فی سبیلِ اللہِ یُکَفِّرُ کُلَّ شیءٍ إِلاَّ الدَّیْن))

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ شہید کے ہر ہر گناہ کو معاف کر دیتے ہیں، سوائے بندوں کے حقوق کے۔ دوسری روایت میں بھی یہی مضمون ہے۔

افادات:- دَین ؛ یعنی بندوں کا حق۔ اللہ تعالیٰ بندوں کا حق معاف نہیں کرتے۔ گویا شہادت ایسی فضیلت کی چیز ہے کہ اس پر آدمی کے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، لیکن بندوں کا کوئی حق -قرضہ یا اور کوئی مطالبہ- باقی ہو جو اس نے ادا نہیں کیا ہو؛ وہ شہادت کے باوجود معاف نہیں ہوتا۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ہے جس آدمی کے پاس ادا کرنے کی استطاعت ہو اس کے باوجود ادا نہ کرے۔ ہاں! ادا کرنے کا پکا ارادہ رکھتا تھا اور اس کے لئے کوشش بھی کر رہا تھا، لیکن اسباب و وسائل مہیا نہیں ہوئے یہاں تک کہ اسی حالتِ کوشش میں اس کو موت آ گئی یا شہادت

نصیب ہوگئی ؛ تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ حق کو اپنی طرف سے کچھ دے کر اس کو راضی فرمالے گا اور اس کے لئے معافی کا سامان کردے گا۔

بہرحال ! اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ بندوں کے حق کا معاملہ بڑا اہم ہے، شہادت کی وجہ سے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں لیکن قرضہ اور دوسرے حقوق جو بندوں کے ہیں وہ معاف نہیں ہوتے۔

۱۳۱۳:-وعن أَبي قتادة رضی اللہ عنہ: أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَامَ فِيهِم فَذَكَرَ أَنَّ الجِهَادَ في سَبيلِ اللهِ، وَالإيمَانَ بِاللهِ؛ أَفْضَلُ الأَعْمَالِ. فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رسولَ اللهِ! أرأَيتَ إِنْ قُتِلْتُ في سَبيلِ اللهِ، أتُكَفَّرُ عَنِّي خَطَايَايَ؟ فَقَالَ لَهُ رسول الله ﷺ: نَعَمْ، إِنْ قُتِلْتَ في سَبيلِ اللهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ، مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ. ثُمَّ قَالَ رسول الله ﷺ: كَيْفَ قُلْتَ؟ قَالَ: أرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ في سَبيلِ اللهِ، أتُكَفَّرُ عَنِّي خَطَايَايَ؟ فَقَالَ رسول الله ﷺ: نَعَمْ، وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ، مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ، إِلاَّ الدَّيْنَ؛ فَإِنَّ جِبْرِيلَ عليه السلام قَالَ لِي ذَلِكَ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کے درمیان تقریر فرمائی، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، اور اللہ تعالیٰ کے اوپر ایمان لانا؛ تمام اعمال میں سب سے بہتر عمل ہے۔ یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بتلائیے کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں شہید کردیا جاؤں؛ تو کیا میرے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں! اگر تم اللہ کے راستہ میں ایسی حالت میں شہادت پاؤ کہ تم جم کر لڑ رہے ہو، اور اللہ تعالیٰ سے اپنے اس عمل پر ثواب کی امید رکھے ہوئے ہو (''احتساب''، یعنی کسی عمل کو خالص اللہ کے

لئے انجام دے کر اللہ تعالیٰ ہی سے اجر وثواب کی توقع اور امید رکھنا) اور میدانِ جنگ میں آگے بڑھ رہے ہو، پیٹھ نہیں دکھا رہے ہو، اور ایسی حالت میں شہید ہوئے تو تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جواب ارشاد فرما چکنے کے بعد پھر دریافت کیا کہ تم نے کیا پوچھا؟ (گویا آپ نے اس کے پاس اس کا سوال پھر سے دہروایا) چناں چہ اس آدمی نے دوبارہ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بتلائیے کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں شہید کر دیا جاؤں تو میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی جواب دوبارہ ارشاد فرمایا لیکن اس میں ذرا سا اضافہ فرما دیا: جی ہاں! اگر تم اللہ کے راستہ میں ایسی حالت میں شہادت پاؤ کہ تم صبر کے ساتھ جم کر مقابلہ کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے ہوئے اخلاص کے ساتھ یہ کام انجام دے رہے ہو، آگے بڑھ رہے ہو، پیٹھ نہیں دکھا رہے ہو، اس حالت میں تم کو شہادت نصیب ہو جائے، تو تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے؛ سوائے بندوں کے حق کے (بندوں کے حق معاف نہیں ہوں گے) ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر مجھے یہ بتلایا۔ (اس سے دَیْن، قرضوں اور بندوں کے دیگر حقوقِ مالی جو باقی رہ جاتے ہیں ان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کی طرف بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے)۔

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

۱۳۱۴:- وعن جابر -رضی اللہ عنہ- قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: أَيْنَ أَنَا يَارسول الله! إِنْ قُتِلْتُ؟ قَالَ: ((فِي الْجَنَّةِ)) فَأَلْقَى تَمَرَاتٍ كُنَّ فِي يَدِهِ، ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اگر میں شہید کر دیا جاؤں تو میں کہاں ہوؤں گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: جنت میں۔ (راوی فرماتے ہیں کہ) اس وقت اس آدمی کے ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں جن کو وہ کھا رہا تھا، جب اس نے یہ جواب سنا تو وہ کھجوریں پھینک دیں اور میدانِ جنگ میں جا کر لڑائی میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا (گویا اتنا بھی انتظار نہیں رہا کہ کھجوریں کھانے تک جنت حاصل کرنے کو مؤخر کیا جائے۔)

دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دِل کو

۱۳۱۵:- وعن أنس رضی اللہ عنہ قَالَ: انْطَلَقَ رسولُ الله ﷺ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى سَبَقُوا الْمُشْرِكِينَ إِلَى بَدْرٍ، وَجَاءَ الْمُشْرِكُونَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا يَقْدَمَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمْ إِلَى شَيْءٍ حَتَّى أَكُونَ أَنَا دُونَهُ. فَدَنَا الْمُشْرِكُونَ، فَقَالَ رسولُ الله ﷺ: قُومُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ. قَالَ: يَقُولُ عُمَيْرُ بْنُ الْحُمَامِ الْأَنْصَارِيُّ رضی اللہ عنہ: يَا رَسُولَ اللهِ! جَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: بَخٍ بَخٍ؟ فَقَالَ رسولُ الله ﷺ: مَا يَحْمِلُكَ عَلَى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ؟ قَالَ: لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ إِلَّا رَجَاءَ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِهَا، قَالَ: فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا. فَأَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قَرَنِهِ، فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُنَّ، ثُمَّ قَالَ: لَئِنْ أَنَا حَيِيتُ حَتَّى آكُلَ تَمَرَاتِي هٰذِهِ إِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيلَةٌ، فَرَمَى بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ التَّمْرِ، ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ. (رواہ مسلم)

((الْقَرَن)) بفتح القاف والراء: هُوَ جُعْبَةُ النَّشَّابِ.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ بدر کی طرف چلے یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے میدان میں پہنچ گئے، مشرکین بھی آئے اور پڑاؤ ڈالا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی کسی چیز میں بھی آگے نہ بڑھے یہاں تک کہ میں اس سے پہلے پہنچوں اور اس سے کہوں (مطلب یہ ہے کہ مجھ سے پوچھے بغیر اور

میرے حکم کے بغیر کوئی آدمی کوئی بھی کام نہ کرے) چناں چہ مشرکین جب قریب ہوئے اور مقابلہ کا وقت آیا تو نبیٔ کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: اٹھو ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ حضرت عمیر بن حُمام انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسی جنت جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: جی ہاں۔ انہوں نے کہا: واہ واہ۔ حضور ﷺ نے پوچھا: تم نے واہ واہ کیوں کہا؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اس امید میں واہ واہ کہہ رہا ہوں تا کہ میں بھی جنت والوں میں سے بن جاؤں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم بھی جنتی ہو۔ اس وقت وہ اپنے ترکش میں سے کھجوریں نکال کر کھانے لگے، پھر خیال آیا تو فرمانے لگے: اگر یہ کھجوریں پوری کرنے تک بھی میں زندہ رہا تو بڑی لمبی زندگی ہوگی۔ بس! فوراً وہ کھجوریں پھینک دیں اور مقابلہ میں آگے بڑھے، یہاں تک کہ شہید ہوگئے (گویا اتنی دیر تک زندہ رہنا بھی انہوں نے گوارا نہیں کیا) سچ ہے:-

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی ✽ دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دِل کو

افادات:- کسی بھی چیز کی چوڑائی عام طور پر لمبائی کے مقابلہ میں پر کم ہوتی ہے، جب جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے، تو پھر لمبائی کا کیا عالم ہوگا؟ اور یہ بھی صرف سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ آسمان اور زمین بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد آدمی کو جنت میں لے جاتا ہے۔

جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

۱۳۱۶:- وعنہ قَالَ: جَاءَ نَاسٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنِ ابْعَثْ مَعَنَا رِجَالاً يُعَلِّمُونَا الْقُرْآنَ وَالسُّنَّةَ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ سَبْعِينَ رَجُلاً مِنَ الأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُمْ: الْقُرَّاءُ، فِيهِمْ خَالِي حَرَامٌ، يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ، وَيَتَدَارَسُونَ بِاللَّيْلِ يَتَعَلَّمُونَ،

وَكَانُوا بِالنَّهَارِ يَجِيئُونَ بِالْمَاءِ، فَيَضَعُونَهُ فِي الْمَسْجِدِ، وَيَحْتَطِبُونَ فَيَبِيعُونَهُ، وَيَشْتَرُونَ بِهِ الطَّعَامَ لِأَهْلِ الصُّفَّةِ، وَلِلْفُقَرَاءِ، فَبَعَثَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ فَعَرَضُوا لَهُمْ فَقَتَلُوهُمْ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغُوا الْمَكَانَ، فَقَالُوا: اللَّهُمَّ بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَاكَ فَرَضِينَا عَنْكَ وَرَضِيتَ عَنَّا، وَأَتَى رَجُلٌ حَرَاماً خَالَ أَنَسٍ مِنْ خَلْفِهِ، فَطَعَنَهُ بِرُمْحٍ حَتَّى أَنْفَذَهُ، فَقَالَ حَرَامٌ: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ إِخْوَانَكُمْ قَدْ قُتِلُوا وَإِنَّهُمْ قَالُوا: اللَّهُمَّ بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَاكَ فَرَضِينَا عَنْكَ وَرَضِيتَ عَنَّا. (متفقٌ عَلَيْهِ، وهذا لفظ مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ ہمارے ساتھ کچھ لوگوں کو بھیجئے جو ہم کو قرآن اور شریعت کے احکام سکھائیں (یہ درخواست کرنے والا قبیلہ سُلَیم کا ایک سردار تھا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستر انصاری صحابہ کو ان کے ساتھ بھیجا جو سب ہی قاری تھے۔ ان میں میرے ماموں حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ ان حضرات کا مشغلہ قرآن پاک پڑھنا، راتوں میں قرآن سیکھنا سکھانا تھا، دن میں لوگوں کے لئے پانی لا کر مسجد میں رکھتے تھے، جنگلوں سے لکڑیاں چن کر لاتے تھے، ان کو فروخت کر کے صفہ والوں (''صفہ'' مسجد نبوی میں ایک چبوترہ تھا، جہاں ایسے لوگ پڑے رہتے تھے جو اپنے آپ کو دین سیکھنے کے واسطے فارغ کئے ہوئے تھے) اور فقیروں کے لئے کھانا خریدتے تھے (یہی ان حضرات کا مشغلہ تھا) ایسے لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ بھیجا۔ جہاں بھیجا گیا تھا وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اسی قبیلہ کے ایک اور سردار نے (جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کد تھی اور دشمنی پر تلا ہوا تھا) اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں کو ورغلایا، انہوں نے نہیں مانا تو دوسرے کچھ لوگوں کو تیار کیا اور ان کو حضراتِ صحابہ کے مقابلہ کے

لئے بھیجا؛ چناں چہ وہ سب صحابہ شہید کردئے گئے (شہادت کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اکرام واعزاز، مغفرت وبخشش کا معاملہ فرمایا، اس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی اس تمنا کا اظہار کیا کہ) اے اللہ! ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہماری طرف سے یہ پیغام بھیج دیجئے کہ جب ہم آپ سے ملے تو (آپ کی طرف سے ہمارے ساتھ اکرام واعزاز کا یہ یہ معاملہ کیا گیا اور) اس پر ہم مطمئن وراضی ہیں، اور آپ (ہماری اطاعت وفرمانبرداری سے) راضی ہوئے (حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی قافلہ میں تھے، قافلہ کے سردار تو دوسرے صحابی تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک خط عطا فرمایا تھا جو اس قبیلہ کے اسی سردار کو لکھوایا تھا جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنی رکھتا تھا کہ تم جا کر اس کو پہنچانا۔ چناں چہ حضراتِ صحابہ کی یہ پوری جماعت تو دوسری جگہ پر ٹھہری رہی، اور قبیلے کے اس سردار کے پاس وہ خط پہنچانے کے لئے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے۔ جس وقت انہوں نے وہ خط اس سردار کے ہاتھ میں دیا تو اس نے ایک اور آدمی کو اشارہ کیا) جس نے پیچھے کی طرف سے ان کو نیزہ مارا جو آر پار ہوتا ہوا سینہ کی طرف نکلا (جس کی وجہ سے خون کا ایک فوارہ نکلا، جب انھوں نے خون نکلتا ہوا دیکھا تو اس خون کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور اپنے چہرہ پر ملتے ہوئے) فرمایا: ''فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ'' کعبہ کے رب کی قسم! میں تو کامیاب ہوگیا (ان میں سے دو آدمی بچ گئے تھے، ان میں سے بھی ایک شہید ہوگئے، صرف ایک بچ گئے، ایک مدت بعد وہ آئے، اور سارا واقعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا، لیکن اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ ساری بات بذریعۂ وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلادی تھی۔ اور اس میں ان شہیدوں کی تمنا اور پیغام کا بھی تذکرہ تھا جو انہوں نے اللہ کے حضور میں ظاہر کی تھی کہ

ہماری طرف سے یہ پیغام پہنچا دیا جائے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: تمہارے بھائی (جو وہاں بھیجے گئے تھے سب) شہید کردئے گئے، اور وہ کہتے ہیں: اے اللہ! ہماری طرف سے ہمارے نبی کو یہ بات پہنچا دیجئے کہ ہم آپ سے ملے، ہم آپ سے اور آپ ہم سے خوش ہیں (یہ واقعہ سیرت کی کتابوں میں واقعۂ بیرِ معونہ کے نام سے ملتا ہے)۔

یہ غازی یہ تیرے پُراَسرار بندے

١٣١٧:- وعنه قَالَ: غَابَ عَمِّي أنَسُ بنُ النَّضْرِ رضي الله عنه عن قِتَالِ بَدْرٍ، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ، غِبْتُ عَنْ أوَّلِ قِتَالٍ قَاتَلْتَ المُشْرِكِينَ، لَئِنِ اللهُ أشْهَدَنِي قِتَالَ المُشْرِكِينَ لَيَرَيَنَّ اللهُ مَا أصْنَعُ. فَلَمَّا كَانَ يَومُ أُحُدٍ انْكَشَفَ المُسْلِمُونَ فَقَالَ: اللَّهُمَّ إنِّي اعْتَذِرُ إلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هؤُلاءِ- يعني: أصْحَابَهُ- وَأبْرَأُ إلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هؤُلاءِ- يَعنِي: المُشْرِكِينَ- ثُمَّ تَقَدَّمَ فَاسْتَقْبَلَهُ سَعْدُ بنُ مُعَاذٍ فَقَالَ: يَاسَعَدَ بنَ مُعَاذٍ، الجَنَّةَ وَرَبِّ النَّضْرِ، إنِّي أجِدُ رِيحَهَا مِنْ دُونِ أُحُدٍ! فَقَالَ سَعْدٌ: فَمَا اسْتَطَعْتُ يَارسولَ اللهِ مَا صَنَعَ! قَالَ أنَسٌ: فَوَجَدْنَا بِهِ بِضعاً وَثَمَانِينَ ضَرْبَةً بِالسَّيْفِ، أوْ طَعْنَةً بِرُمحٍ أوْ رَمْيَةً بِسَهْمٍ، وَوَجَدْنَاهُ قَدْ قُتِلَ وَمَثَّلَ بِهِ المُشْرِكُونَ، فَمَا عَرَفَهُ أحَدٌ إلاَّ أُخْتُهُ بِبَنَانِهِ. قَالَ أنَسٌ: كُنَّا نَرَى- أوْ نَظُنُّ- أنَّ هذِهِ الآيةَ نَزَلَتْ فِيهِ وَفي أشْبَاهِهِ: مِنَ المُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ [الأحزاب إلَى آخرها]. (متفقٌ عَلَيْهِ، وَقَدْ سبق في باب المجاهدة)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر میرے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیر حاضر تھے (پہلے بھی یہ روایت آچکی ہے، اس وقت بتلایا تھا کہ غزوۂ بدر اچانک پیش آیا تھا، مشرکین کے قافلہ کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع

ملی تھی اور اس کے تعاقب کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا، اچانک روانگی ہوئی، جو لوگ موجود تھے وہ ساتھ ہو لئے، اس وجہ سے بہت سے حضراتِ صحابہ اس موقعہ پر شریک نہیں ہو سکے تھے۔ حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا اُنس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس میں شریک نہیں ہو پائے تھے جس کا ان کو بہت ہی افسوس تھا) چناں چہ انہوں نے اپنے اس افسوس کا اظہار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ان الفاظ میں کیا کہ: اے اللہ کے رسول! مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کی سب سے پہلی جنگ ہوئی جس میں آپ تشریف لے گئے اور مَیں غیر حاضر رہا، اگر آئندہ مشرکین کے ساتھ ہونے والی جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حاضری کا موقعہ دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لیں گے کہ مَیں کیا کرتا ہوں (مطلب یہ ہے کہ مَیں اس وقت اپنے بہادری کے جوہر دکھلاؤں گا) چناں چہ جب اُحد کا دن آیا تو درمیان میں ایک موقعہ پر بہت سے مسلمان میدان سے ہٹنے لگے، اس وقت حضرت اُنس بن نضرؓ نے کہا: اے اللہ! ان لوگوں (مسلمانوں) نے جو حرکت کی ہے اس پر مَیں تجھ سے معذرت چاہتا ہوں (گویا اس حرکت سے ناراضگی کا اظہار بھی کر دیا اور ان کی طرف سے معافی کی درخواست بھی کر دی؛ کیوں کہ وہ مسلمان ہیں) اور مشرکین نے جو حرکت کی اس سے مَیں اپنی براءت کا اظہار کرتا ہوں (میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے) یہ کہہ کر میدان میں آگے بڑھے۔ راستہ میں ان کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے (یہ بھی ایک انصاری صحابی ہیں جو اس جنگ میں شہید نہیں ہوئے، غزوۂ خندق کے موقعہ پر زخمی ہوئے اور اسی میں شہید ہوئے۔ بڑے جری اور بہادر تھے) تو کہنے لگے: اے سعد بن معاذ! نضر کے رب کی قسم! (یہیں) جنت ہے، میں اُحد کے پاس جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اے اللہ کے رسول! انہوں نے جو کارنامہ انجام دیا؛ مجھ میں اس کی طاقت نہیں ہے اور انھوں نے جس بہادری

اور جرأت کا اظہار کیا؛ میں وہ نہیں کر سکا۔ حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: لڑائی ختم ہو چکنے کے بعد ہم نے دیکھا کہ ان کے جسم کے اندر اَسّی (۸۰) سے زیادہ زخموں کے نشانات تھے، جس میں تلوار، نیزہ، اور تیر کے بھی تھے۔ اور مشرکین نے ان کا مُثلہ کر دیا تھا (یعنی کان ناک وغیرہ دوسرے اعضاء کاٹ دئے تھے۔ لاش کو بگاڑنے کے لئے یہ بھی ایک شکل کی جاتی تھی۔ ایک تو وہ زخمی ہوئے تھے اور ساتھ ہی مثلہ کر دیا کیا گیا تھا، اس لئے ان کی انگلی کے) ایک پوروے (کے تِل) کی وجہ سے صرف ان کی بہن نے ہی ان کو پہچانا (کہ یہ میرے بھائی اَنس بن نضر کی لاش ہے)۔

حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ حضرت اَنس بن نضر اور ان جیسے لوگوں کے سلسلہ ہی میں نازل ہوئی ہے (اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کے راستہ میں شہید ہونے والوں کے متعلق فرمایا ہے) ایمان والوں میں سے بہت سے آدمی وہ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا تھا اس کو پورا کر دکھلایا، پس بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی منت پوری کر دی، یعنی اللہ کے راستہ میں شہید ہونے کی جو منت مانی تھی، اور عزم کیا تھا؛ وہ پورا کر دیا۔ اور بہت سے وہ ہیں کہ جو ابھی انتظار کر رہے ہیں، اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔

غزوۂ احد؛ ایک منظر

افادات:- غزوۂ بدر ۲ ؁ھ میں پیش آیا تھا، اس کے بعد والے سال ۳ ؁ھ میں غزوۂ احد پیش آیا۔ غزوۂ احد کی تفصیل پہلے بتائی تھی کہ جس وقت جنگ شروع ہوئی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹی سی پہاڑی کے اوپر پچاس تیر

اندازوں کا ایک دستہ مقرر فرمایا تھا کہ تم یہاں پر نگرانی کرو، کہیں پیچھے سے کوئی حملہ نہ ہو جائے، اور ان کو تاکید فرمائی تھی کہ ہم چاہے دشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوں یا ناکام؛ تمہیں اپنی اس جگہ کو نہیں چھوڑنا ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب جنگ شروع ہونے کے بعد مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا اور ان کو کامیابی نظر آنے لگی، مشرکین نے میدان چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا تو اس چھوٹی سی پہاڑی کے اوپر جو لوگ بٹھائے گئے تھے انہوں نے دیکھا کہ مالِ غنیمت سمیٹا جا رہا ہے، تو وہ بھی نیچے اترنے لگے، ان کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: تم لوگ وہاں مت جاؤ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا ہے۔ ان لوگوں نے کہا: اب تو جنگ ختم ہو چکی ہے، اور مسلمان کامیاب ہو چکے ہیں۔ خیر! انہوں نے وہ جگہ چھوڑ دی، ان کے وہاں سے ہٹ جانے کے بعد یہ ہوا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے - جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے - دیکھا کہ وہ حصہ خالی ہو چکا ہے تو ایک چکر کاٹ کر گھوڑے سواروں کا ایک دستہ لے کر پیچھے کی طرف سے حملہ آور ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے پاؤں میدان سے اکھڑ گئے۔ اس وقت حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے: ”أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعْتَذِرُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ - يعني: أَصْحَابَهُ - وَأَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ - يَعْنِي: الْمُشْرِكِينَ۔“ اے اللہ! ان مسلمانوں نے جو حرکت کی، اس پر میں تجھ سے معذرت چاہتا ہوں۔ گویا اس حرکت سے ناراضگی کا اظہار بھی کر دیا اور ان کی طرف سے معافی کی درخواست بھی کر دی؛ کیوں کہ وہ مسلمان ہیں۔ اور مشرکین نے جو حرکت کی اس سے بھی میں اپنی براءت کا اظہار کرتا ہوں۔

حضراتِ شراح لکھتے ہیں کہ ان کا اندازِ فصاحت و بلاغت دیکھئے کہ دونوں کی حرکتوں پر اپنی ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں، ایک طرف مشرکین نے جو حملہ کیا تھا اور

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گزند پہنچائی تھی اس پر بھی، اور دوسری طرف بہت سے مسلمان حضرات نے جو میدان چھوڑا تھا اس سے بھی؛ لیکن دونوں کے لئے الفاظ الگ الگ استعمال فرمائے۔

جنت کی خوشبو

''میں اُحد کے پاس جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں'' یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جائیں گے اور شہید ہو جائیں گے تو جنت نصیب ہو گی۔ اسی کو انہوں نے ان الفاظ سے تعبیر کیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کو واقعۃً جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی، اس لئے کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ آدمی کی موت کا وقت جب قریب آتا ہے، تو جیسا آدمی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ چوں کہ یہ بھی اس کے فوراً بعد ہی شہید ہوئے تھے، تو گویا ان کی شہادت کا وقت قریب آچکا تھا، اس لیے ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس جنت کی نعمتیں اور خوشبوئیں لائی گئی ہوں، اور انہوں نے حقیقۃً اس خوشبو کا احساس وادراک کیا ہو۔

جنت کی سیر؛ چند مناظر

۱۳۱۸:- وعن سَمُرَة -رضی الله عنه- قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: ((رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أتيَانِي، فَصَعِدَا بِي الشَّجرةَ فَأَدْخَلاَنِي دَاراً هِيَ أَحْسَنُ وَأَفضَلُ، لَمْ أَرَ قَطُّ أحْسَنَ مِنْهَا، قالا: أَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ)).

رواه البخاری، وَهُوَ بعض من حديث طويل فِيهِ أنواع من العلم سيأتی فی باب تحريم الكذب إنْ شاء الله تَعَالَى.

ترجمہ:- حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز فجر کی نماز کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: آج رات میں نے خواب میں دو آدمیوں کو دیکھا جو

مجھے لے کر درخت کے اوپر چڑھے اور مجھے ایک مکان میں داخل کیا جو سب سے عمدہ اور بہتر تھا، ایسا شاندار مکان میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا (میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟) تو ان دونوں نے کہا کہ: یہ مکان شہیدوں کا ہے۔

افادات:- یہ بخاری شریف کی ایک لمبی روایت کا حصہ ہے جس میں نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے خواب کا تذکرہ فرمایا ہے، حضورِ اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ فجر کی نماز کے بعد سلام پھیر کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوکر ان سے دریافت فرماتے تھے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کوئی آدمی اپنا خواب بیان کرتا تو حضورِ اکرم ﷺ اس کی تعبیر ارشاد فرماتے۔ اور اگر خود حضور ﷺ نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو آپ اپنا خواب بیان فرما کر اس کی تعبیر بھی ارشاد فرماتے۔

یہ خواب بڑا لمبا چوڑا ہے، حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس خواب میں دو آدمی آئے (حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی شکل میں بھیجے تھے) وہ دونوں مجھے اٹھا کر لے گئے، راستہ میں مَیں نے مختلف مناظر دیکھے، ایک جگہ دیکھا کہ ایک آدمی لیٹا ہوا پڑا ہے، دوسرا آدمی اس کے قریب کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں بڑا پتھر ہے جو لیٹے ہوئے آدمی کے سر پر مارتا ہے جس سے اس کا سر کچل جاتا ہے اور وہ پتھر لڑھک کر دور چلا جاتا ہے۔ مارنے والا اس پتھر کو لینے کے لئے جاتا ہے اتنی دیر میں اس آدمی کا سر ٹھیک ہو جاتا ہے، پھر وہ مارتا ہے، یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے مجھ سے کہا: چلو چلو! آگے چلیں۔

یہ بھی دیکھا کہ ہم ایک مکان میں داخل ہوئے جو بڑا خوبصورت تھا، اس کے اندر باغ تھا جس میں بڑے اچھے اچھے بہترین پھول تھے، جیسے موسم بہار میں ہوتے

ہیں، اوراس کی عمارت بھی بڑی شاندار تھی۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: آگے چلو۔ اس کے بعد وہ دونوں مجھے لے کر درخت کے اوپر چڑھے اور مجھے ایک مکان میں داخل کیا جو پہلے مکان کے مقابلہ میں عمدہ اور بہتر تھا ایسا اچھا مکان اور ایسا شاندار باغ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: آگے چلو۔ جب سارا سفر پورا ہو چکا تو آخر میں سب مناظر کی وجہ انہوں نے بتلائی کہ: وہ آدمی جو لیٹا ہوا تھا اور دوسرا اس کے سر پر پتھر مارتا تھا، یہ وہ آدمی تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی دولت عطا فرمائی، اس کے باوجود وہ سویا رہتا تھا، فرض نماز بھی چھوڑ دیتا اور قضا کر دیتا تھا؛ اس کو عالمِ برزخ میں یہ سزا دی جارہی ہے۔

اور پہلے والا جو شاندار مکان دیکھا تھا وہ جنت میں عام اہلِ ایمان کے لئے ہے۔ اور دوسرا مکان جو پہلے والے مکان سے بھی بڑھ کر تھا وہ شہیدوں کے واسطے ہے گویا جنت میں بھی عام جنتیوں کو جو شاندار مکانات اور باغ دیئے جائیں گے، اس سے بہتر مکانات شہداء کو ملیں گے۔ اس سے شہادت کا درجہ معلوم ہوتا ہے۔

شہید کے لیے جنت الفردوس

۱۳۱۹ :-وعن أنس رضی اللہ عنہ: أَنَّ أُمَّ الرُّبيعِ بنتَ البَرَاءِ وهي أُمُّ حَارِثَة بن سُرَاقَةَ أَتَتِ النبي صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ: يَارسولَ اللهِ! أَلاَ تُحَدِّثُنِي عَنْ حَارِثَةَ- وَكَانَ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ- فَإِنْ كَانَ فِي الجَنَّةِ صَبَرْتُ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ اجْتَهَدْتُ عَلَيْهِ فِي البُكَاءِ، فَقَالَ: يَا أُمَّ حَارِثَةَ! إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الجَنَّةِ، وَإِنَّ ابْنَكِ أَصَابَ الفِرْدَوْسَ الأَعْلَى.

(رواہ البخاری)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ام الربیع بنت

براء رضی اللہ عنہا جو حارثہ بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں ہیں (اور حارثہ بن سراقہ ابھی بچے ہی تھے کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر شہید ہو گئے تھے، بچوں کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی تھی لیکن وہ تماشائی کی حیثیت سے پہنچ گئے تھے کہ ایک انجانا تیر آ کر ان کو لگا اور اسی میں وہ شہید ہو گئے، اس حیثیت سے شہداءِ بدر میں سے ہیں۔ بعد میں کسی موقعہ پر) ان کی والدہ ام الربیع رضی اللہ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں (ان کو اپنے بیٹے کی موت کا بڑا غم تھا) اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! حارثہ کے متعلق مجھے بتلائیے کہ وہ کہاں ہیں؟ اگر جنت میں ہے تب تو مَیں صبر کرلوں گی (بھلے ہی میرے پاس سے چلا گیا لیکن وہاں آرام سے تو ہے۔ جیسے: اپنے کسی عزیز کی جدائی پر آدمی اس تصور سے بھی صبر کرلیتا ہے کہ اگرچہ یہاں سے بہت دور چلا گیا لیکن وہاں آرام سے تو ہے۔ چوں کہ وہ شہید ہوئے تھے، اس لیے) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ام حارثہ! جنت میں بھی اونچے نیچے مختلف طبقات ہیں، تمہارا بیٹا تو سب سے عمدہ جنت میں ہے جس کو جنت الفردوس کہتے ہیں (اس سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ان کو شہادت کی وجہ سے یہ مقام حاصل ہوا)۔

فرشتوں کے پروں کے سائے میں

۱۳۲۰:- وعن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما، قَالَ: جِيءَ بِأَبِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَدْ مُثِّلَ بِهِ، فَوُضِعَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَذَهَبْتُ أَكْشِفُ عَنْ وَجْهِهِ فَنَهَانِي قَوْمِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد (حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی لاش کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا (دیگر شہداء کی لاشیں بھی لائی گئی تھیں) اور حضور کے سامنے رکھ دیا گیا (ان سب کو چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ یہ

صاحبزادے تھے اور ہر بیٹے کو اپنے باپ کا چہرہ دیکھنے کا خیال ہوتا ہے، اس لیے) میں کپڑا ہٹا کر اپنے ابا کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا تو لوگوں نے مجھے روک دیا (کہ ایسا مت کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ساری لاشیں وہاں سے ہٹا دی گئیں) تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جب سے وہ یہاں لا کر رکھے گئے تھے) فرشتے اپنے پروں سے ان پر برابر سایہ کیے رہے۔

اگر صفیہ کا خیال نہ ہوتا

افادات:- یہ غزوۂ احد کے شہداء کا واقعہ ہے۔ غزوۂ احد میں شہید ہونے والے مسلمانوں میں سے اکثر وہ تھے جن کا مثلہ کیا گیا تھا۔ دشمن کبھی مارتا ہے تو مارنے کے بعد اپنے غصہ کے جوش کو مزید ٹھنڈا کرنے کے لئے اس مری ہوئی لاش کے ساتھ بھی بے حرمتی کا سلوک کرتا ہے، جیسے: کان، ناک، اور دوسرے اعضاء کاٹ لیتا ہے، کبھی پیٹ چیر لیتا ہے، غزوۂ احد کے موقع پر بھی جو حضراتِ صحابہ شہید ہوئے تھے، ان میں سے بہت سوں کے ساتھ کافروں نے ایسا ہی معاملہ کیا تھا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو بارگاہِ نبوت سے سید الشہداء کا لقب ملا وہ بھی اسی غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے، اور ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا تھا کہ ان کے کان، ناک اور دوسرے اعضاء کاٹ دیئے گئے تھے، یہاں تک کہ کوکھ چیر کر کلیجہ باہر نکال لیا گیا تھا۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو آپ پر اس کا بڑا اثر ہوا، آپ سے دیکھا نہیں گیا۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے صفیہ کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کی لاش کو ایسے ہی رہنے دیتا، دفن نہ کرتا، تا کہ اس کو جانور کھا جاتے اور کل کو میدانِ حشر میں وہ جانوروں کے پیٹ سے باہر آتے۔ حضرت صفیہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہوتی

ہیں۔ پھر آپ نے قسم کھائی کہ: میں ان کے بدلہ میں اتنے آدمیوں کا مثلہ کروں گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ کے لیے مثلہ کرنے کی ممانعت کا حکم آ گیا۔ اگر آپ کے ہاتھ کوئی دشمن لگ جائے اور آپ سزا میں اسے قتل کریں تب بھی اس کے اعضاء کو کاٹنے کی اجازت نہیں ہے۔

مثلہ دشمن کا بھی حرام ہے

دیکھو! جو آدمی قتل کا حقدار ہے، اس کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا، لیکن اس کی لاش کے ساتھ کوئی ناروا سلوک کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا، یہ ممنوع اور حرام ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ہر تقریر میں ہمیشہ اس بات کو ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ عرب میں دشمنوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کا عام رواج تھا۔ اسی موقع پر یہ آیت بھی نازل ہوئی: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ﴾ اگر بدلہ لینا ہی ہے تو تمہارے ساتھ جیسا معاملہ کیا گیا اتنا ہی معاملہ کر سکتے ہو، اور اگر صبر کرو تو بہت اچھا ہے۔

بہر حال! اس روایت سے بھی شہید کی ایک فضیلت معلوم ہوئی کہ انتقال کے بعد دفن سے پہلے بھی ان کی لاش کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اکرام واعزاز کا کیسا معاملہ کیا جاتا ہے؟ دنیا والے چاہے جیسا سلوک کریں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوتا ہے۔

بستر پر شہادت

۱۳۲۱:- وعن سهل بن حنيف رضي الله عنه: أَنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: مَنْ

سَأَلَ اللهَ تَعَالَى الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ ، وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے شہادت طلب کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو شہیدوں کا مقام عطا فرماتے ہیں چاہے اس کو بستر پر موت آئے۔

نیت عمل سے بہتر ہے

۱۳۲۲:- وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ طَلَبَ الشَّهَادَةَ صَادِقاً أُعْطِيَهَا ولو لَمْ تُصِبْهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے سچے دل سے شہادت مانگی؛ تو اس کو وہ دی جاتی ہے (یعنی اس کا ثواب اس کو دیا جاتا ہے) چاہے اس کو شہادت میسر نہ آئے (یعنی واقعۃً وہ شہید نہیں ہوا لیکن اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہادت کا ثواب ضرور دیا جائے گا)۔

افادات:- معلوم ہوا کہ آدمی کسی فضیلت کا مرتبہ سچے دل سے طلب کرتا ہے، اور اس کے لئے اپنے طور پر سعی بھی کرتا ہے لیکن وہاں تک پہنچنے کی نوبت نہیں آتی؛ تب بھی اللہ تعالیٰ اس کو وہ فضیلت عطا فرماتے ہیں۔ اسی کو کہا گیا: "نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ [۱] مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عملی طور پر

---

(۱) عن أبي حازم عن سهل بن سعد قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: نية المؤمن خير من عمله. هذا حديث غريب من حديث أبي حازم وسهل لم نكتبه إلا من هذا الوجه. (حلية الاولياء لأبي نُعيم الأصبهاني)

تو ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی کام کو انجام دینے میں اس کے سارے تقاضے، حقوق، شرطیں اور قیود کی پوری پوری رعایت نہ کر پائے، لیکن کوئی آدمی جب دل سے کسی چیز کی تمنا کرتا ہے تو اس میں تو کوئی کمی رکھتا ہی نہیں ہے؛ اسی کو تعبیر کیا گیا کہ نیت عمل سے بہتر ہے، اس لیے اگر سچے دل سے شہادت کی تمنا رکھتا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ وہ مقام بھی عطا فرما دیتے ہیں

یا اللہ! پھر کبھی

لیکن یاد رہے کہ محض دکھلانے کے واسطے ایسی دعا نہ مانگے بلکہ واقعۃً دل میں شہادت کی طلب موجود ہو۔ ایسا نہیں کہ پہلے تو مانگے اور جب وقت آئے تو کہے کہ اس وقت نہیں، پھر کسی موقع پر دینا۔ جیسے: ہمارے ایک ساتھی ایک صاحب کا قصہ سنا رہے تھے کہ وہ ہمیشہ دعا کرتے رہتے تھے: یا اللہ! مجھے حرم میں موت آئے۔ ایک مرتبہ حج میں گئے اور بہت بیمار ہو گئے، زندگی کی امید نہیں رہی تو ان کو اپنی پرانی کی ہوئی دعائیں یاد آ رہی تھیں کہ میں ہمیشہ دعا مانگتا رہتا تھا کہ حرم میں موت آجائے، تو کہیں ابھی ہی نہ مر جاؤں۔ تو وہ دعا کرنے لگے: یا اللہ! اب کے تو اچھا کر دے، دوسرے کسی موقع پر موت دیدینا۔ جب ایسا موقعہ آتا ہے تب سچی طلب کا پتہ چل جاتا ہے۔

عشقِ الٰہی کا کلوروفارم

۱۳۲۳:- وعن أَبِي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَا يَجِدُ الشَّهِيدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ إِلاَّ كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ مِنْ مَسِّ الْقَرْصَةِ (رواہ الترمذی وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قتل کی وجہ سے شہید کو اتنی ہی تکلیف پہنچتی ہے جیسی تم میں سے کسی کو ایک چٹکی کی وجہ سے ہوتی

ہے (ہم جس کو چمٹی توڑنا، چٹکی لینا بولتے ہیں)۔

افادات:- لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ اوہو! وہ مارا گیا، اس کو قتل کیا گیا، اس کا گلا کاٹ دیا گیا، جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، پتہ نہیں اس کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی، لیکن نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کو ذرّہ برابر بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ جو آدمی بھی اللہ کے راستہ میں اللہ تعالیٰ کی خاطر جان دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ گویا عشقِ الٰہی کا کلوروفارم اس کو سُنگھا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ذرّہ برابر بھی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔

جیسے: قربانی کا جانور جب ذبح کیا جاتا ہے اس کے متعلق بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کسی جانور کو ذبح کیا جاتا ہے تو اللہ کا نام سنتے ہی جانور ایسا مست و مدہوش ہو جاتا ہے کہ بس! جان دینے کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے، وہ اس بات پر خوش ہو جاتا ہے کہ میرے اللہ کے نام پر مجھے ذبح کیا جا رہا ہے، پھر اس کو کسی قسم کی تکلیف کا ذرّہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا۔ گویا زبانِ حال سے کہہ رہا ہو:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ❁ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جب ایک جانور کا یہ حال ہو جاتا ہے؛ تو ان اللہ کے بندوں کا کیا حال ہوتا ہوگا جو اللہ کے واسطے اپنی جان دیدیتے ہیں۔

جنگ کے موقعہ پر آپ ﷺ کا ایک بیان و دعا

۱۳۲۴:- وعن عبد الله بن أَبِي أَوْفَى رضی اللہ عنہما أَنَّ رسولَ الله ﷺ فِي بَعْضِ أَيَّامِهِ الَّتِي لَقِيَ فِيهَا العَدُوَّ انْتَظَرَ حَتَّى مَالَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ قَامَ فِي النَّاسِ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوا لِقَاءَ العَدُوِّ، وَاسْأَلُوا اللهَ العَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ

فَاصْبِرُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ. ثُمَّ قَالَ: أَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، وَمُجْرِيَ السَّحَابِ، وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ، أَهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ. (متفقٌ عَلَيْهِ.)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن اَوفیٰ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ ایک موقع پر جب دشمن سے مدبھیڑ ہوئی تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سورج کے ڈھلنے کا انتظار کیا۔ جب سورج ڈھل گیا تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں میں تقریر فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے، اس میں فرمایا: اے لوگو! دشمن سے مدبھیڑ کی تمنامت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے عافیت وسلامتی مانگو، لیکن اگر مدبھیڑ ہوجائے تو پھر جم کر رہو، اور جان لو کہ جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا فرمائی: اے وہ اللہ! جس نے کتاب کو نازل فرمایا، بادلوں کو چلایا، دشمن کے لشکروں کو شکست دی؛ ان کو شکست دے اور ان کے مقابلہ میں ہماری مدد فرمایا۔

افادات:- عام طور پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زوال کے بعد دشمن پر حملہ کرتے تھے، بعض دفعہ صبح کے وقت بھی حملہ کرنے کی نوبت آئی ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو زیادہ پسند فرمایا ہے، یہاں ایسا ہی ہوا۔

''پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں میں تقریر فرمائی'' یہی آداب میں سے ہے کہ جہاد سے پہلے ان کو ترغیب دی جائے، جہاد کے فضائل بیان کئے جائیں، تاکہ لوگ ذوق وشوق کے ساتھ اس میں حصہ لیں، باری تعالیٰ کی طرف سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہی طریقہ بتلایا گیا ہے، چناں چہ ارشاد باری ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ (الانفال:۶۵)﴾ ایسے مواقع پر جہاد کے فضائل بیان کرکے لوگوں کو آمادہ کیا جائے۔

''اے لوگو! دشمن سے مدبھیڑ کی تمنامت کرو'' یعنی اپنی طرف سے کبھی ایسا نہیں کہنا چاہیے کہ موقعہ آئے اور دودو ہاتھ ہوں تو میں بھی بتادوں۔ ایسا کہنا گویا اپنے قوتِ بازو پر ایک طرح کا اعتماد و اِدّعاء ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معاملہ میں بھی

ایسی کوئی شکل اختیار کرنا جس میں اپنی طرف سے دعویٰ لازم آتا ہو؛ اس کو پسند نہیں کیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف یہ بھی فرمایا کہ اگر مڈبھیڑ ہوجائے تو پھر جم کر رہو۔ یہ بھی ایمان کے خلاف ہے کہ ایسے موقعہ پر آدمی پیٹھ دکھائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرما کر یہ تعلیم دی کہ دشمن کے مقابلہ کے لیے چاہے آپ نے اپنے طور پر کیسی ہی تیاری کیوں نہ کی ہو، پھر بھی وسائل پر نظر نہ ہو، بلکہ اعتماد اور نظر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونی چاہیے، اسی سے مدد کی دعا کی جائے، یہ بہت ضروری ہے۔

دو دعائیں قبول ہی ہوتی ہیں

۱۳۲۵:- وعن سهل بن سعد رضي الله عنه قَالَ قَالَ رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثِنْتَانِ لَاتُرَدَّانِ، أَوْ قَلَّمَا تُرَدَّانِ: الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَ البَأْسِ حِيْنَ يُلْحِمُ بَعْضُهُم بَعضَاً. (رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو دعائیں کبھی لوٹائی نہیں جاتی (یعنی قبول ہی ہوتی ہیں، رد نہیں ہوتی) یا بہت کم رد ہوتی ہیں: ایک تو اذان کے وقت کی دعا (یعنی جس وقت اذان ہورہی ہو اس وقت جب آدمی دعا کرتا ہے تو وہ قبول ہوتی ہے) دوسرا جب دشمن کا مقابلہ ہو (دونوں دشمن ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوچکے ہوں اور مقابلہ میں مشغول ہوں؛ اس وقت جو دعا کی جاتی ہے وہ بھی قبول ہوتی ہے، رد نہیں ہوتی)۔

قتال کے موقعہ کی مسنون دعا

۱۳۲۶:- وعن أنس رضي الله عنه قَالَ: كَانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا غَزَا، قَالَ:

اللّٰھُمَّ أَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِیْرِی، بِکَ أَحُوْلُ، وَبِکَ أَصُوْلُ، وَبِکَ أُقَاتِلُ.

(رواہ أبو داود والترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جہاد فرماتے تھے تو یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! تو ہی میرا بازو ہے (یعنی تو ہی مدد کرنے والا ہے) تو ہی میرا مددگار ہے، تیری ہی (مدد) سے میں (ایک حالت سے دوسری کی طرف) منتقل ہوتا ہوں، اور تیری ہی (مدد) سے میں حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد کے ذریعہ سے میں قتال اور جنگ کرتا ہوں (مطلب یہ ہے کہ تیری مدد کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔)

خوف کے وقت پڑھنے کی مسنون دعا

۱۳۲۷:- وعن أبی موسی رضی اللہ عنہ أنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ إِذَا خَافَ قَوماً، قَالَ: اللّٰھُمَّ إِنَّا نَجْعَلُکَ فِی نُحُوْرِھِمْ، وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ. (رواہ أبو داود بإسناد صحیح)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ أشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کسی قوم کی طرف سے خطرہ محسوس ہوتا تھا تو آپ یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! ہم ان کے مقابلہ کے لئے تجھے پیش کرتے ہیں (ہماری طرف سے تو ہی ان کا مقابلہ کرلے) اور ان کے شر سے ہم تیری پناہ چاہتے ہیں۔ (اس طرح جب اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد مانگی جائے گی تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دشمن کے مقابلہ میں مدد فرمائے گا۔)

تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے

اس دعا کی بڑی تاثیر ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب دہلی شہر میں بڑے سخت فسادات ہو رہے تھے، جان کے لالے پڑ

رہے تھے، اُس زمانہ میں بابوایاز صاحب تانگے میں بیٹھ کر بنگلے والی مسجد کی سبزی اور سامان وغیرہ خریدنے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جس تانگے میں واپس ہو رہے تھے، اس میں دو تین سکھ بھی سوار ہو گئے، وہ ان سے کہنے لگے کہ ہم تجھے قتل کر دیں گے، انہوں نے ان سے کہا: تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ کہتے رہے کہ: ہم قتل کر دیں گے اور یہ کہتے رہے کہ: تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ایسی ہی باتیں ہوتی رہیں یہاں تک کہ نظام الدین آ گیا اور وہ تانگے سے اتر گئے، اور آ کر مجھ سے کہا کہ: آج تو ایسا ہوا۔ میں نے پوچھا کہ: آپ نے اتنے وثوق کے ساتھ کیسے کہا؟ تو انہوں نے کہا: میں یہ دعا پڑھتا رہا: اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ، وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ.

واقعہ یہ ہے کہ دشمن کی طرف سے خطرات کے وقت اس دعا کی افادیت بہت زیادہ محسوس کی گئی ہے۔ فسادات کے موقع پر بھی لوگوں نے اس دعا کی بڑی تاثیر بتلائی۔ اس لیے ایسے مواقع پر اس کے پڑھنے کا اہتمام کیا جائے۔

گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی

۱۳۲۸:- وعن ابن عمر رضي الله عنهما أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ: الخَيْلُ مَعقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الخَيْرُ إِلَى يَومِ القِيَامَةِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے بھلائی باندھ دی گئی ہے (مزید وضاحت اگلی روایت میں ہے)۔

۱۳۲۹:- وعن عروة البارِقِيِّ رضي الله عنه أَنَّ النبيَّ ﷺ قَالَ: الخَيْلُ مَعقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الخَيْرُ إِلَى يَومِ القِيَامَةِ: الأَجْرُ، وَالمَغْنَمُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عروہ بارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھوڑوں کی اَیال (یعنی پیشانی کے بالوں) میں قیامت تک کے لئے بھلائی باندھ دی گئی؛ یعنی اجر وثواب اور مالِ غنیمت۔

افادات:- گھوڑے کی گردن پر جو بال ہوتے ہیں، اس کو ''ناصیہ'' کہتے ہیں، چوں کہ گھوڑا جہاد کا آلہ ہے۔ تو اگر جہاد کی نیت سے گھوڑا پالا جائے گا تو جہاد کا ثواب بھی حاصل ہوگا اور اس سے مالِ غنیمت بھی ملتا ہے۔

انمول بول و براز

۱۳۳۰:- وعن أبی هريرة -رضی الله عنه- قَالَ: قَالَ رسولُ الله ﷺ: ((مَنْ احْتَبَسَ فَرَساً فِي سَبِيلِ اللهِ، إِيمَاناً بِاللهِ، وَتَصْدِيقاً بِوَعْدِهِ، فَإِنَّ شِبَعَهُ، وَرِيَّهُ ورَوْثَهُ، وَبَوْلَهُ فِي مِيزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کے راستہ کے لئے گھوڑا پالا، محض اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہوئے، اور اس کے وعدوں کو سچا سمجھتے ہوئے؛ تو اس گھوڑے کا شکم سیر ہونا (یعنی گھوڑا جو چارہ کھائے گا) اس کا سیراب ہونا، اس کا لید کرنا، اس کا پیشاب کرنا؛ یہ سب اعمال قیامت کے روز ترازو میں ثواب کے طور پر تولے جائیں گے۔

افادات:- کسی بھی عمل میں یہ دو باتیں نہایت ضروری ہیں، ایک تو ایمان کا تقاضہ ہو، اور دوسرا اس عمل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وعدہ کیا گیا ہے اس کے پورا ہونے کا دل سے یقین ہو؛ اسی کو ''ایمان واحتساب'' کہتے ہیں۔

لید اور پیشاب تو نجس چیزیں ہے، لیکن نامۂ اعمال کے ترازو میں ثواب کے طور پر یہ بھی تولی جائیں گی۔ گویا اللہ تعالیٰ کے یہاں آلۂ جہاد کا اتنا زیادہ اعزاز و

اکرام ہے کہ ان پر بھی ثواب عنایت فرمائیں گے۔

اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا کم سے کم ثواب

۱۳۳۱:- وعن أبی مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النبِيِّ ﷺ بِنَاقَةٍ مَخْطُومَةٍ فَقَالَ: هٰذِهٖ فی سَبیلِ اللهِ، فَقَالَ رسول الله ﷺ: لَكَ بِهَا يَوْمَ القِيَامَةِ سَبْعُ مِئَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُومَةٌ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت أبو مسعود أنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک نکیل والی اونٹنی لے کر آیا (ناک کے اندر رسی پرو کر باندھی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ کرتے ہوئے) کہا: یہ اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ایک اونٹنی کے بدلہ میں قیامت کے روز تجھے سات سو ایسی اونٹنیاں دی جائیں گی کہ ہر ایک کی نکیل لگی ہوئی ہوگی۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا کم سے کم ثواب سات سو گنا ملتا ہے، پھر جتنا اخلاص زیادہ ہوگا اسی حساب سے مزید ملے گا۔

سن لو! قوت تیراندازی ہے

۱۳۳۲:- وعن أبی حمادٍ - ويقال: أبو سعاد، ويقال: أبو أسدٍ، ويقال: أبو عامرٍ ويقال: أبو عمرو، ويقال: أبو الأسود، ويقال: أبو عبسٍ - عُقبة بن عامرٍ الجُهَنِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى المِنْبَرِ، يقول: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ أَلَا إِنَّ القُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ القُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ القُوَّةَ الرَّمْيُ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: (قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ:) دشمنانِ دین کے مقابلہ کے لیے تم سے جتنی بھی قوت فراہم ہوسکتی ہو وہ فراہم کرو اور اس کی تیاری کرو۔ سن لو! قوت سے مراد تیراندازی ہے، سن لو! قوت سے مراد تیراندازی ہے، سن لو! قوت سے مراد تیراندازی ہے۔

افادات:- اُس زمانہ میں دشمن کے مقابلہ کا یہی ایک ایسا ذریعہ تھا جو بڑی آسانی سے دشمن کو زیادہ نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اگر آدمی دور سے تیر چلائے تو ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے دشمنوں کا ذمہ دار اور سردار ہی ختم ہوجائے جس کی وجہ سے پورے لشکر کے حوصلے پست ہوجائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے آلات اور اسباب تیار کئے جائیں جن سے کم محنت میں زیادہ فائدہ پہنچنے کی امید ہو۔

کوئی بھی اس سے عاجز نہ رہے

۱۳۳۳:- وعنه قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقول: سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمْ أَرَضُونَ، وَيَكْفِيكُمُ اللهُ، فَلاَ يَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَلْهُوَ بِأَسْهُمِهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: تمہارے لئے زمینیں فتح ہوں گی (یعنی آئندہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ملک فتح کریں گے) اور اللہ تعالیٰ تم کو دشمنوں کے شر کی طرف سے کافی ہوجائے گا، لیکن تم میں سے کوئی آدمی اس بات سے عاجز نہ رہے کہ وہ اپنے تیروں کے ساتھ کھیلتا رہے (مطلب یہ ہے کہ ہر ایک آدمی کو کم سے کم تیراندازی کی مشق تو کرتے ہی رہنا چاہیے)۔

وہ ہم میں سے نہیں

۱۳۳۴:- وعنه: أنّه قال: قال رسول الله ﷺ: مَنْ عُلِّمَ الرَّمْيَ، ثُمَّ تَرَكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا، أَوْ فَقَدْ عَصَى. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی تیراندازی سکھلایا گیا (یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ ہنر اور کمال عطا فرمایا) پھر اس نے اس کو چھوڑ دیا (جس کی وجہ سے اس کا پہلے جیسا نشانہ نہیں رہا) تو وہ ہم میں سے نہیں ہے، یا (یہ فرمایا کہ) اس نے نافرمانی کی۔

افادات:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ نے دین کو تقویت پہنچانے کی کسی بھی نوع کی کوئی بھی صلاحیت عطا فرمائی ہو، پھر وہ آدمی اپنی اس صلاحیت کو اس مقصد کے لئے استعمال نہیں کرتا یہاں تک کہ اپنی اس صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر اس میں وہ صلاحیت باقی نہیں رہتی؛ تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوگی۔ اس میں ہر نوع کی صلاحیت آسکتی ہے۔

جس نے تیراندازی سیکھنے کے بعد غفلت کی

۱۳۳۵:- وعنه رضی اللہ عنہ قال: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يقول: إِنَّ اللهَ يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ: صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِي صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ، وَالرَّامِيَ بِهِ، وَمُنْبِلَهُ. وَارْمُوا وَارْكَبُوا، وَأَنْ تَرْمُوا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُوا. وَمَنْ تَرَكَ الرَّمْيَ بَعْدَ مَا عُلِّمَهُ رَغْبَةً عَنْهُ فَإِنَّهَا نِعْمَةٌ تَرَكَهَا. أَوْ قَالَ: كَفَرَهَا. (رواه أبو داود)

ترجمہ:- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو

ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا: پہلا تو اس کو بنانے والا جس کی نیت بناتے وقت ہی خیر اور بھلائی کی تھی۔ دوسرا اس کا چلانے والا۔ اور تیسرا اس کو لاکر دینے والا (یعنی جو تیر چلا رہا ہو اس کے ہاتھ میں لاکر دیتا ہے) پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تیر اندازی کرو، گھڑ سواری بھی کرو؛ اور تمہارا تیر اندازی کرنا گھڑ سواری کے مقابلہ میں مجھے زیادہ پسند ہے۔ جس آدمی نے تیر اندازی سیکھنے کے بعد غفلت کر کے اس کو چھوڑ دیا تو اس نے ایک نعمت کی ناشکری کی (کہ اس کو اللہ کے راستہ میں استعمال کرنا چاہیے تھا لیکن اس کے بجائے اس نے اس کو ضائع کر دیا)۔

اے بنو اسماعیل! تیر اندازی کرتے رہو

۱۳۳۶:- وعن سَلَمَة بن الأكوع رضي الله عنه قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى نَفَرٍ يَنْتَضِلُونَ فَقَالَ: ارْمُوا بَنِي إسمعِيلَ، فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِياً. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت سلمہ بن اُکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بنو اسماعیل! تیر اندازی کرتے رہو؛ اس لئے کہ تمہارے ابا بھی تیر انداز تھے۔

افادات:- قریش حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اسبابِ جہاد اختیار کرتے رہنا چاہیے، آدمی پہلے ہی سے ان چیزوں کی مشق کئے ہوئے تیار رہے۔

اللہ کے راستہ میں تیر چلانے کی فضیلت

۱۳۳۷:- وعن عمرو بن عبسة رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يقول: مَنْ رَمَى بِسَهمٍ فى سَبيلِ اللهِ فَهُوَ لَهُ عِدْلُ مُحَرَّرَةٍ.

(رواه أبو داود والترمذی، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس آدمی نے اللہ کے راستہ میں ایک تیر چلایا؛ تو اس کے لئے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے۔

افادات:- کتنی بڑی فضیلت ہے ! غلام؛ بہت قیمتی چیز ہوا کرتی تھی، ایک غلام خرید کر کوئی آدمی آزاد کرے، اس پر جو ثواب ملتا ہے، اللہ کے راستہ میں صرف ایک تیر چلانے پر اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔

جو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے

۱۳۳۸:- وعن أَبي يحييٰ خُرَيْم بن فاتِكٍ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رسول الله صلى الله عليه وسلم: مَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً فِى سَبِيلِ اللهِ كُتِبَ لَهُ سَبْعُ مِئَةِ ضِعْفٍ. (رواه الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابو یحییٰ خُرَیم بن فاتِک اُسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کے راستہ میں خرچ کیا، اس کے لئے سات سو گنا ثواب لکھا جائے گا (یہ تو کم سے کم درجہ ہے؛ پھر اللہ تعالیٰ جتنا زیادہ چاہیں عنایت فرمائیں)۔

اللہ کے راستہ میں نفلی روزہ کی فضیلت

۱۳۳۹:- وعن أَبي سعيد رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رسول الله صلى الله عليه وسلم: مَا مِنْ عَبْدٍ يَصُومُ يَوْماً فِي سَبِيلِ اللهِ إِلاَّ بَاعَدَ اللهُ بِذٰلِكَ الْيَوْمِ وَجهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفاً. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بندہ اللہ کے راستہ میں ایک دن روزہ رکھتا ہے؛ اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کے

چہرے (اس کی ذات) کو جہنم کی آگ سے ستر سال دور کر دیتے ہیں۔

افادات:- جو آدمی اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے نکلا، اس درمیان نفل روزہ بھی رکھ لیا؛ تو اس کو جہنم سے ستر سال دور کر دیا جاتا ہے۔ کتنی بڑی فضیلت ہے۔!

۱۳۴۰:- وعن أَبي أُمَامَة رضي الله عنه عن النبيّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: مَنْ صَامَ يَوماً في سَبيلِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقاً كما بَيْنَ السَّمَاءِ والأَرْضِ.

(رواه الترمذی، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابواُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کے راستہ میں ایک دن روزہ رکھا؛ اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ایسی خندق حائل کر دیتے ہیں جس کی گہرائی زمین وآسمان کے درمیان کے فاصلہ کے برابر ہوتی ہے۔

افادات:- اور زمین وآسمان کے فاصلہ کے متعلق بعض روایتوں میں آتا ہے کہ پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔

جس کے دل میں جہاد کی تمنا بھی پیدا نہ ہو

۱۳۴۱:- وعن أَبي هريرة رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رسول الله صلى الله عليه وسلم: مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ، وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بالغَزْوِ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنَ النِّفَاقِ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی کا انتقال ایسی حالت میں ہوا کہ وہ کسی جہاد وغزوہ میں شریک نہیں ہوا، اور کبھی اس کے دل میں جہاد اور غزوہ میں شریک ہونے کی تمنا بھی پیدا نہیں ہوئی؛ تو وہ نفاق کی ایک خصلت پر دنیا سے رخصت ہوا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کے دل میں جہاد کی آرزو اور تمنا ہو)۔

مجاہدِ بے جہاد

۱۳۴۲:- وعن جابر رضی اللہ عنہ قَالَ: کنا مَعَ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزاۃٍ فقالَ: إنَّ بِالْمَدِینَۃِ لَرِجَالاً مَا سِرْتُمْ مَسِیراً، وَلاَ قَطَعْتُمْ وَادِیاً إلاَّ کَانُوا مَعَکُمْ، حَبَسَھُمُ الْمَرَضُ.

وفی روایۃ: حَبَسَھُمُ الْعُذْرُ. وفی روایۃ: إلاَّ شَرَکُوکُمْ فی الأجْرِ

(رواہ البخاری من روایۃ أنس، ورواہ مسلم من روایۃ جابر واللفظ لَہُ.)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھے، اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ: مدینہ منورہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جب تم سفر طے کر رہے تھے، یا کسی وادی کو پار کر رہے تھے؛ تو وہ لوگ بھی تمہارے ساتھ تھے (اگر چہ ظاہری جسموں کے اعتبار سے وہ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہیں؛ لیکن روحانی اور اجر وثواب کے اعتبار سے وہ تمہارے ساتھ تھے) اس لیے کہ بیماری (اور دوسری روایت میں ہے کہ) عذر نے ان کو وہیں روک لیا (اور دل چاہنے کے باوجود وہ تمہارے ساتھ نہ آ سکے)۔ (اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے اللہ کے راستہ میں جانے کی نیت کر لی اور تیاری بھی کر لی، پھر کسی عذر کی وجہ سے رکاوٹ پیش آ گئی تو اس کو پورا پورا اجر ملے گا)۔

اللہ کے راستہ میں کون؟

۱۳۴۳:- وعن أَبی موسی رضی اللہ عنہ: أنَّ أعرابیاً أتی النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: یَا رسولَ اللہِ! الرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ، وَالرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِیُذْکَرَ، وَالرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِیُرَی مَکَانُہُ. وفی روایۃ: یُقَاتِلُ شَجَاعَۃً، وَیُقَاتِلُ حَمِیَّۃً. وفی روایۃ: یُقَاتِلُ غَضَباً، فَمَنْ فی سبیل اللہ؟ فقالَ رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ قَاتَلَ لِتَکُونَ کَلِمَۃُ اللہِ

هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دیہاتی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! ایک آدمی مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے قتال کرتا ہے، اور دوسرا آدمی اس لئے لڑتا ہے تا کہ لوگوں میں اس کا چرچا اور تذکرہ ہو اور شہرت ہو کہ فلاں بڑا مجاہد ہے، ایک اور آدمی اس لئے لڑتا ہے کہ لوگ اس کی بہادری کو دیکھیں (دوسری روایت میں اس کی تشریح "يُقَاتِلُ شَجَاعَةً" آئی ہے) اور ایک آدمی اپنے قبیلے، اپنی جماعت و برادری، اور اپنے خاندان کی حمایت میں لڑتا ہے، اسی کی خاطر اس کو غصہ آیا اور بدلہ لینے کے واسطے لڑائی میں شامل ہو گیا (لوگ ان مختلف نیتوں سے یہ کام کرتے ہیں) تو اللہ کے راستہ میں لڑنے والا کون کہلائے گا؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اس لئے لڑے تا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جائے؛ وہ اللہ کے راستہ میں شمار ہوگا۔

جس کو اعمال کا دنیا میں کچھ معاوضہ نہ ملا

۱۳۴۴:- وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: مَا مِنْ غَازِيَةٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ تَغْزُو، فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ، إِلَّا كَانُوا قَدْ تَعَجَّلُوا ثُلُثَيْ أُجُورِهُمْ. وَمَا مِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تُخْفِقُ وَتُصَابُ إِلَّا تَمَّ لَهُمْ أُجُورُهُمْ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ جماعت یا سریہ جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے لیے جاتا ہے، پھر سلامتی کے ساتھ مالِ غنیمت لے کر واپس لوٹتا ہے؛ تو انہوں نے اپنا بدلہ اور اجر و ثواب کا دو تہائی حصہ دنیا ہی میں وصول کرلیا۔ اور جہاد کے لئے جانے والی جو جماعت بغیر غنیمت کے زخمی ہو کر واپس لوٹتی ہے؛ ان کو پورا پورا ثواب دیا جاتا ہے۔

افادات:- اسی لئے بعد میں جب مسلمانوں کی فتوحات کا دورشروع ہوا تو جو حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس وقت تک زندہ رہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے بعض رفقاء تو وہ ہیں جو دنیا سے ایسی حالت میں چلے گئے کہ انہوں نے اپنے اعمال کا کوئی بھی بدلہ دنیا میں نہیں پایا، ان کو پورا پورا بدلہ آخرت میں ملے گا۔ اور ہمیں دنیا میں بھی نعمتیں مل رہی ہیں، اس کی وجہ سے آخرت میں گویا کمی آئے گی۔

اور یہ بات تو ہے ہی کہ جس آدمی کو اس کے اعمال کے معاوضہ کے طور پر دنیا میں کچھ بھی نہیں دیا گیا، اس کو آخرت میں پورا پورا بدلہ ملے گا، اور جس کو یہاں کچھ بھی ملا، اس کے بقدر آخرت میں کچھ نہ کچھ تو کمی ہو ہی جائے گی۔

میری اُمت کی سیر وتفریح

۱۳۴۵:- وعن أَبِي أُمَامَةَ رضي الله عنه أَنَّ رجلاً قَالَ: يَارسولَ اللهِ! ائْذَنْ لي في السِّيَاحَةِ. فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ سِيَاحَةَ أُمَّتِي الجِهَادُ في سَبيلِ اللهِ-عز وجل-

(رواه أبو داود بإسنادٍ جيدٍ)

ترجمہ:- حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ہم کو سیر وتفریح کی اجازت دیجیے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کی سیر وتفریح اللہ کے راستہ میں جہاد ہے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ جب جہاد کے لئے نکلے گا تو سیر وتفریح کا جو مقصد ہوتا ہے وہ بھی حاصل ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی بھی ہوگی۔ اور آدمی اگر صرف سیر وتفریح کے لئے جائے کہ اس سے کوئی دینی فائدہ حاصل نہ ہو؛ تو ایسی سیر وتفریح کس کام کی؟ ایسی تفریح تو صرف وطن چھوڑنا، پیسے خرچ کرنا اور سفر کی

زحمت برداشت کرنا ہے۔

واپس لوٹنا جہاد میں جانے جیسا ہی ہے

۱۳۴۶:-وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما عن النبيِّ ﷺ قَالَ: قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ. (رواه أبو داود بإسناد جيدٍ)

((القَفْلَةُ)): الرُّجُوعُ، وَالمراد: الرُّجُوعُ مِنَ الغَزْوِ بعدَ فَرَاغِهِ؛ ومعناه: أنه يُثَابُ في رُجُوعِهِ بعد فَرَاغِهِ مِنَ الغَزْوِ.

ترجمہ:-حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہاد سے واپس لوٹنا اجر وثواب کے اعتبار سے ایسا ہی ہے جیسا کہ جہاد کے لیے جانا (یعنی جس طرح جانے والے کو ثواب ملتا ہے، جب وہ فارغ ہو کر واپس لوٹے گا تو اس صورت میں واپس لوٹنے پر بھی اتنا ہی ثواب ملے گا)۔

واپس آنے والوں کا استقبال کرنا چاہیے

۱۳۴۷:-وعن السائب بن يزيد رضي الله عنه قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النبيُّ ﷺ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوك تَلَقَّاهُ النَّاسُ، فَتَلَقّيتُهُ مَعَ الصِّبْيَانِ عَلَى ثَنيَّةِ الوَدَاعِ.

(رواه أبو داود بإسنادٍ صحيح بهذا اللفظ)

ورواه البخاري: قَالَ: ذَهَبنا نَتَلَقَّى رسولَ اللهِ ﷺ مَعَ الصِّبْيَانِ إلَى ثَنِيَّةِ الوَدَاعِ.

ترجمہ:-حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس لوٹے تو لوگ آپ کے استقبال کے لئے نکلے، میں بھی بچوں کے ساتھ ''ثنیۃ الوداع'' تک آپ کے استقبال کے لئے گیا۔

افادات:- اس روایت سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جو جماعت اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے، حج کے لئے، طلبِ علم کے لئے، یا دعوت وتبلیغ کے لئے گئی ہو، جب وہ واپس لوٹے تو ان کے استقبال کے لئے جانا چاہیے۔

جہاد میں کسی نہ کسی طریقہ پر حصہ لینا ضروری ہے

۱۳۴۸:- وعن أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ عن النبيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ لَمْ يَغْزُ، أَوْ يُجَهِّزْ غَازِياً أَوْ يَخْلُفْ غَازِياً فِي أَهْلِهِ بِخَيْرٍ، أَصَابَهُ اللهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

(رواہ أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے غزوہ میں شرکت نہیں کی، یا کسی غازی کے سامان کی تیاری میں حصہ نہیں لیا، یا کسی غازی کی غیر حاضری میں اس کے گھر والوں کے ساتھ بھلائی میں نیابت نہیں کی (یعنی اس کی غیر حاضری میں گھر کے کام کاج میں مدد اور تعاون نہیں کیا) تو اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو قیامت سے پہلے ہی بڑی سخت مصیبت میں مبتلا کریں گے۔ (گویا جہاد کے اندر کسی طرح کا حصہ نہ لینے پر سخت وعید سنائی گئی ہے)۔

جہاد تینوں طریقوں سے ہوتا ہے

۱۳۴۹:- وعن أنس رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ. (رواہ أبو داود بإسنادٍ صحيح)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مشرکین کے ساتھ اپنے مال، جان اور زبان سے جہاد کرو۔ (ان تینوں طریقوں سے جہاد ہوتا ہے جیسا کہ شروع باب میں تفصیل بتلائی تھی)۔

قتال کا مناسب وقت

۱۳۵۰:-وعن أبي عمرو-ويقال: أبو حكيمٍ-النُّعمانِ بن مُقرِّن رضی اللہ عنہ قَالَ: شَهِدتُ رسولَ اللهِ ﷺ إذا لَمْ يُقاتِلْ من أوّلِ النَّهارِ أخَّرَ القِتالَ حتّى تزُولَ الشَّمسُ وتَهُبَّ الرِّياحُ، ويَنزِلَ النَّصرُ. (رواه أبوداؤد والترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت نعمان بن مُقرِّن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہا، اگر آپ دن کے ابتدائی وقت میں قتال شروع نہیں فرماتے تھے، تو سورج کے ڈھلنے تک قتال کو مؤخر فرماتے تھے؛ تاکہ ہوائیں چلنے لگیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اترے۔

افادات:- عام طور پر تو یہ ہوتا تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شروع دن میں وہاں پہنچ جاتے تو اس بات کا انتظار فرماتے تھے کہ اس بستی میں سے اذان کی آواز آئے، اگر اذان کی آواز آجاتی تو یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ لوگ ایمان اور اسلام پر قائم ہیں، پھر تو مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھتے تھے اور علی الصبح ہی قتال کی ابتداء فرمادیتے تھے۔ اور اگر علی الصبح قتال کی نوبت نہ آتی تو سورج کے ڈھلنے تک قتال کو مؤخر فرماتے تھے۔ پہلے بھی بتلایا تھا کہ دو ہی وقت قتال کے لئے زیادہ مناسب بتلائے گئے ہیں، ایک تو صبح کا اور دوسرا زوال کے بعد کا۔

تمنا مت کرو، ہوجائے تو جم جاؤ

۱۳۵۱:-وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: لَا تَتَمَنَّوا لِقَاءَ العَدُوِّ، وَاسْأَلُوا اللهَ العَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دشمن سے مدبھیڑ کی تمنا نہ کرو، اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، البتہ جب تم ان سے بھڑ جاؤ اور مقابلہ ہوجائے؛ تو پھر جم کر مقابلہ کرو۔

افادات:- یعنی تمہاری طرف سے یہ تمنا نہ ہو کہ دشمن سے مقابلہ اور دودو ہاتھ ہوجائیں تو ہم بھی ان کو بتادیں، اس لئے کہ اس طرح کی بات کرنا اپنی طاقت واسباب پر ایک طرح کے اعتماد وبھروسہ کی علامت سمجھی جاتی ہے، حالاں کہ مؤمن کا اعتماد اور بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے، اپنی ذات پر اور اسباب پر نہیں۔ لیکن اگر مقابلہ ہو ہی گیا؛ تو پھر قدم پیچھے ہٹانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

لڑائی تو ایک چال ہے

۱۳۵۲:- **وعنه وعن جابرٍ** رضی اللہ عنہما: **أَنَّ النبيَّ** ﷺ **قَالَ: الحَرْبُ خَدْعَةٌ.** (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت أبو ہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لڑائی تو ایک چال ہے۔

افادات:- یعنی دشمن کے مقابلہ اور لڑائی میں مختلف تدبیریں اختیار کی جاتیں ہیں، چالیں چلی جاتی ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی چال پوری لڑائی کا پانسہ پلٹنے اور فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہوجاتی ہے، صرف طاقت پر دارومدار نہیں ہوا کرتا، خاص کر عصر حاضر میں، اور ہر زمانہ میں یہ چیز رہی ہے کہ آدمی مختلف تدبیروں کو بروئے کار لائے، صرف طاقت پر اعتماد نہ ہو۔ عام طور پر اس طرح کے مواقع پر تدبیریں ہی کارگر اور فیصلہ کن ثابت ہوتی ہیں۔

باب بيان جماعة من الشهدآء في ثواب الآخرة ويغسلون ويصلّى عليهم بخلاف القتيل في حرب الكفار

شہیدوں کی فضیلت اور احکام

جہاد کے فضائل کا سلسلہ جاری تھا، اسی ضمن میں ذیلی عنوان کے طور پر یہ باب قائم کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو آخرت کے اعتبار سے شہیدوں کا مقام دیا جائے گا اور جو اجر وثواب اور مقام ومرتبہ شہیدوں کو ملا کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی وہ سب کچھ عطا فرمائیں گے؛ البتہ دنیوی اعتبار سے ان کو غسل بھی دیں گے اور ان کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی، بخلاف وہ آدمی جو لڑائی میں کافروں کے مقابلہ میں مارا جائے۔

شہید کی دو قسمیں ہیں

یہاں شہید کی دو قسمیں بتلائی ہیں: ایک تو وہ جس کے اوپر دنیوی اعتبار سے بھی شہید کا حکم جاری کیا جاتا ہے۔ اور دنیوی اعتبار سے شہید کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جاتا، البتہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور دفن کریں گے، یہ حکم احناف کے نزدیک ہے۔ شافعیہ کے یہاں غسل بھی نہیں اور نماز جنازہ بھی نہیں؛ بلکہ بغیر غسل

دیئے ہوئے اور بغیر نمازِ جنازہ کے اس کو دفن کریں گے۔

اور دوسری قسم یہ ہے کہ جس پر دنیوی اعتبار سے تو شہید کا حکم جاری نہیں ہوتا، البتہ اخروی اعتبار سے ان کو شہیدوں کا مقام دیا جائے گا، ان کا حکم یہ ہے کہ غسل بھی دیا جائے گا اور نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی، اسی لئے عنوان میں فرمایا کہ ان کو غسل بھی دیں گے، اور نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

احناف کے یہاں تو نمازِ جنازہ ہر حال میں پڑھی جاتی ہے، البتہ دنیوی اعتبار سے اگر شہید کا حکم جاری ہو تو اس کو غسل نہیں دیں گے۔ اور دنیوی اعتبار سے شہید کا حکم جاری ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد لڑائی کے میدان ہی میں کوئی دنیوی فائدہ اور منفعت اٹھانے سے پہلے انتقال کر جائے، یعنی زخمی ہونے کے بعد اس کو علاج معالجہ، اور کچھ کھانے پینے کا موقع نہیں ملا اور انتقال ہو گیا؛ تو اس صورت کے اندر اس کو غسل نہیں دیں گے، صرف نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے گا۔ اور شافعیہ کے یہاں اس پر نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی۔

اس عنوان کے ماتحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کچھ ایسے شہیدوں کو شمار کروا رہے ہیں کہ دنیوی اعتبار سے تو ان پر شہید کا حکم جاری نہیں ہوگا؛ لیکن اخروی اعتبار سے شہیدوں والا اجر وثواب ملے گا۔ چناں چہ روایت لائے ہیں۔

شہید پانچ ہیں

۱۳۵۳:- وعن أبي هريرة-رضي الله عنه-قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: ((الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ: المَطْعُونُ وَالمَبْطُونُ، وَالغَرِيقُ، وَصَاحِبُ الهَدْمِ، وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ الله. (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت اَبو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہید (یعنی جن کو آخرت میں شہداء کا درجہ دیا جائے گا اور شہیدوں کا اجر وثواب ملے گا) وہ پانچ ہیں: [۱] ایک تو وہ جس کا انتقال طاعون (پلیگ) کے اندر ہو جائے [۲] دوسرا وہ جو پیٹ کی بیماری میں انتقال کر جائے [۳] تیسرا وہ جو پانی میں ڈوب کر مر جائے [۴] چوتھا وہ جو (کسی مکان وغیرہ کی دیوار میں) دب کر مر جائے [۵] پانچواں وہ جو اللہ کے راستہ میں انتقال کر جائے۔

افادات:- [۱] طاعون اور پلیگ کی بیماری کو سورت والے اچھی طرح جانتے ہیں (۱)، اس بیماری میں انتقال کر جانے والے کو آخرت کے اعتبار سے شہیدوں والا ثواب ملے گا، باقی دنیوی اعتبار سے اس کو غسل وکفن دیں گے اور نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

[۲] پیٹ کی بیماری عام ہے، پیٹ کی جو بھی بیماری ہو اس میں جس کا انتقال ہو جائے اس کو بھی شہیدوں والا ثواب ملے گا۔

[۳] پانی میں ڈوب کر مرنے والا، لیکن قصداً ڈوبنے والا مراد نہیں ہے، بلکہ مثلاً: کشتی میں کہیں جا رہے تھے، یا کسی وجہ سے کہیں گرا اور ڈوب گیا؛ تو وہ بھی شہید کا درجہ پائے گا۔

[۴] کسی آدمی کے اوپر کوئی دیوار، یا مکان کی چھت وغیرہ گری اور اس میں دب کر نتقال ہو گیا؛ تو وہ بھی شہید کا ثواب پائے گا۔

[۵] اور جو اللہ کے راستہ (میدانِ جنگ) میں انتقال کرے، تو اگر وہ شرطیں

---

(۱) ۱۹۹۴ء میں سورت میں طاعون پھیلا تھا جس میں بہت لوگ مرے تھے، خصوصاً غیر مسلموں میں اموات زیادہ ہوئیں اور ان میں ایک قسم کا خوف وہراس پھیل گیا تھا۔

پائی جاتی ہیں جو اوپر بتلائی تھی تب تو دنیوی اعتبار سے بھی شہید ہے اور اخروی اعتبار سے بھی شہید ہے، لیکن لڑائی میں نہیں مارا گیا بلکہ اللہ کے راستہ میں نکلا اور طبعی موت کی وجہ سے انتقال کر گیا تو اخروی اعتبار سے شہید کا درجہ پائے گا۔

۱۳۵۴:- وعنه قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: ((مَا تَعُدُّونَ الشُّهَدَاءَ فِيكُمْ؟)) قالوا: يَارسولَ اللهِ، مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيدٌ. قَالَ: ((إِنَّ شُهَدَاءَ أُمَّتِي إِذاً لَقَلِيلٌ))! قالوا: فَمَنْ هُمْ يَارسول الله؟ قَالَ: ((مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُونِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي البَطْنِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَالغَرِيقُ شَهِيدٌ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا: تم اپنے درمیان شہید کس کو شمار کرتے ہو؟ (یعنی کس کو شہید سمجھتے ہو؟) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جو اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے؛ وہ شہید ہے (ہم تو اسی کو شہید سمجھتے ہیں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر صرف اسی کو شہید کہیں گے جو اللہ کے راستہ میں قتل کر دیا جائے تو اس صورت میں میری امت کے شہداء کی تعداد بہت گھٹ جائے گی اور کم ہو جائے گی (حالاں کہ میری امت کے شہداء کی تعداد تو بہت زیادہ ہے) اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! پھر تو آپ ہی بتلائیے کہ شہید کون کون ہیں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: جو اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے؛ وہ شہید ہے۔ اور جو اللہ کے راستہ میں انتقال کر جائے (یعنی دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے کی نوبت نہیں آئی، جہاد کے لئے ہی نکلا تھا، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی اور راستہ میں انتقال ہو گیا، یا کسی اور دینی کام کے لئے، جیسے: تعلیم کے لئے،

تبلیغ کے لئے، حج کے لئے، عمرہ کے لئے نکلا تھا اور انتقال ہوگیا) تو وہ بھی شہید ہے۔ اور جس کا انتقال طاعون کی بیماری میں ہوجائے؛ وہ بھی شہید ہے۔ اور جس کا انتقال پیٹ کی بیماری میں ہوجائے؛ وہ بھی شہید ہے۔ اور جو آدمی پانی میں ڈوب کر انتقال کرجائے؛ وہ بھی شہید ہے۔

جو مال کی حفاظت میں قتل کردیا جائے

۱۳۵۵:- وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رسول اللہ ﷺ: ((مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اپنے مال کی حفاظت میں قتل کردیا جائے؛ وہ شہید ہے۔

افادات:- جیسے کسی کے گھر میں چور چوری کرنے کے لئے گھسا، یا کوئی لٹیرا مال لوٹنے آیا، یا کوئی آدمی کسی کے پاس ناحق طریقہ سے مال لینے آیا، اور مال والا اپنے مال کی حفاظت کی خاطر اس کے مقابلہ کے لیے سینہ سپر ہوگیا اور ڈٹ گیا، اسی مقابلہ میں اس نے مارا اور مال والے کا انتقال ہوگیا؛ تو وہ شہید ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فسادات کے زمانہ میں کسی کی دوکان پر حملہ ہوا، اور وہ اگر اس کے جواب میں ڈٹ جائے اور مقابلہ کرے، اسی میں اگر موت واقع جائے تو اس کو شہید کا درجہ ملے گا۔

کچھ اور شہید بھی

۱۳۵۶:- وعن أَبي الأَعْوَر سعيد بن زيد بن عَمْرو بن نُفَيل، أحدِ العَشَرَةِ المَشْهُودِ لَهُمْ بِالجَنَّةِ- رضی اللہ عنہم- قَالَ: سَمِعْتُ رسول اللہ ﷺ يقول: ((مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قتِلَ

دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ))

(رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ان دس لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت سنائی ہے (یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی بھی ہوتے ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: جو آدمی اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا؛ وہ شہید ہے۔ جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا گیا؛ وہ بھی شہید ہے۔ جو اپنے دین کی حفاظت کے لئے مارا گیا؛ وہ بھی شہید ہے۔ اور جو آدمی اپنے گھر والوں کی حفاظت کے لئے مارا گیا؛ وہ بھی شہید ہے۔

افادات:- **''دین کی حفاظت''** مثلاً: مسجد کے اوپر حملہ ہوا، تو مسجد کی حفاظت دین کا معاملہ ہے، یا قرآن کی بے حرمتی ہو رہی تھی اس موقع پر ڈٹ گیا اور مقابلہ میں مارا گیا؛ تو وہ بھی شہید ہے۔

''اپنے گھر والوں کی حفاظت'' مثلاً: اس کے بال بچوں اور گھر والوں پر حملہ ہوا اور وہ ان کی حفاظت کے لئے مقابلہ میں ڈٹ گیا، اور اسی میں اس کی موت واقع ہوگئی؛ تو وہ بھی شہید ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ میدانِ جہاد میں کفار کے مقابلہ میں جو مارا جائے صرف وہی شہید نہیں، بلکہ یہ سارے بھی شہداء میں شامل ہیں۔

۱۳۵۷:- وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رسول الله ﷺ فَقَالَ: يَا رسولَ اللهِ، أَرَأَيتَ إِنْ جَاءَ رجلٌ يُرِيدُ أَخْذَ مَالِي؟ قَالَ: ((فَلاَ تُعْطِهِ مَالَكَ)) قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَاتَلَنِي؟ قَالَ: ((قَاتِلْهُ)) قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلَنِي؟ قَالَ: ((فَأَنْتَ شَهِيدٌ)) قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُهُ؟ قَالَ: ((هُوَ فِي النَّارِ))

رواه مسلم.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بتلایئے کہ اگر کوئی آدمی آکر میرا مال ناحق چھیننا چاہے؛ تو میں کیا کروں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو مت دو۔ اس نے پوچھا: اگر میرے نہ دینے پر وہ مجھ سے لڑے؛ تو؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم بھی اس کا مقابلہ کرو۔ اس پر اس نے پوچھا: اس مقابلہ میں اگر وہ مجھے مار دے اور میری جان چلی جائے تو؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو تم شہید ہو۔ اس نے پوچھا: اگر میں اس کو ماردوں تو؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ جہنم میں جائے گا۔

باب فضل العتق

غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت

قال اللہ تعالیٰ: فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ. وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ. فَكُّ رَقَبَةٍ.

......اس سے دھوکہ کھائیں گے

اُس زمانہ میں آپس میں جو جنگیں ہوتی تھیں اور ایک دوسرے کے جو قیدی پکڑے جاتے تھے ان کو غلام بنایا جاتا تھا، اسی لیے اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کی بڑی فضیلت بتلائی ہے۔ قرآن اور احادیث میں اس کے بہت سارے فضائل آئے ہیں۔ چناں چہ اسی کا نتیجہ تھا کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کثرت سے غلاموں کو آزاد کرتے تھے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیس ہزار غلام آزاد کئے تھے، اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی بے شمار غلاموں کا آزاد کرنا ثابت ہے؛ بلکہ کسی غلام کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے تو اس کو آزاد کردیتے تھے، جب غلاموں نے دیکھا کہ یہ تو اس طرح آزاد کردیتے ہیں، تو انہوں نے بھی ان کے سامنے ان کو دکھلانے کے لئے نمازیں پڑھنا شروع کردیں۔ لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: حضرت! یہ لوگ آپ کو دھوکہ دیتے ہیں، آپ کے سامنے اس طرح نمازیں پڑھتے ہیں تاکہ آپ ان کو آزاد کردیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا: جو اللہ کی خاطر ہمیں دھوکہ دے گا؛ تو ہم اس سے دھوکہ کھا جائیں گے۔

دشوار گزار گھاٹی

قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَةَ﴾ کیوں نہ داخل ہوا وہ گھاٹی میں؟ (پہاڑ کے اندر چلنے کے لیے جو دشوار گزار راستہ ہوتا ہے اس کو عربی میں ''عَقَبَةٌ'' اور اُردو میں گھاٹی کہتے ہیں) ایسے راستہ پر کیوں نہ چلا؟ اور ایسے راستہ پر ہر آدمی چل نہیں پاتا۔ اور یہاں آخرت کے اعتبار سے گھاٹی والا راستہ بتلایا ہے ﴿وَمَا أَدۡرَاكَ مَا الۡعَقَبَةُ﴾ اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ دشوار گزار گھاٹی اور پہاڑی راستہ کیا ہے؟ اس سے مراد ظاہری اعتبار سے چلنے والا راستہ نہیں ہے، بلکہ آگے جو اعمال بتلائے ہیں وہ مراد ہیں، ان میں پہلا عمل ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ غلام کو آزاد کرنا ہے ﴿أَوۡ إِطۡعَامٌ فِيۡ يَوۡمٍ ذِيۡ مَسۡغَبَةٍ﴾ یا پھر فاقہ والے دن غریب رشتہ داروں کو کھلانا ہے۔ چوں کہ ہر آدمی یہ اعمال نہیں کر پاتا کہ اس میں مال اور پیسے خرچ ہوتے ہیں، اس لئے لوگوں کے لئے اس کے اوپر عمل کرنا دشوار ہوتا ہے، اسی لئے قرآنِ پاک نے اس کو پہاڑ کے دشوار گزار راستہ سے تعبیر کیا ہے۔

جہنم سے خلاصی کا پروانہ

۱۳۵۸:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ لي رسول الله ﷺ: ((مَنۡ أَعۡتَقَ رَقَبَةً مُسۡلِمَةً أَعۡتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضۡوٍ مِنۡهُ عُضۡواً مِنۡهُ فِي النَّارِ، حَتّٰى فَرۡجَهُ بِفَرۡجِهِ)) (متفقٌ عَلَيۡهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس

آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم سے آزادی عطا فرمائے گا؛ یہاں تک کہ اُس کی شرم گاہ کے بدلہ میں اِس کی شرم گاہ کو بھی جہنم سے آزادی عطا فرمائے گا۔(ایک غلام آزاد کرنے پر کتنی بڑی فضیلت ہے، گویا جہنم سے آزادی اور خلاصی کا پروانہ مل گیا)۔

کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟

۱۳۵۹:-وعن أبي ذرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قُلْتُ: يَا رسول الله! أيُّ الأعمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الإِيمَانُ بِاللهِ، وَالجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ. قَالَ: قُلْتُ: أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: أَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا، وَأَكْثَرُهَا ثَمَناً. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کون سا عمل سب سے بہتر ہے (یعنی کس عمل میں ثواب زیادہ ہے؟) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ پھر میں نے پوچھا: کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا: جو مالک کے نزدیک سب سے عمدہ اور زیادہ قیمتی ہو (یعنی مالک کی نگاہ میں جس کی قدر و قیمت سب سے زیادہ ہو)۔

افادات:- ویسے قرآنِ پاک میں بھی ارشاد ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ تم اس وقت تک ہر گز حقیقی نیکی حاصل نہیں کر پاؤ گے جب تک کہ اللہ کے راستہ میں اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہو۔ اس روایت میں بھی یہی فرمایا گیا کہ جو غلام تمہارے نزدیک (Top) اور محبوب ہو اور جو زیادہ قیمتی بھی ہو اس کو آزاد کرنا افضل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو زیادہ قیمتی ہوتا ہے وہی عام طور پر مالک کی نگاہوں میں زیادہ پسندیدہ اور نفیس سمجھا جاتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جتنا زیادہ قیمتی غلام آزاد کیا جائے گا اتنا ثواب زیادہ ملے گا۔

باب فضل الإحسان إلى المملوك

غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی فضیلت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ. (النسآء:۳۶)

باب کا عنوان

باب کا عنوان قائم کیا ہے: غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی فضیلت۔

پہلے زمانہ میں آپسی جنگوں میں جو قیدی پکڑے جاتے تھے ان کو غلام بنایا جاتا تھا، اور پچھلے باب میں بتلا دیا تھا کہ اسلام میں غلاموں کو آزاد کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اور اُسی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کثرت سے غلاموں کو آزاد کرتے تھے، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تیس ہزار غلاموں کو آزاد کرنا بتلایا گیا ہے۔ تو جس غلام کا آقا پورا مالک ہے اس کے ساتھ بھی اسلام نے اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اس سلسلہ میں قرآنِ پاک کی یہ آیت پیش کی ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں کے ساتھ، اور وہ

پڑوسی جو رشتہ دار ہیں، یا دور کا پڑوسی یعنی جو رشتہ دار نہیں ہیں، یا تھوڑی دیر کے لئے جو آپ کے پاس (سفر میں، ٹرین میں، بس میں یا کسی مجلس میں) بیٹھے (جیسے ابھی اس مجلس میں سب ایک گھنٹہ کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں تو یہ سب بھی ساتھی ہیں) اور مسافر کے ساتھ بھی بھلائی کا سلوک کرو ﴿وَمَامَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ اور جن کے آپ مالک ہیں ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

رنگ ونسل کی بنیاد پر عار دلانا

۱۳۶۰:- وعنِ المَعْرُورِ بن سُوَيْدٍ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا ذَرٍ -رضی الله عنه-، وَعَلَيهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلاَمِهِ مِثْلُهَا، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ، فَذَكَرَ أَنَّهُ قَدْ سَابَّ رَجُلاً عَلَى عَهْدِ رسول الله ﷺ، فَعَيَّرَهُ بِأُمِّهِ، فَقَالَ النبيُّ ﷺ: ((إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ. هُمْ إِخْوَانُكُمْ وَخَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ الله تَحْتَ أَيدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلاَ تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت معرور بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو جلیل القدر صحابی ہیں ان) کو دیکھا کہ ان کے جسم پر ایک جوڑا (سوٹ) تھا، ان کے غلام کے جسم پر بھی اسی جیسا جوڑا (سوٹ) تھا، اس سلسلہ میں میں نے ان سے پوچھا: (کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتلایا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک مرتبہ ان کا ایک آدمی کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا (آپس میں تو تو میں میں اور کچھ بولا چالی ہوگئی تھی) تو اس کو اس کی ماں کا نام لے کر عار دلائی تھی، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ایک ایسے آدمی ہو کہ تمہارے اندر جاہلیت کی خو بُو اور خصلت موجود ہے۔ یہ انسان ہونے کے

ناطےتمہارے بھائی ہیں(اگرابھی تمہارے خادم ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت کی بنیاد پر)ان کوتمہارے ماتحت کر دیا ہے۔لہٰذا جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو(دیکھئے! غلام کو بھائی سے تعبیر کیا) تو اس کو چاہیے کہ خود جو کھاتا ہے اسی میں سے اس کو بھی کھلائے، اور خود جو پہنتا ہے اسی میں سے اس کو بھی پہنائے۔ اوران غلاموں کو ایسے کام نہ سونپو جوان پر غالب آجائیں(یعنی جس کے انجام دینے میں ان کو تکلیف اور مشقت ہو۔ اوراگر مشقت والا کوئی کام کبھی سونپ دیا ہو)تو تم بھی ان کو سپورٹ(Support)اور مدد کرو(ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ ان کو مشقت والا کام سونپ کر خود آرام سے بیٹھ جائیں)۔

افادات:- بدن کے اوپر والے حصہ پر اوڑھنے کے لیے جو چادر استعمال کی جاتی ہے وہ، اور نیچے لنگی وتہبند کے طور پر جو چادر استعمال کی جاتی ہے وہ دونوں ایک ہی طرح کی ہوں؛ تو اس کو عربی میں ''حُلَّۃٌ'' کہتے ہیں، جس کو ہمارے یہاں سوٹ بولا جاتا ہے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک جوڑا اعلیٰ قسم کا تھا اور دوسرا جوڑا گھٹیا قسم کا تھا، دونوں میں کی ایک ایک چادر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم پر تھی، اور دوسری ایک ایک اس غلام کو دے رکھی تھی۔ ان کے اوپر بھی ایک چادر اعلیٰ تھی اور ایک چادر گھٹیا تھی، اور غلام کے اوپر بھی ایسا ہی تھا؛ اس طرح دونوں یکساں ہو گئے تھے۔ حضرت معرورؒ نے جب یہ منظر دیکھا کہ جیسا لباس خود انہوں نے پہن رکھا ہے ایسا ہی لباس اپنے غلام کو بھی پہنا رکھا ہے، حالاں کہ عام دستور ایسا کرنے کا نہیں تھا تو سوچا کہ شاید کوئی وجہ ہوگی جس کی وجہ سے انہوں نے یہ طریقہ اپنایا ہے، لہٰذا پوچھ لیا کہ: آپ نے جس طرح کا جوڑا پہن رکھا ہے ایسا ہی جوڑا اپنے غلام کو بھی پہنا دیا ہے؛ کیا بات ہے؟

عمدہ والی چادر جو آپ نے اپنے غلام کو دے رکھی ہے وہ آپ خود لے لیتے تا کہ اعلیٰ قسم کی چادر کا سوٹ آپ کے پاس مکمل ہو جاتا، اور گھٹیا والی چادر اس غلام کو دیدیتے، اور چوں کہ وہ غلام ہے، وہ اپنے درجے کے مطابق سوٹ استعمال کرلیتا؟ اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنا قصہ سنایا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کا کچھ جھگڑا ہو گیا تھا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ چوں کہ سیاہ فام اور کالے تھے اس لیے انہوں نے حضرت بلال کو یہ کہہ دیا تھا: "یَاابْنَ السَّوْدَآءِ" "اے کالی عورت کے بیٹے" اور ظاہر ہے کہ رنگ ونسل کی بنیاد پر کسی کو عار اور شرم دلانا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

کرامت وشرافت کا معیار

اسلام تو ذاتی اوصاف کو دیکھتا ہے، اسلام میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کس کا تعلق کون سے خاندان سے ہے۔ اگر کوئی اونچے خاندان سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کی ذات میں کوئی کمال موجود نہیں ہے تو اس کی خاندانی شرافت اس کے کسی کام نہیں آئے گی، اور کوئی آدمی نچلے خاندان سے تعلق رکھتا ہے لیکن جو اوصاف اور کمالات اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ اور مطلوب ہیں جیسے: علم وعمل، صلاح وتقویٰ، اخلاص اور دینداری وغیرہ؛ یہ ساری چیزیں اس میں موجود ہیں؛ تو وہ آدمی اللہ تعالیٰ کے یہاں اونچا سمجھا جاتا ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہی اصول بتلا دیا ہے: ﴿إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقٰكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ایک مرد اور عورت (یعنی حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام سے) پیدا کیا ہے اور پھر ان میں قبیلے اور خاندان بنائے، اور یہ قبیلے وخاندان بڑائی اور

فخر وغرور کے لئے نہیں ہیں بلکہ صرف آپس کی پہچان کے لئے ہیں، باقی اس کی بنیاد پر کوئی اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے؛ تو اس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔ جس میں تقویٰ زیادہ ہو اور جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے اپنے کو بچائے؛ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا ہی زیادہ باعزت ہوگا۔ زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں خاندان پر فخر وغرور کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی، اور اُنہیں بنیادوں پر آدمی خاندان یا رنگ ونسل کے اعتبار سے کم درجہ والے آدمی کے ساتھ تعلق رکھنے کو اپنے لئے عار اور شرم کی چیز سمجھتا تھا، اور موقع آنے پر اسی کی وجہ سے اس کو شرم وعار بھی دلائی جاتی تھی۔ اس آیت میں کرامت وشرافت کا معیار بتلادیا گیا کہ جو آدمی اپنے آپ کو گناہوں سے جتنا زیادہ بچائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا ہی زیادہ مکرم اور معزز ہے، چاہے اس کا خاندان جو بھی ہو۔

حضراتِ صحابہ کی خاص شان

خیر! یہاں بھی یہی ہوا تھا کہ حضرت بلالؓ کے ساتھ حضرت ابوذرؓ کی کسی بات میں تُوتُو مَیں مَیں ہوگئی تو ان کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا: "يَاابْنَ السَّوْدَآء" "اے سیاہ فام عورت کے بیٹے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شکایت کردی کہ: اے اللہ کے رسول! ان کے ساتھ میرا یہ معاملہ ہوا تو انہوں نے مجھے یہ کہہ کر عار دلائی (گویا ماں کی گالی دی) تو چوں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے غلام بھی رہ چکے تھے، اور جو آدمی پہلے غلام رہ چکا ہو اس کو بھی اس کے حق میں عار کی چیز سمجھا جاتا تھا اس لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم ایک ایسے آدمی ہو کہ

تمہارے اندر جاہلیت کی خو بُو اور خصلت موجود ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے: حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے جب یہ ارشاد فرمایا تو مَیں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس بڑھاپے میں جبکہ میری عمر اتنی زیادہ ہوگئی ہے، پھر بھی ابھی تک میرے اندر یہ بات موجود ہے؟ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جی ہاں، اب بھی موجود ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ سن کر حضرت اَبوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً وہیں لیٹ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: میرے گال پر پاؤں رکھو، اور جب تک حضرت بلالؓ نے ان کے رخسار پر پاؤں نہیں رکھے وہاں تک انہوں نے حضرت بلالؓ کو نہیں چھوڑا۔

دیکھئے! حضراتِ صحابہ کی کیسی خوش نصیبی ہے کہ اگر کسی بات پر ان کو ذرا سی تنبیہ کردی جاتی تو فوراً اس کو پلے باندھ لیتے اور اس پر عمل کے لئے آمادہ ہوجاتے۔ تمام حضراتِ صحابہ کی یہی خاص شان تھی کہ اگر ان کو کوئی نصیحت کردی جاتی تو اس کو ایسا مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیتے تھے کہ کبھی اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ اگر کسی کو فرمادیا: ''لَاتَسْئَلْ'' کسی سے سوال مت کریو؛ تو پھر ان کا حال یہ ہوگیا تھا کہ اپنا کوڑا بھی گر جاتا تو کسی سے مانگنا گوارہ نہیں کرتے تھے، سواری سے خود اترتے اور لے لیتے جو لوگ وہاں موجود ہوتے وہ کہتے کہ ہمیں کہہ دیا ہوتا تو ہم دیدیتے، تو اس پر فرماتے: ایسا نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ کسی سے مانگنا مت، اور یہ بھی مانگنے کی ایک شکل بن جاتی ہے۔

روایت کا سبق

اس کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے ایک تعلیم ارشاد فرمائی کہ کوئی آدمی پہلے کسی

زمانہ میں غلام رہا ہو تو کیا ہوا، انسان ہونے کے ناطے تو وہ تمہارا بھائی ہی ہے، جیسے تم انسان ہو؛ وہ بھی انسان ہے۔اب اگر اس وقت یہ تمہارے خادم ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت کی بنیاد پر ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے، اور تمہارے ہاتھ میں ان کی باگ ڈور دیدی ہے، ورنہ جیسے تم انسان ہو، ایسے ہی یہ بھی انسان ہیں، جیسے تمہاری دو آنکھیں ہیں ان کی دو آنکھیں ہیں، جیسے تمہارے دو کان ہیں ان کے بھی دو کان ہیں، جیسا تمہارا چہرہ مہرہ ہے، ایسا ہی ان کا بھی ہے، ان سب چیزوں میں تم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ہاں! اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں جن کی بنیاد پر کسی زمانہ میں وہ کافر تھے، پھر گرفتار ہوئے تو بطورِ سزا غلامی کا طوق ان پر ڈال دیا گیا۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ غلام ہونے کی وجہ سے کوئی آدمی انسانیت سے نکل نہیں جاتا، جو انسانی شرف اور رتبہ تمہیں حاصل ہے، وہی شرف ورتبہ ان کو بھی حاصل ہے، اس لئے ان کو گھٹیا مت سمجھو اور اس کی وجہ سے ان کے ساتھ کوئی بھی غیر انسانی سلوک مت کرو۔لہٰذا جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو اس کو چاہیے کہ خود جو کھائے اسی میں سے اس کو بھی کھلائے اور خود جو پہنے اسی میں سے اس کو بھی پہنائے۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی نصیحت کی بناء پر میں نے جو پہنا اس کو بھی پہنایا، اور جیسا خود کھاتا ہوں ویسا ہی اپنے غلام کو بھی کھلاتا ہوں۔

اس پوری روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ہے، کھانے پہننے کے معاملہ میں بھی اور دیگر کاموں کے معاملہ میں بھی ان کے ساتھ رعایت کا معاملہ کرو، ان کی طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لو، اور اگر مشقت والا کوئی کام ان کو دیدیا ہو تو ساتھ میں تم بھی ان کی مدد کرو، اور ان کا اکرام بھی ہونا چاہیے، ان کے ساتھ کسی قسم کی بے عزتی کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔

مروت کی تعلیم

۱۳۶۱:- وعن أَبي هـريرة رضی اللہ عنہ عن النبيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ، فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ، فَلْيُنَاوِلْهُ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ أَوْ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ؛ فَإِنَّهُ وَلِيَ عِلاَجَهُ. [1] (رواه البخاري)

((الأُكْلَةُ)) بضم الهمزة: وَهِيَ اللُّقْمَةُ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا بنا کر تیار کر کے لائے (اور پیش کرے) تو (اگر آقا اور سیٹھ اپنے ساتھ نہ بٹھائے تو کم سے کم) ایک دو لقمہ اس کے ہاتھ میں دیدے، اس لیے کہ اس کھانے کو تیار کرنے کی ساری ذمہ داری اس نے اُٹھائی ہے۔

افادات:- لفظِ خادم میں غلام اور ملازم دونوں آجاتے ہیں۔ غلام کا تو آقا باقاعدہ مالک ہوتا ہے؛ اس کو بھی خادم کہا جاتا ہے، اور جو غلام نہیں ہے بلکہ کسی کا صرف ملازم ہے اور اجرت پر کام کرتا ہے؛ وہ بھی خادم کہلاتا ہے۔

اب اگر خادم کو اپنے ساتھ بٹھالے تو بہت ہی اچھا ہے، لیکن اگر کھانا اتنا نہیں ہے جو دونوں کو کافی ہوجائے، یا طبیعت اس کو اپنے ساتھ بٹھانے کے لئے آمادہ نہیں ہے تو کم سے کم ایک دو لقمے اس کو دیدو، اس لئے کہ یہ کھانا اس نے تیار کیا ہے، اور شروع سے لے کر آخر تک کھانے کی تیاری میں اسی نے محنت کی ہے، اس لیے اس کا جی بھی

---

(۱) قال النووي في شرح صحيح مسلم: في هذا الحديث " الحث على مكارم الأخلاق، والمواساة في الطعام، لا سيما في حق من صنعه أو حمله؛ لأنه ولي حره ودخانه، وتعلقت به نفسه، وشم رائحته، وهذا كله محمول على الاستحباب.

اس میں اٹکا ہوا رہتا ہے، اب جس نے پورا کھانا تیار کیا ہوا گر اس کو آپ ایک لقمہ بھی نہ دیں اور سارا اکیلے خود ہی ہڑپ کر جائیں؛ تو یہ بڑی بے مروتی کی بات ہے، اور اس میں کیا خیر و برکت ہو سکتی ہے؟ اس لئے حضورِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ: اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلایا جائے، اور اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا ہے تو کم سے کم ایک دو لقمے تو اس کے ہاتھ میں دے ہی دو کہ لو بھائی! تم بھی کھالو۔ جب وہ اتنا بھی کھالے گا تو اس کا جی جو اس کھانے میں اٹکا ہوا تھا وہ چھوٹ جائے گا، تب ہی آپ کے کھانے میں برکت بھی ہوگی، ورنہ برکت نہیں ہوگی۔

باب فضل المملوك الذي يؤدي حق الله وحق مواليه

اللہ تعالیٰ اور اپنے آقا کا حق ادا کرنے والے غلام کی فضیلت

ترجمۃ الباب

اس باب میں اس غلام کی فضیلت بیان فرمانا چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے، اور اپنے آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کے بھی حقوق ہیں اور اگر وہ کسی کا ماتحت اور غلام ہے تو اس آقا کے بھی حقوق ہیں، اور ایک غلام کے لئے اپنے آقا کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور دونوں کو نبھانا ذرا دشوار کام ہوتا ہے، گویا اس کے حالات سازگار نہیں ہوتے، ہوسکتا ہے کہ آقا کی طرف سے کام کا اتنا بوجھ ڈال دیا جائے کہ اس کے لیے اس بوجھ کے ساتھ پانچ وقت کی نماز پڑھنا اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے حقوق کو ادا کرنا مشقت کا باعث ہو جائے، لیکن پھر بھی اگر وہ ان ساری تکالیف اور مشقتوں کو برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے؛ تو اس کے لئے بڑی فضلیت ہے۔ اس باب میں اسی کو بتلاتے ہیں۔

ایسے غلام کو دوہرا (ڈبل) ثواب ملے گا

۱۳۶۲:- عن ابن عمر رضی الله عنهما: أَنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ، وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ اللهِ، فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ)) متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غلام جب اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے؛ تو اس کو دوہرا (ڈبل) ثواب ملے گا۔

افادات:- گویا اس کے لیے رکاوٹیں تھیں، ان رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود اپنی ڈیوٹی پوری ادا کرتا ہے، جو ذمہ داریاں اور کام آقا کی طرف سے اس کو سونپے گئے ہیں ان میں خیانت سے کام نہیں لیتا، بلکہ آقا کی پوری خیر خواہی کرتے ہوئے اور اس کی بھلائی چاہتے ہوئے ان کاموں کو صحیح طریقے سے انجام دیتا ہے؛ ایسا شخص دوہرے ثواب کا مستحق ہے۔

تو میں غلامی کی موت کو ترجیح دیتا

۱۳۶۳:- وعن أَبي هريرة -رضی الله عنه قَالَ قَالَ رسول الله ﷺ: ((لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوكِ الْمُصْلِحِ أَجْرَانِ)) وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ! لَوْلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَالْحَجُّ، وَبِرُّ أُمِّي: لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَمُوتَ وَأَنَا مَمْلُوكٌ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ غلام جو اپنے آقا کے کاموں کو خیر خواہی سے انجام دیتا ہے؛ اس کے لیے ڈبل اجر و ثواب ہے۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تمنا کا اظہار فرماتے ہیں کہ:

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابو ہریرہ کی جان ہے! اگر اللہ کے راستہ میں جہاد، حج، اور میری ماں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں؛ تو میں اس بات کو پسند کرتا کہ غلامی کی حالت میں مروں۔

افادات:- آقا کی طرف سے اجازت نہ ہونے کی وجہ سے غلام جہاد میں شریک نہیں ہوسکتا، آقا کی اجازت کے بغیر غلام حج بھی نہیں کرسکتا، اور ماں کی خدمت وہ کیسے انجام دے سکتا ہے جبکہ وہ تو آقا کا غلام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ سارے کام نہ ہوتے تو میری یہ تمنا تھی کہ غلامی کی زندگی گزاروں۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ غلام یا نوکر قصداً آقا کو نقصان پہنچانے اور اس کے کام کو بگاڑنے کی کوشش اس انداز سے کرتا ہے کہ آقا کو پتہ نہ چلے، لیکن جو غلام ایسا نہیں کرتا، بلکہ دل سے آقا کے کاموں کو ٹھیک کرنے کی پوری خیر خواہی کے ساتھ کوشش کرتا ہے؛ تو اس کو دوہرا (ڈبل) ثواب ملتا ہے۔ گویا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈبل ثواب حاصل کرنے کی طمع اور لالچ میں غلام ہونے کی تمنا کر رہے ہیں، حالاں کہ غلامی تو آدمی کے لئے بری چیز سمجھی جاتی ہے۔

ڈبل ثواب پانے والے

۱۳۶۴:- عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

((الْمَمْلُوكُ الَّذِي يُحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهِ، وَيُؤَدِّي إِلَى سَيِّدِهِ الَّذِي عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ، وَالنَّصِيحَةِ، وَالطَّاعَةِ، لَهُ أَجْرَانِ)) (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ غلام جو اپنے پروردگار کی عبادت بھی اچھے طریقے سے کرتا ہے، اور آقا کی خیر خواہی

کرتے ہوئے اس کا حق بھی ادا کرتا ہے اور پوری فرمانبرداری کرتا ہے؛ تو اس کو ڈبل ثواب ملے گا۔

۱۳۶۵:- وعنہ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((ثَلاثَةٌ لَهُمْ أجْرَانِ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ. وَالعَبْدُ المَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ. وَرَجُلٌ كَانَتْ لَهُ أَمَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا؛ فَلَهُ أَجْرَانِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں جن کو ڈبل ثواب ملے گا، ایک تو اہلِ کتاب کا وہ آدمی جو اپنے نبی پر ایمان لایا (اگر حضرت موسیٰ پر ایمان لایا تھا یعنی یہودی تھا۔ اور اگر حضرت عیسیٰ پر ایمان لایا تھا یعنی نصرانی تھا، اس کے بعد اسلام قبول کیا) اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان لے آیا (تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا) دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہو اور اپنے آقاؤں کا حق بھی ادا کرتا ہو۔ اور تیسرا وہ آدمی جس کے پاس کوئی باندی ہو، پھر اس کو ادب سکھلائے اور اچھا ادب سکھلائے اس کو تعلیم دے اور بڑی اچھی تعلیم دے، پھر اس کو آزاد کردے، اس کے بعد اس کے ساتھ نکاح کرلے؛ تو اس کو بھی دوہرا (ڈبل) اجر و ثواب ملے گا۔

افادات:- ظاہر ہے کہ کوئی آدمی جب ڈبل کام کرے گا تو اس کو ثواب بھی ڈبل ملے گا۔

جیسی محنت؛ ویسی برکت

یہاں علماء نے کچھ بحثیں کی ہیں جن کی بڑی تفصیلات ہیں، علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی اچھی بات کہی ہے جو میں اوپر بتلا چکا ہوں کہ دراصل کوئی آدمی ایک کام ایسے مواقع میں انجام دیتا ہے جبکہ اسباب اور حالات اس کے خلاف ہوں، حالات کے

خلاف ہونے کے باوجود وہ اپنی ڈیوٹی برابر انجام دیتا ہے، تو ظاہر ہے اس میں اس کو مجاہدہ اور مشقت زیادہ لاحق ہوگی، تکلیف زیادہ اٹھانی پڑے گی؛ اس لیے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب بھی زیادہ ملے گا، جیسا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جو آدمی قرآنِ کریم کی تلاوت پوری مہارت کے ساتھ کرتا ہے؛ وہ تو ان مکرم فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے پیغام اور وحی لانے والے ہیں۔ اور جو آدمی قرآنِ کریم کی تلاوت اس طرح کرتا ہے کہ اس کی زبان اٹکتی ہے اور پڑھنا اس کو دشوار ہوتا ہے، پھر بھی پڑھتا رہتا ہے؛ تو چوں کہ اس کو پڑھنے میں مشقت لاحق ہوتی ہے اس لیے اس کو ثواب بھی دوہرا ملتا ہے۔

اسی طرح یہاں پر بھی تین قسم کے جو لوگ ہیں ان کو مشقت زیادہ لاحق ہوتی ہے، پہلا تو غلام؛ کہ اس کو آقا کے حقوق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حقوق نبھانا بڑا مشکل ہوجاتا ہے، اس لیے کہ کبھی حالات ایسے پیش آجاتے ہیں کہ آقا کی طرف سے کچھ ایسی فرمائشیں ہوتی ہیں کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا مشکل ہوجاتا ہے، پھر بھی ان مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے وہ غلام دونوں کے حقوق ادا کرتا ہے؛ تو ظاہر ہے کہ اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔

اسی طریقہ سے اہلِ کتاب کا حال ہے کہ وہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر پہلے سے ایمان رکھتا ہے، اور ان کی صداقت کا اعلان حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی فرمارہے ہیں، قرآنِ کریم میں بھی ان کا نبیٔ برحق ہونا بتلایا گیا ہے اور ان پر ایمان لانے کو ایمان کا جزو قرار دیا گیا ہے، اس کے باوجود وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر ایمان لائے، حالاں کہ یہاں اس کے لئے اسباب ایسے تھے کہ نفس رکاوٹ بنتا اور یہ سمجھتا کہ جب تم ان پر

ایمان رکھتے ہو تو تمہیں حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی لئے تو یہود و نصاریٰ اپنے دین کو لئے بیٹھے رہے اور ایمان نہیں لائے۔ تو کسی آسمانی دین کو ماننے والے کے لیے نفس رکاوٹ بن سکتا تھا پھر بھی اگر وہ مجاہدہ کرکے حضور اکرم ﷺ پر ایمان لائے؛ تو ایسے آدمی کے لئے دوہرا (ڈبل) ثواب رکھا گیا ہے۔

اور جس باندی کی تعلیم وتربیت کی جائے وہ بڑی قیمتی بن جاتی ہے، پہلے اس کی جو قیمت ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں اس کی قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے، اس لیے اس کو فروخت کرکے آقا بہت زیادہ فائدہ اُٹھا سکتا تھا، اس کے باوجود تعلیم وتربیت شدہ باندی کو آزاد کردیتا ہے، پھر اس کے ساتھ نکاح کرلیتا ہے، حالاں کہ جب وہ باندی تھی اس حالت میں بھی اس کو استعمال کرسکتا تھا، اور اس صورت میں اس کا کوئی حق بھی اِس پر لاگو نہ ہوتا، لیکن اس کو آزاد کرکے پہلے تو گویا اس کو اپنے برابر کا درجہ دیا، پھر اس کے ساتھ نکاح کرلیا؛ تو یہ بھی بڑی مشقت کا کام تھا اس لیے اس پر دوہرا ثواب ملے گا۔

باب فضل العبادة في الهرج وهو الاختلاط والفتن ونحوها

فتنوں اور حالات کے زمانہ میں عبادت کرنے کی فضیلت

ناموافق حالات میں معمولات کا اہتمام

فضائل کا سلسلہ چل رہا تھا، اسی ذیل میں آج عنوان قائم کیا ہے کہ: ''حالات کے ناہموار و نامناسب ہونے اور فتنہ کے زمانہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنے کی فضیلت۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ہرج'' کا ترجمہ ''اختلاط'' کیا ہے۔ اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ''ہرج'' کا ترجمہ ''گڑبڑ'' کرتے ہیں۔ یعنی جب حالات گڑبڑ والے ہو جائیں اور نئے نئے فتنے نمودار ہوں تو چوں کہ آدمی اپنے ماحول کے تابع ہوتا ہے اس لیے حالات کی گڑبڑی اور فتنوں کی وجہ سے آدمی کی طبیعت میں جو یکسوئی رہنی چاہیے وہ باقی نہیں رہتی، حالات کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی ٹینشن میں رہتا ہے، لیکن اگر کوئی آدمی حالات کے ناموافق اور ناہموار ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کسی طرح کی کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا سلسلہ پہلے سے جو چلا آرہا ہے اس کو برابر باقی اور جاری رکھتا

ہے؛ تو اس کی بڑی فضیلت ہے۔

جب حالات آدمی کے مزاج اور طبیعت کے موافق ہوں اس وقت اگر کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، تسبیح پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، عبادات کا اہتمام کرتا ہے تو اگر چہ یہ بھی بہت بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہے، لیکن ان حالات میں چوں کہ آدمی کی طبیعت اور مزاج کے خلاف کوئی بات نہیں پائی جاتی، تو گویا اس نے کوئی بہت بڑا مجاہدہ اور مشقت کا کام نہیں کیا۔ لیکن جب بیرونی حالات طبیعت کے خلاف اور ناہموار ہوں، زمانہ میں فتنہ وفساد پھیلا ہوا ہو، آدمی کی طبیعت میں یکسوئی، سکون واطمینان باقی نہ ہو، ایسی حالت میں کوئی آدمی اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اپنے معمولات کی بجا آوری کا اہتمام کرے، جماعت کے ساتھ نماز کی پابندی کرے، نوافل اور تلاوت کا اہتمام جیسے پہلے کرتا رہا ہے اس کو جاری رکھے، تسبیحات اور دعاؤں کا اہتمام کرے، مطلب یہ ہے کہ معمولات کا سلسلہ جو پہلے سے جاری تھا، حالات کی ناہمواری اور گڑبڑ کی وجہ سے اس میں کوئی خلل نہ پڑنے دے؛ تو یہ بھی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ اسی کو اس باب میں بیان کرتے ہیں۔

فتنوں کے زمانہ میں عبادت کی فضیلت

۱۳۶۶:- عن مَعْقِلِ بن يسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وسلم: ((العِبَادَةُ فی الهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إلَيَّ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حالات کے ناموافق ہونے، گڑبڑ اور فتنوں کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ایسا ہے جیسا ہجرت کر کے میرے پاس حاضری دینا۔

افادات:- جب حضورِ اکرم ﷺ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اس زمانہ میں مکہ کا رہنے والا کوئی آدمی اگر ایمان لاتا تو اس کے ایمان کی تکمیل اور قبولیت اس بات پر موقوف تھی کہ وہ بھی ہجرت کرکے حضورِ اکرم ﷺ کے پاس مدینہ منورہ حاضر ہو، صرف کلمہ پڑھ کر وہیں رہ جانا کافی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ تو جیسے اس زمانہ میں جو لوگ ایمان لانے کے بعد نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے، آپ کے پاس قیام و رہائش اختیار کرتے تھے، ظاہر ہے کہ وہ بڑی فضیلت کی چیز تھی، اسی طریقہ سے کوئی آدمی حالات کی گڑبڑی اور فتنہ کے زمانہ میں اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کا اہتمام کرتا ہے تو اس کو وہی ثواب ملے گا۔

علاج ہی ہم چھوڑ دیتے ہیں

ہمارے ملنے والے احباب جب اپنے حالات بتاتے ہیں تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ معمولات ادا کرتے ہو؟ تو وہ جواب میں کہتے ہیں: دراصل میں حالات میں پھنس گیا ہوں، اس لیے معمولات چھوٹ گئے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ ان حالات کا علاج تو یہی معمولات ہیں، آپ نے ان کا جو علاج تھا وہی چھوڑ دیا۔ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ کسی کو کہا جائے کہ: بھائی! دوا کھالو، اور وہ کہے کہ مولوی صاحب! کیا کروں؛ بیماری بہت سخت ہوگئی ہے اس لیے دوا چھوڑ دی۔ تو ان سے یہی کہا جائے گا کہ بیماری اگر سخت ہوگئی تو پھر دوا اور زیادہ اہتمام سے کھانی چاہیے۔ اسی طرح اگر آپ حالات کا شکار ہوگئے تو اس کا علاج یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت اور زیادہ ہو، اللہ تعالیٰ سے خوب مدد مانگی جائے، جب یہ حالات ہمارے اختیار کے ہیں ہی نہیں، ہم ان کا کوئی علاج کرہی نہیں سکتے اور ان پر قابو بھی نہیں پاسکتے، ان کو قابو میں لانے والی ذات جب وہی

ہے تو اب اسی کے سامنے روؤاور رجوع کرو۔لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ جو علاج ہے اسی کو ہم چھوڑ دیتے ہیں،تو پھر ہمارے حالات اور زیادہ سنگین شکل اختیار کرلیتے ہیں۔اس لیے ہمارے دوست واحباب جب ایسی باتیں کرتے ہیں کہ مجھ پر حالات آ گئے، کاروبار ٹھپ ہو گیا، گھر والے اور بچے سخت بیمار ہو گئے؛ تو میں ان سے کہا کرتا ہوں کہ آپ پر حالات آئے تو معمولات اور زیادہ کرو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری زیادہ کرو، جب اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغولی اختیار کرو گے اور دعائیں کرو گے؛ تو یہ سب حالات اللہ تعالیٰ ہی دور کرے گا۔لیکن جو اصل تھا وہ تو آپ نے چھوڑ دیا، اور دنیوی تدبیریں جن سے کچھ ہوتا نہیں ہے، وہ بھی آپ سے پوری نہیں ہو پا رہی ہیں۔

یہی استقامت ہے

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ حالات کے اندر معمولات ادا کرنے کی مخصوص فضیلت ہے۔ چوں کہ ایسے حالات میں آدمی اپنی طبیعت میں ایک قسم کی بے چینی محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے بعض مرتبہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ بیٹھتا ہے، جیسا کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے، اس لیے اس کی فضیلت بتلانے کے لیے خاص یہ باب قائم کیا اور اس میں بتلایا گیا کہ ایسے حالات میں اگر آپ عبادات کا اہتمام کرتے ہیں، جیسے: جماعت کے ساتھ نمازوں کا، ذکر وتلاوت، تسبیحات اور گناہوں سے بچنا وغیرہ؛ اس باب میں ذرّہ برابر کوتاہی ارتکاب نہیں کرتے؛ تو یہی چیز آپ کے دین پر مضبوطی سے جمے رہنے کی علامت ہے اور یہی استقامت کہلاتی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ حالات آ گئے تو ناامید ہو کر گھر میں بیٹھ گئے، اب مسجد میں بھی حاضری نہیں دیتے، نماز بھی نہیں پڑھتے، تلاوت بھی نہیں ہوتی، ایسے ہی پڑے ہوئے ہیں، یہ طرزِ عمل تو حالات کو اور زیادہ خطرناک بنانے والا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب فضل السماحة في البيع والشراء والأخذ والعطاء، وحسن القضاء والتقاضي وإرجاح المكيال والميزان والنهي عن التطفيف وفضل إنظار الموسر المُعْسِرَ والوضع عَنْهُ

قَالَ اللہ تَعَالٰی: وَمَا تَفۡعَلُوا مِنۡ خَیۡرٍ فَإِنَّ اللّٰہَ بِهِ عَلِیۡمٌ. (البقرة:۲۱۵)

وقال تَعَالٰی: وَيَا قَوۡمِ أَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ أَشۡيَاءَهُمۡ. (هود:۸۵)

وقال تَعَالٰی: وَيۡلٌ لِلۡمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكۡتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمۡ أَوۡ وَزَنُوهُمۡ يُخۡسِرُونَ. أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمۡ مَبۡعُوثُونَ لِيَوۡمٍ عَظِيمٍ يَوۡمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعَالَمِينَ. (المطففين:۱-۶)

اس باب میں معاملات کی نسبت سے فضیلت والے کچھ اعمال بتلانا چاہتے ہیں۔

اس بیان میں کیا ہے؟

پہلی بات یہ ہے کہ خرید وفروخت کے معاملہ میں آدمی چھوٹ چھاٹ سے کام لے، بہت کھینچا تانی نہ کرے۔ جیسا کہ بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ کوئی گاہک آیا اور کسی چیز کا بھاؤ پوچھا، تو وہ کہتے ہیں کہ اس کا بھاؤ دس روپے ہیں۔ اگر گاہک کہتا

ہے کہ کچھ کم کردو، تو صاحب کہتے ہیں کہ ایک پائی بھی کم نہیں ہوگی؛ لینا ہے تو لو۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کچھ کم کرنے میں آپ کا نفع تھوڑا سا کم ہوجاتا ہو تو کم کردیجیے، اور یہ بھی ہدایت ہے کہ جو چیز بیچی جارہی ہے اس میں کچھ اضافہ اور زیادتی کرکے گاہک کو دی جائے۔ یہ تو بیچنے والے کو ہدایت ہے، اور عام طور پر بیچنے والے تو ایسا کرتے بھی ہیں لیکن خریدنے والے اس نصیحت پر عمل کرنے والے نہیں دیکھے گئے، جیسے: اس نے ساڑھے نو کا بھاؤ طے کیا تھا تو آپ دس کا نوٹ دیدیجیے اور کہیے کہ: بھائی! تم دس کا نوٹ رکھ لو۔ یہاں دونوں کی فضیلت بتائی جارہی ہے، صرف بیچنے والے ہی کے لیے ہدایت نہیں ہے، بلکہ خریدنے والے کو بھی چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے وسعت دے رکھی ہے تو قیمت کچھ زیادہ ہی دیدو، اس کی بھی خاص فضیلت ہے، ویسے بھی آپ اس رقم کو اِدھر اُدھر خرچ کرہی ڈالتے ہیں اور ضائع کرتے ہیں؛ تو اسی دکاندار کو کچھ زیادہ دیدو۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی چیز کے لینے یعنی اپنا حق وصول کرنے کے معاملہ میں درگزر سے کام لینا، اور دینے یعنی کسی کا حق ادا کرنے کے معاملہ میں بھی فراخی اور کشادہ دلی (bid! *Dli si!) سے کام لینا۔

تیسری بات یہ ہے کہ کسی کے قرضہ کی ادائیگی کے معاملہ میں اچھا انداز اختیار کرنا، یا کسی سے اپنا حق وصول کرنا ہے تو وصول کرنے میں بھی اچھا انداز اختیار کرنا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ناپنے اور تولنے میں بھی اس بات کا خیال رکھنا۔ اگر کوئی چیز ناپ کر دینی ہے تو ناپنے میں ایک میٹر کے بجائے دو ڈورے بڑھا کر دیدو، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ پورے میٹر سے بھی کچھ کم کردے۔ تول کر دینی ہے تو اس میں بھی کچھ جھکتا ہی تولنا چاہیے۔

پانچویں بات: ناپ تول میں کمی کی ممانعت اور حرمت کو بتانا ہے۔

چھٹی بات: "فضل إنظار الموسِر المُعسِرَ" خوش حال آدمی کا تنگ دست آدمی کو مہلت دینا۔ مثلاً: ایک آدمی کے پاس آپ کے پیسوں کا مطالبہ ہے، اب آپ کہتے ہیں کہ تمہارا وعدہ پورا ہورہا ہے، اس لیے میرے پیسے لاؤ، مگر قرضدار تنگ دست ہے، اس نے ادائیگی کے لئے اپنے طور پر کوشش بھی کی، لیکن انتظام نہیں ہوسکا، اور وہ درخواست کررہا ہے کہ کچھ اور مہلت دیدو، میں انتظام کرنے میں لگا ہوا ہوں؛ تو اب آپ کو بھی چاہیے کہ اس کو کچھ مہلت اور دیدو۔

ہمارے معاشرہ کی ایک بڑی کوتاہی

دو شکلیں الگ الگ ہیں، ایک تو یہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس مال ہے اور وہ ادا نہیں کررہا ہے، جیسا کہ ہمارے سماج ومعاشرہ میں بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں کہ قرضدار کے پاس قرضہ ادا کرنے کے لیے مال موجود ہوتا ہے لیکن قرض خواہ کو ادا نہیں کرتا، اور اِدھر اُدھر فضول خرچیاں کرتا پھرتا ہے، بغیر ضرورت کی چیزیں خرید رہا ہے، دوستوں کی پُرتکلّف اور شاندار دعوتیں ہورہی ہیں، اور قرض خواہ روزانہ دَھکّے کھاتے ہیں ان کو نہیں دیتا؛ ایسے آدمی کی تو دعوت بھی درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ کسی کے پاس اگر پیسے زائد ہیں تب تو دعوت کرے، مگر یہاں پیسے زائد کہاں ہیں؟ اس پر تو لوگوں کا حق ادا کرنا واجب ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ پہلے وہ ادا کرے۔ اب وہ تو ادا نہیں کررہا ہے اور دعوتیں کررہا ہے! شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ بلکہ اگر آپ کو معلوم ہو کہ وہ آدمی مقروض ہے اور لوگوں کے قرضے ادا کرنے میں ڈھیل کرتا ہے اور اب آپ کی دعوت کرتا ہے؛ تو آپ اس کی دعوت قبول نہ کیجئے۔

حضرت نواب صاحب کی دعوت

حضرت نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مشکوٰۃ کی اردو شرح ''مظاہرِ حق'' کے مصنف ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، خاندانی اعتبار سے نواب تھے اور بڑے اہل اللہ میں سے تھے، اور بڑے جید عالم بھی تھے، ان کا ایک قصہ ارواحِ ثلاثہ میں لکھا ہے کہ:

ایک مرتبہ انہوں نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد میں سے ہیں ان دونوں کی دعوت کی، مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے تو ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کردیا۔ نواب صاحب نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے شکایت کی، اس لیے کہ وہ ان دونوں کے استاذ تھے: حضرت! آپ نے تو میری دعوت قبول فرمالی اور مفتی مظفر حسین صاحبؒ قبول نہیں کرتے، آنے سے انکار کرتے ہیں۔ حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ نے مفتی صاحبؒ کو بلایا اور ڈانٹا کہ: ارے بھائی! کیا تم کو تقویٰ کا ہیضہ ہوگیا ہے؟ تم ان کی دعوت کیوں قبول نہیں کرتے؟ کیا نواب صاحب کی کمائی حرام کی ہے؟ مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے کہا: نہیں حضرت! حاشا وکلاّ؛ ایسی بات نہیں ہے، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ نواب صاحب مقروض ہیں اور ہماری دعوت کر رہے ہیں، اب اگرچہ بگڑے ہوئے ہیں؛ لیکن ہیں تو نواب ہی نا! ('بگڑے ہوئے' کا مطلب یہ ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت میں رہنے کے بعد اگرچہ نوابی والی پوری شان باقی نہیں رہی، لیکن پھر بھی کچھ تو اثر ہے ہی) اس لیے کچھ تکلّفات بھی کریں گے، تو جن پیسوں کو وہ ہماری اس دعوت میں لگا رہے ہیں؛ ان سے اپنا قرض کیوں ادا نہیں کر

دیتے؟ قرض خواہوں کا حق ادا کرنے میں ٹال مٹول کیوں کر رہے ہیں؟ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا: مفتی صاحبؒ کی بات تو بالکل ٹھیک ہے، اب تو ہم بھی دعوت میں نہیں جائیں گے۔ کہاں تو یہ تھا کہ ان کو ڈانٹ رہے تھے اور اب خود ہی فرما رہے ہیں کہ ہم بھی دعوت میں نہیں جائیں گے۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ کسی آدمی پر قرضہ ہو اور اس کے پاس رقم موجود ہو تو پھر قرضہ کی ادائیگی میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

قرض اور دَین میں فرق

دیکھو! دو چیزیں الگ ہیں، ایک تو قرض کہلاتا ہے، اور دوسرا دَین کہلاتا ہے۔ قرض کا مطلب یہ ہے کسی کے پاس سے آپ نے نقد کچھ روپے اُدھار لیے، اور وعدہ کیا کہ میں ایک مہینہ کے بعد ادا کروں گا، تو قرض خواہ کو بھی چاہیے کہ وہ ایک مہینہ کا انتظار کرے، اس کے بعد مطالبہ کرے۔ لیکن اگر وہ ایک مہینہ کا انتظار کئے بغیر دوسرے ہی دن آ کر مطالبہ کرے کہ میرے پیسے لاؤ؛ تو اس کو مانگنے کا حق ہے۔ اور جو مہلت دی جا رہی ہے وہ قرض خواہ کی طرف سے ایک طرح کا احسان اور تبرّع ہے، اس پر مہلت دینا واجب نہیں ہے۔

اور دوسری چیز دَین ہے، اس میں یہ ہوتا ہے کہ آپ نے کسی دکاندار کے پاس سے کوئی مال اُدھار خریدا، اور معاملہ پہلے سے صاف کر لیا کہ ایک مہینہ کی اُدھاری پر میں تم سے یہ مال پانچ سو روپے میں خریدتا ہوں، تو یہ پانچ سو روپے شریعت کی اصطلاح میں ''قرض'' نہیں، بلکہ ''دَین'' ہے، اور اس میں مانگنے والے پر ایک مہینہ کی پابندی کرنا واجب ہے، اس سے پہلے وہ نہیں مانگ سکتا۔ اگر وہ مانگے تو اگرچہ اِس کے

جیب میں پیسے ہوں تب بھی یہ منع کر سکتا ہے کہ میں ابھی نہیں دیتا، جب وقت پورا ہوگا تب دوں گا۔ قرض اور دَین میں یہ فرق ہے۔

تنگ دست کو مہلت دیجئے

بہرحال! بات یہ تھی کہ کوئی آدمی تنگدستی کی وجہ سے ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا تو آپ کو چاہیے کہ اگرچہ وقت پورا ہو گیا ہے لیکن اور ذرا مہلت دیدو، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: ﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ اگر وہ تنگدست ہے تو اس کو خوش حالی آجانے تک مہلت دیدو۔ آپ مانگنے گئے تو اس نے کہا کہ میں نے کوشش کی کہ آپ کا قرض ادا کر دوں، اس کے لیے ہاتھ پیر بھی مارے؛ لیکن انتظام نہیں ہو سکا، اب مجھے کچھ اور مہلت دیدو، اور آپ کو بھی اس کی بات سن کر یقین ہو گیا کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے تو اب آپ کی شرافت کا تقاضہ یہ ہے اور اسلامی تعلیم بھی یہی ہے کہ آپ اس کو مہلت دیجئے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے جب اس کے پاس ہیں ہی نہیں تو آپ زبردستی کر کے کیا کر لیں گے؟ ہاں! اگر پیسہ ہونے کے باوجود ادا نہیں کرتا تو اس کا مسئلہ الگ ہے، حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مَطَلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ'' کسی کے پاس آپ کا قرض ادا کرنے کے لیے پیسے موجود ہیں اس کے باوجود ادا نہیں کرتا تو ادا نہ کرنا ظلم ہے۔ اس کا یہ ظلم صاحبِ حق کے لیے اس کی عزت و آبرو لینے کی اجازت دیتا ہے، یعنی مثلاً: لوگوں کے سامنے ذرا آواز سے چلّائے کہ میرے پیسے کیوں نہیں دیتا؟ کیا کھا جانے کا ارادہ ہے؟ اس طرح کے دو چار جملے بولنے کا اس کو حق ہے، تاکہ اس کی رسوائی ہو اور وہ قرض ادا کر دے، ایسا کرنے کا حق اس وقت ہے جب کہ اس کے پاس پیسے ہوں اور قرض ادا نہ کرے۔

یہ بھی یاد رکھئے

بلکہ ایک بات یہ بھی یاد رکھئے کہ اگر اس کے پاس پیسے ہیں اور نہیں دیتا تو قرض خواہ اس کی جیب میں سے زبردستی بھی لے سکتا ہے۔ دوسرا کوئی سامان ہو، جیسے: گھڑی یا اور کوئی چیز ہے تو نہیں لے سکتا، لیکن اگر پیسے ہوں تو زبردستی لے سکتا ہے، اگر چہ متأخرینِ فقہاءِ احناف نے اس کی بھی گنجائش دی ہے، لیکن اصل مسئلہ یہی ہے کہ آپ کا حق پیسے لینے کا ہے تو پیسے ہی لے سکتے ہیں اور کوئی چیز نہیں لے سکتے۔

ایک قدم آگے

تو بات یہ چل رہی تھی کہ ایک آدمی تنگدست ہے تو اس کو مہلت دو اور ادائیگی کے لیے موقع دو، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر فرمایا: ''والوضع عَنْهُ'' کچھ کم کردو اور معاف کردو، کچھ حصہ چھوڑ دو۔ جیسے: آپ نے دیکھا کہ دو چار مرتبہ میں اس کو مہلت دے چکا ہوں لیکن اس سے ادائیگی نہ ہو سکی اور اب اس کے پاس کچھ آنے کی امید بھی نہیں ہے، تو آپ نے کہا کہ: جاؤ بھائی! میں نے معاف کردیا۔ تو جہاں قرض دینے کی فضلیت ہے، وہیں اگر کوئی تنگدست ہو تو اس کو مہلت دینے کی بھی فضیلت ہے، اور اگر معاف کردو گے تو اس کی بھی بڑی فضیلت ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ تم جو بھی نیکی کا کام کرو گے اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اور جب وہ جانتا ہے تو آپ کو اس کا بدلہ ضرور دے گا۔ یہ سارے نیکی کے کام ہیں جو اوپر بتلائے گئے ہیں۔

یہ بڑی خطرناک چیز ہے

﴿وَیٰقَوْمِ أَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْیَآءَھُمْ﴾ حضرت شعیب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی، اس لیے کہ ان کی قوم میں یہ بیماری تھی کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، پورا ناپ کر اور پورا تول کر نہیں دیتے تھے، جس کو ہماری زبان میں ''ڈنڈی مارنا'' کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو نصیحت فرمائی کہ: اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا پورا دو، اور لوگوں کی چیزوں میں کمی مت کرو، ان کا حق پورا ادا کرو، کسی کے سامان میں جو کمی کی جاتی ہے یہ بڑی خطرناک چیز ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔

ہلاکت ہو ان لوگوں کے لئے

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ. الَّذِیْنَ إِذَا اکْتَالُوا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُونَ. وَإِذَا کَالُوھُمْ أَوْ وَّزَنُوھُمْ یُخْسِرُونَ. أَلَا یَظُنُّ أُولٰٓئِکَ أَنَّھُمْ مَبْعُوْثُوْنَ. لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ. یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ہلاکت ہو ان لوگوں کے لئے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے ناپ تول کر وصول کرتے ہیں تو پورا پورا وصول کرتے ہیں، اور کسی کو جب ناپ کر یا تول کر دینے کا وقت آتا ہے تو کم کر کے دیتے ہیں۔ اپنا حق پورا وصول کرتے ہیں، اور دوسروں کا حق کم کر کے دیتے ہیں۔ (باری تعالیٰ فرماتے ہیں:) کیا ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ایک بڑے دن کے لیے ان کو اُٹھنا ہے، یعنی موت کے بعد قیامت کے لئے ان کو اُٹھنا ہے

اور جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اس کا جواب دینا ہے۔ جس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جواب دہی کے لئے کھڑے ہوں گے۔

یہ بھی ڈنڈی مارنا ہی ہے

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے محدث اور ائمۂ فقہاء میں سے بڑے امام ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''اَلتَّطْفِيْفُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ'' تطفیف؛ ہر چیز میں ہوا کرتی ہے، مثلاً: ایک آدمی نوکری کرتا ہے اور اپنے سیٹھ سے تنخواہ پوری وصول کرتا ہے، لیکن کام پورا نہیں کرتا اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے؛ تو یہ بھی تطفیف اور ڈنڈی مارنا ہی ہے اس کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ یا جیسے: بیوی سے خدمت برابر لے رہے ہیں، اس کی ذمہ داریاں پوری پوری ادا کروا رہے ہیں، اور آپ پر بیوی کے جو حقوق ہیں وہ پورے ادا نہیں کرتے؛ تو یہ بھی تطفیف اور ڈنڈی مارنا ہی ہے۔ تمام حقوق کے اندر یہ قاعدہ جاری ہوتا ہے کہ سامنے والے سے آپ اپنا حق پورا وصول کرتے ہیں، لیکن اس کا حق پورا ادا نہیں کرتے، تو یہ تطفیف یعنی ڈنڈی مارنا ہی ہے۔

تم میں بہتر آدمی وہ ہے

۱۳۶۷:- عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَتَقَاضَاهُ فَأَغْلَظَ لَهُ، فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَقَالَ رسولُ الله ﷺ: ((دَعُوهُ، فَإِنَّ لِصَاحِبِ الحَقِّ مَقَالاً)) ثُمَّ قَالَ: ((أَعْطُوهُ سِنّاً مِثْلَ سِنِّهِ)) قالوا: يَارسولَ اللهِ، لانَجِدُ إِلاَّ أَمْثَلَ مِنْ سِنِّهِ، قَالَ: ((أَعْطُوهُ، فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً)) (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس آیا اور اپنا حق مانگا (دراصل حضورِ اکرم ﷺ نے اس کے پاس سے ایک جانور بطورِ قرض لیا تھا تو اس نے آکر کہا کہ میرا جانور لاؤ) اور بڑی سختی اور بے رخی کے ساتھ مطالبہ کیا (جب اس آدمی نے اپنا حق وصول کرنے کے لئے نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ ناروا سلوک کیا) تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو تنبیہ کرنے کا ارادہ کیا (گویا صحابہ اس کو ڈانٹنا چاہتے تھے کہ ایسی نازیبا حرکت کیوں کرتا ہے؟ جب حضورِ اکرم ﷺ نے محسوس کیا کہ یہ اپنا حق مانگنے میں میرے ساتھ جو سختی کر رہا ہے اس پر صحابہ کے تیور بدلے ہوئے ہیں) تو حضورِ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اس کو چھوڑ دو (یعنی اس کو کچھ مت کہنا وہ حق والا ہے اور) حق والے کو کچھ کہنے کا حق ہے (یعنی وہ مجھے ایسی سخت باتیں بول رہا ہے اس پر تمہیں چیں بہ جبیں ہونے اور پیشانی پر بل لانے کی ضرورت نہیں ہے، وہ حق والا ہے اور اپنا حق وصول کرنے آیا ہے۔ ہمارے یہاں اگر کوئی ایسا کہے تو اس کا حق تو اپنی جگہ پر رہے گا، ہم خود ہی آستین چڑھا کر اس کو نمٹا دیں گے) پھر حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کا جانور جتنی عمر کا تھا اتنی عمر کا جانور اس کو دیدو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کا آپ پر جتنی عمر کا جانور نکلتا ہے، اس عمر کا جانور ہمارے پاس نہیں ہے، بلکہ اس سے بڑی عمر کا اور زیادہ قیمتی جانور ہے۔ تو حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے وہی دیدو، اس لئے کہ تم میں بہتر آدمی وہ ہے کہ جو ادائیگی کے معاملہ میں بھی اچھا ہو۔

افادات:- اس کا جتنا حق تھا آپ اس سے بہتر چیز کسی شرط کے بغیر لوٹائیں تو پسندیدہ عمل ہے، مثلاً: اس کو سو روپے ہی لوٹانے ہیں اور وہ بھی سو روپے ہی کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن آپ سو کے بدلہ میں ایک سو دس لوٹاتے ہیں؛ تو یہ سود میں شمار نہیں ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے سے زیادہ دینے کی شرط بھی نہیں ہونی چاہیے اور اس کا رواج

بھی نہیں ہونا چاہیے، اگر رواج اور (Wiiri) بن گیا ہے تو وہ شرط کے حکم میں ہے اور اس صورت میں جو زیادتی ہوگی وہ سود کہلائے گا۔

اللہ تعالیٰ رحم کرے اس آدمی پر

۱۳۶۸:- وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: رَحِمَ اللهُ رَجُلاً سَمْحاً إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ رحم کرے اس آدمی پر جو بڑا نرم خو ہے، جب کوئی چیز بیچتا ہے تب بھی، اور جب کوئی چیز خریدتا ہے تب بھی، اور جب کسی سے اپنا حق وصول کرتا ہے تب بھی۔

افادات:- کسی چیز کے بیچنے کے معاملہ میں، خریدنے کے معاملہ میں، حق وصول کرنے کے معاملہ میں اس کی طبیعت میں اکھڑ پن نہیں ہے؛ بلکہ اس کی طبیعت میں نرمی ہے، اور لوگوں کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرتا ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کے اوپر رحم کرے۔ یہ دعائیہ جملہ ہے کہ گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لئے دعا فرماتے ہیں۔

یا خبریہ جملہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرتے ہیں۔ دونوں مطلب اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔

قیامت کی تکلیفوں سے نجات

۱۳۶۹:- وعن أبي قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ الله ﷺ يقول: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنَجِّيَهُ اللهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ. أَوْ يَضَعْ

عَنْہُ.(رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکلیفوں سے نجات دے؛ تو اس کو چاہیے کہ تنگدست کے اوپر آسانی کرے، یا اس کے قرض کو معاف ہی کردے۔

افادات:- یعنی اگر کسی کے اوپر تمہارا حق نکلتا ہے، اور وہ تمہارا حق ادا کرنے سے قاصر ہے، تنگدستی کی وجہ سے اس میں طاقت نہیں ہے، تو آپ اس کو مہلت دیجیے، یا معاف ہی کر دیجئے۔ اگر آپ ایسا معاملہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں کو تمہارے لئے آسان کر دیں گے اور اس سے تم کو نجات دیدیں گے۔

یہ تو بہت بڑا وعدہ ہے، اس لیے اگر کوئی آدمی اسی نیت سے ایسا معاملہ کرلے گا تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان شاء اللہ وہی معاملہ کیا جائے گا۔

ہم بھی تجھے چھوڑ دیتے ہیں

۱۳۷۰:- وعن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنَّ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ، وَكَانَ يَقُولُ لِفَتَاهُ: إِذَا أَتَيْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ، لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا، فَلَقِيَ اللهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی لوگوں کو ادھار مال دیتا تھا اور اس نے اپنے کارندے اور ملازم سے کہہ رکھا تھا کہ جب تم حق وصول کرنے کے لئے کسی کے پاس جاؤ اور وہ تنگدست ہو تو اس کو معاف کر دینا، شاید اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس کی برکت سے معاف کردے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جب اس آدمی کا انتقال ہوا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی چھوڑ دیا (کہ تو لوگوں کو

چھوڑ دیتا تھا؛ جا! ہم بھی تجھے چھوڑ دیتے ہیں)۔

۱۳۷۱:-وعن أبي مسعود البدريؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: حُوسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ شَيْءٌ، إِلاَّ أَنَّهُ كَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَكَانَ مُوسِراً، وَكَانَ يَأْمُرُ غِلْمَانَهُ أَنْ يَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُعْسِرِ. قال اللہ- عزوجل-: نَحْنُ أَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْهُ، تَجَاوَزُوا عَنْهُ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں کا ایک آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور میں حساب کے لئے پیش کیا گیا۔ اس نے کوئی نیکی نہیں کی تھی البتہ اتنا تھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ گھلا ملا رہتا تھا، اور خوش حال آدمی تھا، لوگوں کو اُدھار مال دیتا تھا، اور اس نے اپنے کارندوں اور اسٹاف سے کہہ رکھا تھا کہ جو آدمی تنگدست ہو اس کو چھوڑ دینا، اس سے مطالبہ مت کرنا۔ جب وہ آدمی اللہ کے حضور پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب یہ ایک انسان ہو کر اپنے ہم جنس تنگ دستوں کو چھوڑ دیتا تھا تو ہم تو ایسا معاملہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں۔ فرشتوں سے کہا: اس کو چھوڑ دو (دیکھو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنا آسانی والا معاملہ ہوا!)۔

تاجر کیسے نجات حاصل کرے؟

۱۳۷۲:-وعن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أُتِيَ اللهُ تَعَالَى بِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِهِ آتَاهُ اللهُ مَالاً، فَقَالَ لَهُ: مَاذَا عَمِلْتَ فِي الدُّنْيَا؟ قَالَ: ((وَلاَ يَكْتُمُونَ اللهَ حَدِيثاً)) قَالَ: يَارَبِّ آتَيْتَنِي مَالَكَ، فَكُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ، وَكَانَ مِنْ خُلُقِي الْجَوَازُ، فَكُنْتُ أَتَيَسَّرُ عَلَى الْمُوسِرِ، وَأُنْظِرُ الْمُعْسِرَ. فَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ((أَنَا أَحَقُّ بِذَا مِنْكَ تَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي)) فَقَالَ عُقْبَةُ بن عامر، وأبو مسعود الأنصاريؓ رضی اللہ عنہما:

هٰكَذَا سَمِعْنَاهُ مِنْ فِي رَسُولِ اللهِ ﷺ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور ایک ایسے بندہ کو لایا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دے رکھا تھا، باری تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا جائے گا: دنیا میں تو نے کیا کارنامہ انجام دیا؟ راوی کہتے ہیں کہ بندے اللہ تعالیٰ کے حضور کسی بات کو چھپا تو نہیں سکیں گے (اس لیے کہ وہ تو عالم الغیب ہے، چھپی ہوئی باتوں کو بھی جاننے والا ہے، ہر چیز اس کے علم میں ہے) چناں چہ وہ بندہ باری تعالیٰ سے عرض کرے گا: باری تعالیٰ! آپ نے مجھے مال دیا تھا، جب میں لوگوں سے خرید وفروخت کرتا تھا تو میرا طریقہ یہ تھا کہ سب سے درگذر کرتا تھا، اگر کوئی آدمی خوش حال ہوتا جو میرا حق ادا کرنے پر قادر ہوتا تو اس کے ساتھ بھی میں آسانی کرتا تھا (کہ کچھ چھوڑ دیتا تھا کہ اتنی قیمت ہوتی ہے چلو! آپ اتنی ہی قیمت دیدو، ڈسکاؤنٹ (Discount) دیدیتا تھا) اور جس کے اوپر میرا حق ہوتا وہ اگر تنگدست ہوتا تھا، اور تنگدستی کی وجہ سے ادا نہیں کرسکتا تھا، یا اس کے پاس اس وقت گنجائش نہیں ہوتی؛ تو میں اس کو مہلت دیدیتا تھا (کہ اگر ابھی نہیں ہے تو کوئی بات نہیں، جب آئے تب دیدینا، یہی میرا طریقۂ کار تھا، اس کی بات سن کر) باری تعالیٰ فرمائیں گے: (جب تو بندہ ہوکر یہ معاملہ کرتا تھا، تو میں تو مالک الملک ہوں) اس طرح کا سلوک کرنے کا تیرے مقابلہ میں مَیں زیادہ حقدار ہوں۔ چناں چہ باری تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے: میرے اس بندے سے درگذر کرو۔ جس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ روایت بیان کی، وہاں دوسرے دو صحابی حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، ان دونوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے جب یہ روایت سنی تو دونوں حضرات فرمانے لگے: ہم نے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ ارشاد سنا ہے (گویا تین تین صحابی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے اس واقعہ کو بیان فرمارہے ہیں)۔

افادات:- اس لیے اگر آپ تجارت اور کاروبار کر رہے ہیں تو یہ نہ سوچئے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیسے حاصل کرسکتا ہوں اورنجات کیسے پا سکتا ہوں، مجھے تو عبادت کرنے، تسبیحات پڑھنے، تلاوت کرنے اور دیگر نفلی کام کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آدمی اس راستہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرسکتا ہے اور اپنے آپ کو آخرت میں نجات دلا سکتا ہے۔ بہت آسان طریقہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ آپ اپنے کاروبار میں اگر یہ روش اپنا لیں کہ جن کے ساتھ آپ کا معاملہ پڑتا ہے ان کی پکڑ دھکڑ نہ کریں، تو اس صورت میں آپ بھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ساتھ بھی درگذر کا معاملہ کیا جائے گا۔ آپ اپنی اسی تجارت کی لائن سے یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔

عرش کا سایہ ایسے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے

۱۳۷۳:- وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْوَضَعَ لَهُ أَظَلَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی آدمی کا کسی تنگدست کے ساتھ لین دین اور خرید وفروخت کا معاملہ پڑا (جس کے پاس اس وقت حق ادا کرنے کی طاقت اور سکت نہیں تھی) تو اس نے اس کو مہلت دی (کہ اچھا! جب تمہارے پاس پیسے آجائیں تب ادا کر دینا) یا پھر اس نے اس میں سے کچھ معاف کر دیا؛ تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز اپنے عرش کے سائے میں جگہ دیں گے جب کہ اس کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

افادات:- ایک روایت میں آتا ہے کہ سات آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ

اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا جس وقت اللہ کے عرش کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، اُس روایت میں سات کا تذکرہ ہے۔ یہاں ایک اورآدمی کا تذکرہ ہے جو کاروبار میں رہتے ہوئے بھی آسانی کے ساتھ یہ فضیلت حاصل کرسکتا ہے۔آپ اس طرح کی روش اپنالیں کہ جولوگ تنگدست ہیں ان کے ساتھ درگزر سے کام لیں، یا کچھ چھوڑ چھاڑ دیں؛ تو اللہ تعالیٰ اس صورت میں آپ کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا۔کتنا آسان طریقہ ہے!

کچھ جھکتا ہوا دیجیے

۱۳۷۴:- وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ **أَنَّ النبيَّ** ﷺ **، اشْتَرَى مِنْهُ بَعِيراً [بِوُقِيَّتَيْنِ وَدِرْهَمٍ أَوْ دِرْهَمَيْنِ] فَوَزَنَ لَهُ، فَأَرْجَحَ.** (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ایک اونٹ دواوُقیہ اور ایک درہم ، یادودرہم میں خریدا (جب ان کی ادائیگی کا وقت آیا اور) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان درہموں کا وزن کروایا تو جھکتا ہوا تلوایا۔

افادات:- ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے،تو دو اوقیہ یعنی اسّی درہم ہوئے اور ایک درہم یعنی اکیاسی (۸۱) یا دو درہم یعنی بیاسی (۸۲) درہم ہوئے۔اور اس زمانہ میں درہم یعنی چاندی کا سکہ ہوتا تھا، اس کو تول کر وزن کر کے ادا کیا جاتا تھا۔

اس روایت کو پیش کر کے یہ تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ جب آپ کسی کو کوئی چیز بیچ رہے ہوں تو بالکل کٹوکٹ والی بات نہیں ہونی چاہیے، بلکہ کچھ جھکتا ہوا دیجیے، اسی میں اللہ تعالیٰ نے خیر وبرکت رکھی ہے، اور یہ فضیلت کی چیز ہے۔ ہماری شریعت ہمیں اس لائن سے بھی ایسی تعلیم دیتی ہے کہ معاملات کے اندر حسنِ سلوک اور اچھے اخلاق کا

مظاہرہ کرنا چاہیے۔

جھکتا ہوا تولو

۱۳۷۵:- وعن أَبي صَفْوَان سُوَيْدِ بنِ قيسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: جَلَبْتُ أَنَا وَمَخْرَمَةُ العَبْدِيُّ بَزًّا مِنْ هَجَرَ، فَجَاءنا النبيُّ ﷺ، فَسَاوَمَنَا بسَرَاوِيلَ، وَعِنْدِي وَزَّانٌ يَزِنُ بِالأجْرِ، فَقَالَ النَّبيُّ ﷺ لِلْوَزَّانِ: زِنْ وَأَرْجِحْ.

(رواه أبو داود، والترمذي وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابوصفوان سوید بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور مخرمہ عَبدِی (یہ بھی ایک صحابی ہیں) ہَجر (جو یمن میں ایک مقام کا نام ہے، وہاں) سے کپڑا لائے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور پائجاموں کا سودا کیا (یعنی وہ کپڑا ہم سے خریدا) اور اس کی قیمت طے کی۔ اس وقت میرے پاس ایک تولنے والا آدمی موجود تھا (اس زمانے میں دراہم وغیرہ تولنے کے لئے مستقل آدمی ہوا کرتے تھے جو کانٹا لے کر گھومتے رہتے تھے، لوگ ان سے تلواتے تھے اور اس کی اجرت ادا کر دیتے تھے) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس تولنے والے کو ہدایت فرمائی: تولو اور جھکتا ہوا تولو۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ آدمی تولنے میں یہی طریقہ اختیار کرے کہ ذرا سا پلڑا جھکا ہوا ہو، تاکہ حق پورے طور پر ادا ہو سکے۔

کتاب اللباس (حدیث کے اصلاحی مضامین، جلد: ۱۰) میں بتلایا تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پائجامہ خریدنا ثابت ہے، لیکن پہننے کے سلسلہ میں علماء کی دو رائیں ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نے خریدا تو پہنا بھی ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خریدا تو ہے لیکن پہننا ثابت نہیں ہے۔

كتاب العلم

باب فضل العلم

تعلماً وتعليماً لله

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡماً.

قَالَ تَعَالٰی: قُلۡ ھَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَایَعۡلَمُوۡنَ

وَقَالَ تَعَالٰی: یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَالَّذِیۡنَ أُوتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجَاتٍ

وقَالَ تَعَالٰی: اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمَاءُ

یہاں سے علم کی فضیلت بیان کرتے ہیں، اس سلسلہ میں قرآنِ پاک کی چند آیتیں اور احادیث پیش کرتے ہیں۔ ویسے علم کے فضائل کے سلسلہ میں احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ بعض حضرات نے تو اس پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں ان ساری حدیثوں کو جمع کیا ہے۔

میرے علم میں زیادتی فرما

﴿وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡماً﴾ اے نبی! آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہیے کہ اے میرے رب! میرے علم میں زیادتی فرما۔

دیکھئے! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو علم کے سب سے اونچے مقام پر فائز تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم کے جس مقام پر فائز تھے پوری انسانیت میں کسی اور کے لئے اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ چناں چہ ایک روایت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”أُوۡتِیۡتُ عِلۡمَ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡآخِرِیۡنَ“ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگلوں اور پچھلوں سب کا علم دیا گیا ہوں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تاکید کی جارہی ہے کہ: اے نبی! آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہیے کہ اے اللہ! مجھے علم میں ترقی عطا فرما اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ گویا جو علم آپ کے پاس پہلے سے موجود ہے

اس پر قناعت نہ کریں۔ معلوم ہوا کہ علم ایک ایسی صفت ہے جس کے بارے میں کسی ایک درجہ اور مقام پر قناعت نہیں ہونی چاہیے، بلکہ آدمی اس میں ترقی اور اضافہ کرتا ہی رہے، اسی لیے ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ علم حاصل کرنے کی مدت ''مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْدِ'' گہوارے سے لے کر قبر میں پہنچنے تک کی ہے، یعنی آدمی پیدا ہو وہاں سے لے کر موت تک علم کے حصول کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے، کسی مقام پر پہنچ کر آدمی یہ نہ سمجھے کہ اب مَیں علم کے حصول سے فارغ ہو گیا ہوں، بلکہ یہ سلسلہ اخیر تک جاری رہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

ہمارے اکابر میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں وہ فرماتے تھے کہ: جوں جوں عمر بڑھتی جارہی ہے توں توں اپنی جہالت کا احساس بھی بڑھتا جارہا ہے۔ جب آدمی کے علم میں نئی نئی چیزیں آتی ہیں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ وہ چیز ہے جس کو میں اب تک نہیں جانتا تھا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آدمی کی مجہولات کی تعداد اس کی معلومات کے مقابلہ میں زیادہ ہی ہے۔ کوئی آدمی چاہے کتنا ہی زیادہ علم حاصل کر لے لیکن جو چیزیں نہیں جانتا وہ جانی ہوئی چیزوں کے مقابلہ میں زیادہ ہی ہوا کرتی ہیں۔

جاننے والوں کی ذمہ داری زیادہ ہے

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ جو جاننے والے ہیں اور جو نہیں جانتے؛ کیا برابر ہو سکتے ہیں۔ یعنی مقام، درجہ، فضیلت اور اجر و ثواب کے اعتبار سے دونوں برابر نہیں ہو سکتے؟ ظاہر ہے کہ جاننے والوں کا مقام، درجہ اور فضیلت نہ جاننے والوں کے مقابلہ

میں زیادہ ہے۔اور بعضوں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ذمہ داری اور فرائض منصبی کے اعتبار سے جاننے والوں کی ذمہ داریاں نہ جاننے والوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ تم میں سے وہ لوگ جو ایمان والے ہیں اور ساتھ ہی ان کو علم بھی دیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس علم کی وجہ سے ان کے درجات بلند فرمائیں گے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں علماء ہیں۔آدمی کا علم جتنا زیادہ ہوگا اسی مقدار میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت وڈر بھی اس میں بڑھا ہوا ہوگا۔اسی لئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: مَیں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خشیت بھی اتنا ہی زیادہ رکھنے والا ہوں۔جتنی علم میں زیادتی ہوگی اتنی ہی خشیت بھی زیادہ ہوگی، جیسے: بادشاہ کے قریب رہنے والا وزیر چوں کہ بادشاہ کے کمالات سے زیادہ واقف ہوتا ہے تو اس کو ڈر بھی دوسروں کے مقابلہ میں اسی مناسبت سے زیادہ ہوتا ہے۔بچہ سامنے والے کسی بڑے کی خوبیوں سے اتنا ہی بے فکر اور نڈر ہوتا ہے، لیکن جتنا بڑا ہوتا جاتا ہے اتنے ہی کمالات اور خوبیاں اس کے علم میں آتی جاتی ہے تو پھر ڈر بھی اسی مناسبت سے بڑھتا جاتا ہے۔

جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ ہوتا ہے

۱۳۷۶:-وعن معاوية-رضي الله عنه-قال: قال رسول الله ﷺ: ((مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ)). (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:-حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین میں سمجھ عطا فرماتے ہیں (گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو دین کا علم اور دین کا فہم دیا گیا یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے)۔

حسد جائز نہیں؛ مگر دو باتوں میں

۱۳۷۷:-وعن ابن مسعود-رضی اللہ عنہ-، قَالَ: قَالَ رسول اللہ ﷺ: ((لاحَسَدَ إِلاَّ فی اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً، فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الحِكْمَةَ، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا)). (متفقٌ عَلَيْهِ) والمراد بالحسدِ: الغِبْطَةُ، وَهُوَ أنْ يَتَمَنَّى مِثله.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسد جائز اور درست نہیں؛ مگر دو باتوں میں (حالاں کہ حسد تو حرام ہے لیکن دو طرح کے آدمیوں پر حسد کر سکتے ہیں) ایک آدمی تو وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا، پھر اس کو مال صحیح جگہ پر خرچ کرنے کی توفیق بھی دی۔ دوسرا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت (علم) عطا فرمایا اور وہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلے کرتا ہے، اور لوگوں کو بھی سکھلاتا ہے۔

حسد اور غبطہ کا مطلب

افادات:- حسد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی کو کوئی نعمت عطا فرمائی جس کو دیکھ کر دوسرا آدمی یہ تمنا کرے کہ یہ نعمت اس کے پاس سے چھن جائے؛ اس کا نام حسد ہے، اور یہ تو حرام ہے۔ لیکن یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ دو موقعوں پر حسد کی اجازت ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہاں حسد بول کر حقیقۃً حسد مراد

نہیں ہے، بلکہ ''غبطہ'' مراد ہے جس کو اردو میں ''رشک'' کہتے ہیں، اور رشک کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی کے پاس کوئی نعمت ہو اس کو دیکھ کر دوسرا آدمی اسی جیسی نعمت کی تمنا تو کرے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس سے چھن جانے کی تمنا نہ کرے، بلکہ یہ تمنا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو اس کے پاس باقی رکھتے ہوئے مجھے بھی اس جیسی نعمت عطا فرمائے، تو کسی کی کوئی نعمت دیکھ کر اسی جیسی نعمت خود کو بھی حاصل ہو ایسی تمنا کرنے کا نام غبطہ ہے

رشک کی چیز صرف مال نہیں

لفظ ''سَلَّطَهُ'' کا معنیٰ یہ ہے کہ مال اس کے دل و دماغ پر قابو اور کنٹرول کئے ہوئے نہیں ہے، بلکہ وہ خود مال کے اوپر کنٹرول کئے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ جو آدمی بخیل ہوتا ہے اس کے دل و دماغ پر مال قبضہ جما لیتا ہے، اور وہ خرچ ہونے ہی نہیں دیتا، لیکن یہاں وہ آدمی مال پر پورے طور پر کنٹرول کئے ہوئے ہے، جب خرچ کرنے کا موقعہ آتا ہے تو یہ بلا کسی تردّد کے خرچ کر دیتا ہے۔ تو دراصل یہاں رشک کی چیز صرف مال نہیں ہے بلکہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی جگہوں پر خرچ کرنے کی توفیق دیا جانا ہے۔ یہ دونوں چیزیں جمع ہوں تب تو رشک کی چیز ہے۔ ورنہ اگر صرف مال ہے اور وہ خرچ نہیں کرتا، یا غلط جگہوں پر خرچ کرتا ہے؛ تو یہ غبطہ اور رشک کی چیز نہیں ہے۔

......صرف علم بھی نہیں

دوسرا آدمی وہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا، وہ اس علم کے ذریعہ لوگوں کو اس طرح فائدہ پہنچا رہا ہے کہ لوگوں کے نزاعات اور ان کے جھگڑوں کا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ وہ علم دوسروں کو سکھلاتا بھی

ہے؛تو ایسا آدمی قابلِ رشک ہے۔ایسے آدمی کو دیکھ کر یہ تمنا کی جاسکتی کہ اے اللہ! تو مجھے بھی ایسا علم عطا فرما، اور مجھے توفیق عطا فرما کہ اس علم کے ذریعہ تیرے حکم کے مطابق لوگوں کے نزاعات کے فیصلے کروں، اور دوسرے لوگوں کو بھی علم سکھلاؤں۔تو گویا یہ دو آدمی اس قابل ہیں کہ ان کے اوپر رشک کیا جائے۔

ہدایت وعلم سے فائدہ اُٹھانے والے

۱۳۷۸:-وعن أبي موسى-رضي الله عنه-قَالَ: قَالَ النبيُّ ﷺ: ((مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ مِنَ الهُدىٰ وَالعِلْمِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَصَابَ أَرْضاً؛ فَكَانَتْ مِنْها طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ قَبِلَتِ المَاءَ فَأَنْبَتَتِ الكَلأَ، وَالعُشْبَ الكَثِيرَ، وَكَانَ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ المَاءَ، فَنَفَعَ اللهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا مِنْهَا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا، وَأَصَابَ طَائِفَةً مِنْهَا أُخْرَى إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ؛ لا تُمْسِكُ مَاءً وَلاَ تُنْبِتُ كلأً، فَذلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللهِ، وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ، فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذلِكَ رَأْساً، وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال بارش کی ہے جو آسمان سے کسی زمین پر برسی، اس زمین کا ایک حصہ تو وہ ہے جس نے اس پانی کو اپنے اندر جذب کر لیا، پھر اس پانی کی وجہ سے اس زمین نے گھاس اور سبزہ اُگایا (یعنی پانی کو اپنے اندر جذب کر کے لوگوں کو فائدہ پہنچایا کہ خوب سبزہ ہوا اور اس سے کھیتی باڑی میں پیداوار ہوئی)۔

دوسری زمین بالکل سخت ہے جس نے پانی کو اپنے اندر جذب تو نہیں کیا لیکن وہ پانی بہہ کر ختم بھی نہیں ہوگیا، بلکہ پانی کو اپنے اندر روک لیا، محفوظ اور (Reserved) کرلیا (وہ زمین

زرخیز نہیں ہے، لیکن پانی کو اپنے اندر محفوظ رکھنے کی صلاحیت اس کے اندر ہے) تو اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے ذریعہ سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا کہ لوگ وہاں سے پانی حاصل کر کے اپنے جانوروں کو پلانے اور کھیتیوں کو سیراب کرنے کی ضرورت پوری کرتے ہیں (یہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے، اگرچہ اس نے خود تو فائدہ نہیں اٹھایا لیکن دوسروں کو فائدہ پہنچایا)۔

تیسری زمین بالکل چٹیل میدان ہے، وہاں ایسے گڑھے بھی نہیں ہیں جہاں پانی رُکا ہوا رہتا ہو، بالکل ہموار زمین ہے کہ جیسے ہی پانی گرتا ہے فوراً بہہ جاتا ہے (تو نہ خود اس زمین نے پانی اپنے اندر جذب کر کے سبزہ وغیرہ اُگایا، اور نہ اس کو اپنے اندر محفوظ رکھا، گویا خود بھی فائدہ نہیں اٹھایا اور دوسروں کو فائدہ اُٹھانے کے لئے اپنے پاس جمع بھی نہیں رکھا بلکہ بالکل ضائع کر دیا)۔

حضورِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں: یہی مثال ہے اس آدمی کی جس نے اللہ تعالیٰ کے دین میں سمجھ حاصل کی، اور جو علم اور ہدایت دے کر مجھے بھیجا گیا ہے اس سے خود بھی فائدہ اٹھایا کہ خود سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھلایا (یہ تو پہلی قسم ہے)۔

دوسرا آدمی وہ ہے کہ میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم لوگوں کی طرف بھیجا ہے اس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، نہ اس کو حاصل کیا اور نہ اپنے پاس محفوظ کیا۔ نہ خود فائدہ اٹھایا، نہ دوسروں کے لئے فائدہ کا ذریعہ بنا (وہ تیسری زمین کی طرح ہے)۔

افادات:- اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کے ذریعہ ہدایت اور علم کی یہ نعمتیں جو ہمارے پاس بھیجی ہیں ان کے ساتھ لوگوں کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا بارش کے ساتھ زمین کا ہوتا ہے۔ پہلی زمین جس نے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا، وہ آدمی ہے جو علم حاصل کرنے کے بعد خود بھی عمل کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے، گویا خود بھی فائدہ حاصل کر رہا ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا رہا ہے۔

دوسری زمین جس نے خود تو فائدہ نہیں اُٹھایا لیکن وہاں پانی جمع رہتا ہے، جیسے: تالاب اور بڑے بڑے گھاٹ ہوتے ہیں، وہ آدمی ہے جو علم حاصل کرنے بعد عمل تو نہیں کرتا لیکن دوسروں کو پہنچاتا ہے، تو اس سے بھی دوسروں کو کچھ نہ کچھ فائدہ تو ملا۔

اور تیسری زمین بالکل ہموار میدان ہے جو اپنے اندر پانی کو روکے رکھنے کی بھی طاقت نہیں رکھتی، نہ اپنے اندر پانی روکے رکھتی ہے، نہ سبزہ اُگانے کی اس میں صلاحیت ہے۔

ایک آدمی کی ہدایت کا ذریعہ بن جاؤ

۱۳۷۹:-وعن سهل بن سعد-رضی الله عنه-: أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِعَلِيٍّ-رضی الله عنه-: ((فَوَاللهِ! لأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِداً خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ)). (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو بھی سیدھا راستہ بتلادیں، تم کسی ایک آدمی کے لئے بھی ہدایت کا ذریعہ بن جاؤ؛ تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

غزوۂ خیبر کا کچھ حال

افادات:- نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد غزوۂ خیبر کے موقعہ پر فرمایا تھا۔ قصہ یہ پیش آیا تھا کہ پہلے روز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھنڈا دے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انھوں نے اپنے بہادری کے جوہر دکھلائے، لیکن قلعہ فتح نہیں ہوا۔ دوسرے روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا، لیکن قلعہ فتح نہیں ہوا۔ اگلے روز کے متعلق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: کل میں ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ چناں چہ دوسرے دن صحابہ اس انتظار میں تھے کہ کس کی قسمت کھلتی ہے، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے کس کو بلایا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس موقعہ پر بعض حضرات سامنے بھی آرہے تھے، جیسا کہ ایسے موقعوں پر جب کسی بڑے کی طرف سے کوئی چیز دی جانے والی ہو تو سب اپنا سر اونچا کرتے ہیں کہ شاید ہماری طرف توجہ ہو اور ہمارا نمبر لگ جائے۔

خیر! حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پوچھا: علی کہاں ہیں؟ دراصل اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آشوبِ چشم کی شکایت تھی (جس کو ہم ''آنکھ آنا'' کہتے ہیں) وہ وہاں موجود نہیں تھے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بتلایا گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کو بلاؤ۔ وہ بلائے گئے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا لعابِ دہن ان کی آنکھوں میں لگایا جس کی وجہ سے ان کی آنکھیں فوراً ٹھیک ہوگئیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر زندگی بھر کبھی مجھے آشوبِ چشم کی شکایت نہیں ہوئی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو جھنڈا دیا کہ مقابلہ کے لیے جاؤ۔ اس وقت انہوں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آئے اس کو قتل کر دوں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! بلکہ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ اسلام اور ایمان قبول کر لیتے ہیں تو پھر ان کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ہمیں حاصل ہیں، اور ان کی بھی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو ہماری ہیں، اور ان کی جان و مال کی اسی طرح حفاظت کی جائے گی جیسی ہماری جان و مال کی کی جاتی ہے۔ اور اگر وہ انکار کریں تو پھر ان سے جزیہ کا مطالبہ کرنا، اور اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر ان کا مقابلہ کرنا اور ان سے لڑنا۔

اسی موقعہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو بھی سیدھا راستہ بتلادیں اور تم کسی ایک آدمی کے لئے بھی ہدایت کا ذریعہ بن جاؤ یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ عرب میں سرخ اونٹ سب سے عمدہ مال سمجھا جاتا تھا، اگر کسی کے پاس ہوتے تو وہ اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت اور صاحبِ ثروت سمجھتا تھا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر آپ کے ذریعہ کسی کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیدیں، تم کسی کی ہدایت اور راہِ راست پر آنے کا ذریعہ بن جاؤ؛ تو یہ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔

ظاہر ہے کہ کوئی آدمی کسی کے لئے ہدایت کا ذریعہ اسی وقت بنے گا جب کہ پہلے ہدایت کا علم اسے بھی حاصل ہو۔ گویا علم ہی کی برکت سے یہ چیز آدمی کو حاصل ہوسکتی ہے، اس مناسبت سے یہ روایت یہاں پیش کی ہے۔

دین کی ایک بات بھی دوسروں تک پہنچاؤ

۱۳۸۰:- عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری طرف سے لوگوں کو پہنچاؤ، چاہے وہ ایک آیت ہی ہو۔ اور بنو اسرائیل کی طرف سے جو باتیں تم تک پہنچتی ہیں ان کو بھی بیان کرسکتے ہو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں اور جو آدمی جان بوجھ کر میرے اوپر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم کے اندر بنالے۔

افادات:- اگر کسی نے ایک آیت سنی ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ ایک آیت ہی

تو ہے، اس کا لوگوں کے سامنے کیا اظہار کرنا؟ ایسا نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ جس کو دین کا جتنا بھی علم پہنچا ہو وہ اس کو دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے پاس دین کا جتنا بھی صحیح علم آجائے اس پر یہ فریضہ عائد ہوجاتا ہے کہ اس علم کو دوسروں تک پہنچائے۔ اسی لئے حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبیٔ کریم ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں آپ نے یہی فرمایا تھا: ''فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ'' جو لوگ موجود ہیں اور میری ان باتوں کو سن رہے ہیں وہ ایسے لوگوں تک یہ باتیں پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، جن تک یہ باتیں نہیں پہنچی ہیں۔ یہاں پر ''وَلَوْ آيَةً'' کہہ کر یہی بتلانا مقصود ہے کہ دین کا چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی اگر کسی کے علم میں ہے تو اتنے علم کی بنیاد پر اس پر اتنی ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے کہ وہ بھی دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام کرے۔

اسرائیلیات بیان کرنے کا حکم

''وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ'' بنو اسرائیل کی طرف سے جو باتیں پہنچتی ہیں ان کی نوعیتیں مختلف ہیں، اگر وہ مسائل اور شرعی حکم سے تعلق رکھنے والی بات ہے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو نبیٔ کریم ﷺ جو چیزیں لے کر آئے اور آپ پر جو وحی نازل ہوئی اور آپ نے جو ارشادات فرمائے ان کے ذریعہ سے اس بات کی تائید ہوگی، یا تردید ہوگی۔ اگر تردید ہوتی ہو تو پھر ظاہر ہے کہ اس کو بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں، الّا یہ کہ کوئی آدمی تردید کے طور پر اس کو بیان کرے کہ قرآنِ کریم کی فلاں آیت سے یا حضور ﷺ کے فلاں ارشاد سے اس کی تردید ہورہی ہے، اس لئے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ اور اگر تائید ہوتی ہے تو پھر قرآنِ پاک کی وہ آیت یا حضور ﷺ کا وہ ارشاد ہی کافی ہے، لہٰذا اس کو بیان کرنے کی کیا ضرورت رہی؟ حضور ﷺ کے

پاک ارشادات ہی ان چیزوں سے بہت بڑھ کر ہیں۔

اوران کا کوئی قصہ اور عبرت کی بات جس کو سن کر آدمی کچھ نہ کچھ نصیحت حاصل کرسکتا ہے اس کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر شریعت کے کسی حکم سے ٹکراتی نہ ہو۔ چوں کہ بنی اسرائیل کا لمبا زمانہ گزرا ہے اوران کے بہت سارے واقعات احادیث میں بھی آتے ہیں، اس زمانہ کے کچھ حالات وواقعات اوران کے نیک لوگوں کے قصّے اوران کی عبرت کی باتیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی نقل کی جاتی ہیں، تو اس نوع کی باتیں اگران سے بھی براہِ راست ملی ہیں اوراس قصہ کے ذریعہ کوئی عبرت حاصل ہوتی ہے، سبق ملتا ہے، یا نصیحت حاصل ہوتی ہے اوراس کو بیان کرنے سے شریعت کے کسی حکم پر کوئی زد بھی نہیں پڑتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو بیان کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

ہاں! احکام سے تعلق رکھنے والی چیز کو بیان کرنے کی اجازت نہیں۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تورات کے چند اوراق لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ تورات کے اوراق ہیں، یہ کہہ کر فوراً پڑھنا شروع کر دیا۔ اب وہ تو اندر دیکھ کر پڑھنے میں مشغول تھے، ادھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے، لیکن چوں کہ وہ تو پڑھنے میں مشغول تھے اس لیے ان کو پتہ ہی نہیں تھا کہ حضور کی کیا کیفیت ہو رہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ منظر دیکھ رہے تھے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو متنبہ کیا: ''ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا عُمَر، أَلَا تَرٰى مَا بِوَجْهِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم'' اے عمر! تمہاری ماں تمہیں روئے، تم دیکھتے نہیں کہ ناراضگی کی وجہ سے حضورِ

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا کیا حال ہو رہا ہے؟ تب انہوں نے اُدھر سے رُخ ہٹا کر دیکھا تو ناراضگی کے آثار کو محسوس کیا، فوراً معافی مانگتے ہوئے کہنے لگے: ''نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِہٖ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ، رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْناً وَبِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم نَبِیًّا وَّرَسُوْلاً'' ہم اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ کے نبی اور رسول ہونے پر راضی ہیں۔ گویا اور کسی چیز کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج اگر حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کئے بغیر چارۂ کار نہیں تھا۔ پھر ارشاد فرمایا: اگر آج حضرت موسیٰ ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے تو گمراہ ہو جاتے۔ مطلب یہ تھا کہ شریعتِ اسلامیہ کے آنے کے بعد پچھلی تمام کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں، اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔

بہر حال! اس روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو اسرائیل کی باتیں بیان کرنے کی اجازت تو مرحمت فرمائی اور فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس سے صرف وہی باتیں مراد ہیں جو عبرت کی ہوں، یا کسی قصہ سے کوئی سبق ملتا ہو اور کوئی نصیحت حاصل ہوتی ہو۔ اور اس نوع کی چیزیں احادیث میں بھی آئی ہیں، اس کے علاوہ براہِ راست ان کی کتابوں اور تاریخ سے اگر اس نوع کی کوئی چیز ملے اور اس سے اسلام کے کسی حکم پر کوئی زد بھی نہ پڑتی ہو؛ تو اس کو بیان کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

وہ اپنا ٹھکانا جہنم کے اندر بنالے

''وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّار'' جو آدمی میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم کے اندر بنالے۔ مطلب یہ ہے کہ نبیٔ

کریم ﷺ کی طرف کسی بات کی نسبت کرنا کہ یہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے، حالاں کہ وہ بات حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد نہیں فرمائی ہے تو وہ آدمی اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ اسی لئے علماء میں سے بعض حضرات جیسے احناف میں سے علامہ سرخسیؒ، اور شوافع میں سے امام غزالیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: کوئی آدمی یہ جانتے ہوئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد نہیں ہے پھر بھی آپ کی طرف اس بات کو منسوب کرے؛ تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس لیے اس سے بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

حدیث نقل کرنے کے معاملہ میں صحابہ کا حال

حضورِ اکرم ﷺ کا یہی ارشاد تھا جس کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی حدیث کو بیان کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے، بلکہ جو ارشاد انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے براہِ راست سنا تھا اس کو بھی جب بیان کرنے کا وقت آتا تھا تو یوں کہا کرتے تھے کہ: ''حضورِ اکرم ﷺ نے اسی طرح، یا اس کے قریب قریب، یا اس جیسا ارشاد فرمایا ہے''۔ اسی حدیث اور وعید کی وجہ سے بعض حضراتِ صحابہ تو حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرما کر کہتے ہی نہیں تھے کہ یہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ اسی لئے علماء نے حدیث کو بیان کرنے کے معاملہ میں بڑی احتیاط کا حکم دیا ہے۔

روایت بالمعنیٰ کا حکم

حدیث نقل کرنے کی ایک شکل تو یہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے جو الفاظ سنے ہیں ہو بہو وہی الفاظ یاد ہوں اور بیان کردیں؛ تب تو کوئی اشکال نہیں ہے،

لیکن اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد فرمائے ہوئے الفاظ ہو بہو تو نہیں ہیں، ان الفاظ کا مفہوم اور مطلب کوئی آدمی اپنے الفاظ کے اندر بیان کرے؛ تو یہ درست ہے یا نہیں؟ تو اگر چہ اکثر علماء نے اس کی اجازت دی ہے کہ وہ آدمی جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کا مطلب بالکل صحیح سمجھا ہے اور اپنے الفاظ میں اگر اس کا مفہوم قریب قریب کہہ کر بیان کرے تو اس کی اجازت ہے۔ لیکن بعض حضرات اسی حدیث کی وجہ سے اس طرف گئے ہیں کہ روایت بالمعنیٰ یعنی مفہوم بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے، ہو بہو وہی الفاظ یاد ہیں تو ہی بیان کئے جائیں۔

جنّت کا راستہ

۱۳۸۱:- وعن أبي هريرة رضی الله عنه أنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: ((وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْماً، سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقاً إِلَى الجَنَّةِ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی کوئی ایسا راستہ چلا جس پر چل کر وہ علم حاصل کرنا چاہتا ہے (یعنی علم حاصل کرنے کے لئے جو بھی طریقہ اور شکل اختیار کرے گا) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔

افادات:- گویا علم کا حاصل کرنا آدمی کے لئے جنّت تک پہنچنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ بھی علم کی بہت بڑی فضیلت ہے، لیکن یہ تب ہے کہ جو علم اس نے حاصل کیا ہے اس کے تقاضوں کو پورا کرے اور اس کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے علم کی راہیں آسان کر دیں تو امید یہی ہے کہ اس کے تقاضوں اور حقوق کی ادائیگی بھی اس کے لئے آسان کی جائے گی۔

اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ

۱۳۸۲:-وعنه أيضاً -رضي الله عنه-: أنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: ((مَنْ دَعَا إِلَى هُدىً كَانَ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لاَ يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئاً. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: جو آدمی کسی ہدایت اور اچھی بات کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور رہنمائی کرے، تو جتنے لوگ اس کی بات کی پیروی کریں گے اس کو ان سب کے برابر ثواب ملے گا، اور اس کو جو ثواب مل رہا ہے یہ ان لوگوں کے ثواب میں کمی نہیں کرے گا۔

افادات:- گویا ان کو اپنے عمل کا پورا پورا ثواب ملے گا لیکن چوں کہ وہ آدمی ان کے لئے اس علم وعمل کا ذریعہ بنا ہے اس لئے ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو بھی ثواب ملے گا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ’’اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ‘‘ بھلائی اور نیکی کی بات پر دلالت کرنے والا اور اچھی بات بتلانے والا، خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی عمل کرنے والے کی طرح ہے۔

صدقۂ جاریہ

۱۳۸۳:-وعنه قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: ((إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ)).

(رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: جب انسان کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے (زندگی میں آدمی جو بھی نیک کام کیا کرتا ہے اس پر اجروثواب ملتا ہے، ظاہر ہے کہ موت کی وجہ سے وہ سلسلہ باقی نہیں رہتا) البتہ تین چیزیں ایسی ہیں (کہ مرنے کے بعد بھی ان کے اجرو ثواب کا سلسلہ جاری رہے گا) ایک تو صدقۂ جاریہ۔ دوسرے کوئی علمی چیز جس سے اس کی موت کے بعد بھی لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں۔ تیسرے نیک اولاد جو اس کے لئے دعائے خیر کرتی رہے۔

افادات:- ''صدقۂ جاریہ'' یعنی نیکی اور خیر کا کوئی ایسا کام کیا جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچنے کا سلسلہ اس کے مرنے کے بعد بھی جاری ہے، جیسے: کہیں مسجد تعمیر کرادی کہ اس کی موت کے بعد بھی اس مسجد میں لوگوں کے نماز پڑھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ یا کہیں مدرسہ تعمیر کروادیا، یا کہیں کنواں کھدوادیا جس سے لوگ اور جانور فائدہ اٹھارہے ہیں۔ یا کوئی مہمان خانہ، مسافر خانہ تعمیر کرادیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس طرح کے جتنے بھی کام ہیں جن سے اس کی موت کے بعد بھی فائدہ پہنچ رہا ہے تو جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے وہاں تک اس کو بھی ثواب ملتا رہے گا؛ یہی صدقۂ جاریہ کہلاتا ہے۔

نفع بخش علم

''أَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ'' یا کوئی علمی کام ایسا کیا جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی فائدہ اُٹھایا جاتا رہے، جیسے: کسی کو کوئی علمی بات سکھائی، کسی کو نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا؛ تو چاہے سکھانے والے کا انتقال ہوگیا، لیکن جس کو اس نے سکھایا ہے وہ جب تک نماز پڑھتا رہے گا، اُس کو تو اُس کے نماز پڑھنے پر ثواب ملتا رہے گا، لیکن چوں کہ اُس کو نماز سکھانے والا یہ تھا تو اِس کو بھی ثواب ملے گا۔ پھر اگر اُس نے کسی

دوسرے کونماز سکھائی اوراس نے کسی تیسرے کوسکھائی اوراس طرح یہ سلسلہ جاری رہا تو جب تک وہ سلسلہ جاری رہے گا تب تک اس پہلے کے ثواب کا سلسلہ بھی ذریعہ اور واسطہ بننے کی وجہ سے جاری رہے گا۔

یا کوئی کتاب تصنیف کردی جس کے ذریعہ لوگوں تک دین کی باتیں پہنچ رہی ہیں تو جب تک اس کتاب سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے تب تک اس کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔ گویا علم سے فائدہ پہنچنے کی جو بھی شکل ہو وہ ساری شکلیں فائدہ مند علم میں داخل ہونے کی وجہ سے مرنے کے بعد ثواب حاصل ہونے کا ذریعہ بنیں گی، چاہے کوئی آدمی اس کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام کرے یا نہ کرے۔

نیک اولاد

''أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ'' یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعائے خیر کرتی رہے۔ غور کیجئے کہ یہاں صرف اولاد نہیں کہا، بلکہ نیک اولاد کہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کو نیک بنانے کے لئے بھی آدمی کو محنت اور اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ اولاد ماں کے پیٹ ہی سے نیک بنی بنائی تو پیدا نہیں ہوتی، بلکہ پیدا ہونے کے بعد ماں باپ کی طرف سے ان کی صحیح تعلیم وتربیت کا اگر اہتمام کیا جائے گا اسی کے نتیجہ میں وہ نیک بنے گی، اور نیک بنے گی تب ہی اس کے لئے دعائے خیر کا اہتمام بھی کرے گی، اور اس کی موت کے بعد یہ سلسلہ جاری رہے گا؛ تو اس کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

دنیا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے؛ سوائے

۱۳۸۴:-وعنه قَالَ: سَمِعْتُ رسول الله ﷺ يقول: ((الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ ،

مَلْعُونٌ مَا فِيهَا، إِلاَّ ذِكْرَ اللهِ تَعَالَى، وَمَا وَالاهُ، وَعَالِماً، أَوْ مُتَعَلِّماً))

(رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: دنیا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے، اور جو کچھ بھی دنیا میں ہے (وہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے) البتہ (اس قاعدہ سے چند چیزیں مستثنیٰ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور نہیں، بلکہ اللہ کی رحمت سے قریب ہیں، ایک تو) اللہ تعالیٰ کا ذکر اور جو اس کے قریب ہو، اور علم سکھانے والا، یا علم سیکھنے والا۔

افادات:- ''وَمَا وَالَاهُ'' میں ''هُ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قریب ہو، اس صورت میں ہر وہ چیز اس میں داخل ہو جائے گی جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں معین و مددگار ہو، اور جس کو اختیار کرنے سے آدمی سہولت اور آسانی سے ذکر اللہ میں مشغول ہو سکے۔ چناں چہ بقدرِ ضرورت کھانا پینا، اور زندگی کے ضروری اسباب کو اختیار کرنا بھی اس میں داخل ہوگا۔

اور اُس صورت میں اللہ کا ذکر بول کر صرف زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر مقصود نہیں ہوگا بلکہ تمام طاعات اور وہ تمام چیزیں جو عبادات کے قبیل سے ہیں، یعنی وہ تمام عبادتیں جن سے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جاتا ہے، اور جو چیزیں بھی ذکر اللہ میں معین و مددگار ہیں وہ سب ''وَمَا وَالَاهُ'' میں آجائیں گی۔

اور اگر ''وَمَا وَالَاهُ'' سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد لی جائے، تو یہاں مجلس میں اہلِ علم موجود ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ پہلی صورت میں ''وَمَا وَالَاهُ'' میں ضمیر منصوب متصل ہے جو ذکر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور دوسری صورت میں ضمیر لفظ ''اللہ'' کی طرف لوٹے گی 'سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے، اور جو اللہ کے قریب ہو'۔ اللہ کے قریب

وہ تمام چیزیں ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہیں۔ اس صورت میں پہلے جو لفظ ذکر اللہ آیا اس سے مخصوص ذکر مراد ہوگا جس کو ہم بھی اپنی عام بول چال اور عرف میں ذکر بولتے ہیں۔

بہر حال! اس روایت میں یہ بتلادیا گیا کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت کے قبیل سے ہو وہ ملعون نہیں ہے، اور دنیا کی دوسری تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہیں اور جن میں مشغولی کے نتیجہ میں آدمی اللہ تعالیٰ سے غفلت میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ سب ملعون ہیں۔

علم کی اہمیت اور فضیلت

''وَعَالِماً أَوْ مُتَعَلِّماً'' اور علم سکھانے والا، اور علم سیکھنے والا؛ دونوں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونے والے قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں، یعنی یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور نہیں، بلکہ قریب ہیں۔ اور غور کیجئے کہ اوپر ''وَمَا وَالَاهُ'' کا جو مطلب بیان کیا تھا، علم بھی اس میں آجاتا تھا، اور جو لوگ علمی مشغلہ-سکھانے یا سیکھنے- میں ہیں وہ بھی ایک طرح کی عبادت ہونے کی وجہ سے اس میں شامل تھے، لیکن علم کی اہمیت کو بتلانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر الگ سے اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس سے علم کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

......وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہے

۱۳۸۵:- وعن أنسٍ -رضی اللہ عنہ- قَالَ قَالَ رسولُ اللہ ﷺ: مَنْ خَرَجَ فِی طَلَبِ العِلْمِ فَهُوَ فِی سَبِیلِ اللہِ حَتَّی یَرْجِعَ. (رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ :- حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جوآدمی علم حاصل کرنے کے لیے نکلا وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہے، یہاں تک کہ علم حاصل کرکے اپنے گھر واپس نہ لوٹ آئے۔

افادات:- ''اللہ تعالیٰ کے راستہ'' کامفہوم عام ہے،اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے جوکام بھی کیا جائے گا، جیسے: کوئی آدمی نماز کے لئے نکلا، حج کی ادائیگی کے لئے نکلا، دین کی تبلیغ کے لئے نکلا؛علم حاصل کرنے کے لیے نکلنے والا؛ یہ سارے کام''فی سبیل اللہ''میں داخل ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں باب قائم کیا ہے:''**بَابُ الْمَشْيِ إِلَى الْجُمُعَةِ**''جمعہ کی نماز کے لئے اپنے گھر سے چل کرنکلنا،اس کے تحت اس روایت کوذکرکیاہےجس میں ہے کہ جس کے قدم اللہ کے راستہ میں غبارآلود ہوئے،اللہ تعالیٰ اس کوجہنم پرحرام کردیں گے۔اس سے معلوم ہواکہ نماز کے لئے گھر سے نکلنا بھی اللہ کے راستہ میں نکلنے کے مفہوم میں داخل ہے[(۱)]۔

مؤمن تھوڑی خیر سے مطمئن نہیں ہوتا

۱۳۸۶:- **وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: لَنْ يَّشْبَعَ مُؤْمِنٌ مِنْ خَيْرٍ حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ**.(رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

---

(۱)حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ قَالَ أَدْرَكَنِي أَبُو عَبْسٍ وَأَنَا أَذْهَبُ إِلَى الْجُمُعَةِ فَقَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ. (باب الْمَشْيِ إِلَى الْجُمُعَةِ)

فرمایا: ایمان والا بھلائی کی چیز سے سیر نہیں ہوتا (یعنی مؤمن کا پیٹ تھوڑی خیر سے مطمئن نہیں ہوتا) یہاں تک کہ اس کا انجام جنت ہو۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اگر علم حاصل کرتا ہے تو پورا حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنے لئے جنت تک پہنچنے کا ذریعہ بنالیتا ہے۔

جیسے میری فضیلت تم پر

۱۳۸۷:-وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلَى أَدْنَاكُمْ. ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلَى مُعَلِّمِيْ النَّاسِ الْخَيْرَ. (رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابوأمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے کسی معمولی آدمی پر، اس کے بعد نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور آسمان وزمین کے رہنے والے، یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بل میں، اور مچھلیاں بھی ان لوگوں کے لیے رحمت کی دعا کرتی ہیں جو لوگوں کو (علم) سکھانے والے ہیں۔

افادات:- ظاہر ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری انسانیت پر فضیلت حاصل ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کے سردار ہیں، تو اب کسی معمولی انسان کے مقابلہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کیسی زبردست ہوگی! جیسے ایک معمولی آدمی کے مقابلہ میں فضیلت کا جو درجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے وہی فضیلت کا درجہ ایک عالم کو عابد پر

حاصل ہے،اس لیے کہ عابد صرف عبادت میں مشغول ہے،اس کا فائدہ اس کی اپنی ذات تک محدود ہے،اور ایک عالم علم سیکھنے کے بعد دوسروں کو سکھا کر اس کے فائدے کو دوسروں تک پہنچاتا ہے۔

ہر مخلوق دعا کرتی ہے

اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتے ہیں،فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں،اور آسمان وزمین کی رہنے والی تمام مخلوقات؛ یہاں تک کہ زمین پر رہنے والی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق چیونٹی،اور سمندر میں رہنے والی مچھلیاں بھی اُس آدمی کے لئے دعائے رحمت کرتی ہیں جو لوگوں کو علم دین سکھاتا ہو۔اس سے عالم کی کتنی بڑی فضیلت معلوم ہوئی کہ اس کے لئے تمام مخلوقات دعاؤں کا اہتمام کرتی ہے۔

فرشتے پر بچھاتے ہیں

۱۳۸۸:-وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ:مَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَبْتَغِي فِيهِ عِلْماً سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقاً إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضاً بِمَا يَصْنَعُ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْمَاءِ، وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَاراً وَلَا دِرْهَماً، وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ. (رواه أبو داود والترمذی)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے

نبیٔ کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو آدمی کسی راستہ پر چلا (سفر کیا) اور اس کا مقصود علم حاصل کرنا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں (یوں سمجھئے کہ طلب علم والا راستہ جنت کا راستہ ہے) اور فرشتے طالبِ علم سے خوش ہو کر (یعنی اس کے اس عمل پر اپنی مسرت اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے، یا طالبِ علم کے اکرام کے طور) اس کے لیے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں۔ اور جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں؛ سب عالم کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہیں، یہاں تک کہ پانی میں رہنے والی مچھلیاں بھی۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔ اور علماء نبیوں کے وارث ہیں، اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام اپنے پیچھے دینار و درہم (روپے پیسے) نہیں چھوڑتے، بلکہ اپنے پیچھے علم چھوڑتے ہیں، اس لیے جو آدمی بھی علم حاصل کرے اس کو چاہیے کہ خوب حاصل کرے۔

اس وجہ سے نبیوں کا وارث کہا گیا

افادات:- یعنی علم حاصل کرنے میں کوئی کمی نہ کرے، بلکہ خوب اہتمام کرے اور جتنا زیادہ علم حاصل کرے گا اُتنی ہی نبیوں کی میراث اس کو حاصل ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ علماء کو نبیوں کا وارث کیوں کہا؟ جواب یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام اپنے پیچھے دنیا کا مال و متاع نہیں چھوڑتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعۂ وحی جو علم ان کو دیا جاتا ہے وہی علم اپنی امّت میں چھوڑ کر جاتے ہیں، تو گویا علم نبیوں کی وراثت ہے، اور جو آدمی اس علم کو حاصل کرتا ہے ظاہر ہے کہ نبیوں کی وراثت حاصل کرتا ہے، اسی لئے اس کو نبیوں کا وارث قرار دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ اس کو تر و تازہ اور خوش حال رکھے

۱۳۸۹:- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: نَضَّرَ

اللهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئاً، فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ.

(رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ اس آدمی کے چہرے کو ترو تازہ رکھے (یعنی خوش رکھے) جس نے ہم سے کوئی بات سنی، اور پھر اس کو جیسا سنا تھا ویسا ہی دوسروں تک پہنچادیا، اس لئے کہ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جس کو پہنچایا گیا ہے وہ پہنچانے والے کے مقابلہ میں اس بات کو زیادہ محفوظ رکھتا ہے۔

حدیث پڑھنے پڑھانے کی سب سے بڑی فضیلت

افادات:- چوں کہ اہلِ علم کا مشغلہ یہی ہے، اولاً خود پڑھنا اور سیکھنا، پھر دوسروں کو سکھانا اور ان تک پہنچانا، اس لیے اس بشارت میں وہ بھی داخل ہیں۔ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے تقریرِ بخاری میں فرمایا ہے: علمِ حدیث پڑھنے پڑھانے کے بہت سارے فضائل ہیں ان میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ جو آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو سنے پھر اس کو دوسروں تک پہنچائے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے یہ دعا فرمائی ہے کہ **"اللہ تعالیٰ اس کو ترو تازہ اور خوش حال رکھے"**۔

کبھی ایسا ہوتا ہے......

دوسروں تک پہنچانے پر اس کو یہ فضیلت کیوں حاصل ہوئی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ نے کوئی بات سنی اور وہ بات آپ نے دوسرے کسی کو پہنچائی، کچھ مدّت کے بعد آپ تو بھول گئے، لیکن جس کو بتلائی تھی اس نے اس بات کو برابر یاد رکھا اور وہ دوسروں کو بتلا رہا ہے اور اس بات کو برابر آگے پہنچا رہا ہے۔ اس لئے علمِ دین کی جو بھی بات آدمی سنے اس کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں

تک اس کو پہنچائے، تاکہ خدانہ کرے کبھی خود بھول بھی جائے تو چوں کہ دوسروں تک پہنچا چکا ہے؛ تو یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہے گا اور اس کے لئے صدقۂ جاریہ کا کام دے گا۔

آگ کی لگام پہنائی جائے گی

۱۳۹۰:-وعن أبي هريرة رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: مَنْ سُئِلَ عن عِلْمٍ فَكَتَمَهُ، أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ.

(رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی اور جاننے کے باوجود اس نے اس کو چھپایا تو قیامت کے روز اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

افادات:- یہاں وہ علم مراد ہے جس کا سیکھنا عمل اور عقیدہ کی درستگی کے لئے ضروری ہو، جیسے: کوئی آدمی نماز درست کرنا چاہتا ہے اور اس سے متعلق آپ کو معلومات حاصل ہیں، اب وہ آپ کے پاس کوئی بات پوچھنے آیا اور آپ جاننے کے باوجود اس کو نہ بتلائیں؛ تو اس وعید میں داخل ہیں۔

غیر ضروری سوالات کا جواب نہ دیا جائے

باقی جو غیر ضروری سوالات ہوتے ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہی ہوتی کہ فضول چیزیں پوچھتے رہتے ہیں جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، فضول بحثوں کے قبیل سے ہوتی ہیں؛ تو ایسی کوئی بات اگر کوئی آدمی پوچھے اور اس کا جواب نہ دیا جائے تو وہ آدمی اس وعید میں داخل نہیں ہوگا، بلکہ ایسی باتیں جن کا نہ تو کوئی دنیوی فائدہ ہے، نہ دینی فائدہ ہے؛ ان کے متعلق تو خود علماء نے لکھا ہے جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی

کتاب شامی میں جہاں مسائلِ شتّٰی ذکر کئے ہیں وہیں یہ لکھا ہے کہ: ایسے سوالات کا تو جواب دیا ہی نہ جائے، بلکہ ان کو بتلایا جائے کہ بھائی! اس سے ضروری اور اہم تو دوسری چیزیں ہیں، ان میں مشغول ہوجایئے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ کوئی آدمی اس طرح کا فضول سوال کرتا تھا تو جواب میں لکھا کرتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ نے زندگی اس لئے نہیں دی ہے کہ آدمی اس طرح کی فضولیات میں اپنے اوقات کو ضائع کرے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں ان کو معلوم کرو اور اسی میں لگے رہو، اس طرح کی فضولیات سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

دوسرا رُخ

یہاں تک تو اللہ کے واسطے علم حاصل کرنے کی جو فضیلتیں بتلائی گئی ہیں جیسا کہ اوپر گزرا کہ اگر کوئی آدمی علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے، یا کوئی راستہ اختیار کرتا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنّت کا راستہ ہموار فرما دیتے ہیں اور اس کو جنّت تک پہنچا دیتے ہیں۔ اب جہاں یہ فضیلت ہے، وہیں علم حاصل کرنے کے معاملہ میں اگر کوئی آدمی بد نیتی کا شکار ہوتا ہے، جیسا کہ علم اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے، دین کے احکام سے واقفیت حاصل کر کے اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے سیکھنے کے بجائے دنیا کا ساز وسامان حاصل کرنے کے لیے سیکھتا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ مدرسہ میں جا کر کچھ عربی آجائے گی تو خلیج (Gulf) کے کسی ملک میں جا کر نوکری کرلیں گے، یا کسی سفارت خانہ میں ملازمت مل جائے گی، یا اور کوئی ایسا مقصد ہے کہ جس سے دنیا ہی کا فائدہ مدِّ نظر ہو تو اس کے

متعلق کیا وعیدات ہیں؛ ان کو آگے بیان فرماتے ہیں۔

جنّت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا

۱۳۹۱:- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللهِ - عز وجل - لا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضاً مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) يَعْنِي: رِيحَهَا. (رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی آدمی نے ایسا علم جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے (یعنی علمِ دین) سیکھا صرف اس واسطے کہ اس کے ذریعہ دنیا کا ساز وسامان حاصل کرے؛ تو ایسا آدمی قیامت کے روز جنّت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ پائے گا۔

افادات:- ایک تو دنیوی علم ہوتا ہے، جیسے: کوئی آدمی ڈاکٹری پڑھے، وہ تو اسی لئے پڑھا جاتا ہے کہ ڈاکٹر بن کر مال کماؤں گا۔ وکالت کا علم بھی اسی لئے پڑھا جاتا ہے کہ وکیل بن کر خوب پیسے کماؤں گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جتنے بھی دنیوی علوم وفنون ہیں ان کو کوئی آدمی اگر اسی مقصد اور نیت سے پڑھتا ہے تو اس کے لئے یہ وعید نہیں ہے، اس لئے کہ یہ علوم اسی واسطے ہیں کہ ان سے دنیوی فائدے حاصل کئے جائیں، لیکن دین کا علم دنیا کمانے کے لئے ہے ہی نہیں، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کی رضا جوئی کے واسطے ہے، اور اس لئے ہے کہ آدمی اس کو حاصل کرنے کے بعد عمل کا اہتمام کر کے دنیا وآخرت کی بھلائیوں سے بہرہ وَر ہو۔ اسی لئے فرمایا کہ ایسا علم جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے (یعنی قرآن وحدیث کا علم) کسی نے اس لئے پڑھا کہ اس کے ذریعہ دنیا کی دولت کمائے (اس کے لئے بہت سخت وعید

ہے کہ) قیامت کے روز جنّت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

علم اُٹھائے جانے کی شکل

۱۳۹۲:-وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ:((إِنَّ اللهَ لاَ يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعاً يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِماً، اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوساً جُهَّالاً، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا)).(متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:-حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ علم اس طرح قبض نہیں کریں گے کہ لوگوں کے دلوں میں سے نکال دیں، لیکن علماء کو اُٹھا کر علم کو اُٹھائیں گے، یہاں تک کہ جب روئے زمین پر کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ ایسے لوگوں کو اپنا سردار اور پیشوا بنالیں گے جو حقیقی عالم نہیں ہوں گے، پھر دین کے معاملہ میں ان سے سوالات کریں گے، تو جہالت کی وجہ سے بغیر علم کے وہ لوگ فتوے دیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

افادات:- قیامت کے قریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ علم اٹھالیا جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ کوئی عالم رات کو سوئے گا تو عالم ہوگا اور جب صبح کو اٹھے گا تو اس کا سارا علم کمپیوٹر کی میمری (Memory) کی طرح مٹ گیا ہوگا، بلکہ جو حاملینِ علم ہوں گے وہ دھیرے دھیرے دنیا سے رخصت ہوتے چلے جائیں گے، اور ان کی جگہ لینے والے ان کے جیسے دوسرے علماء پیدا نہیں ہوں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ علم بھی ختم ہوجائے گا۔

صرف مطالعہ کافی نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ کتابوں اور کتب خانوں کا باقی رہ جانا حقیقی علم کے باقی رہنے کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ ''اَلْعِلْمَ بِالتَّعَلُّمِ'' اصل علم اسی کو کہا جاتا ہے جو سیکھنے سکھانے کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، علم کے حصول کے لیے صرف کتابوں کا مطالعہ کافی نہیں ہے، خاص کر علمِ دین میں تو سند کو بنیادی حیثیت قرار دی گئی، یہاں تک کہ الفاظ کا بھی صحیح پڑھنا اس وقت تک نہیں آتا جب تک کسی معتبر استاذ سے نہ سیکھا جائے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ میں ایک قصہ بیان کیا ہے۔ پہلے زمانہ میں جب ٹائپ والا پریس نیا نیا شروع ہوا تھا تو آپ پرانے زمانہ کی عربی کتابیں جو ٹائپ پریس میں چھپی ہوئی ہیں ان کو دیکھیں گے تو اس میں چند حروف جیسے: ''راء'' وغیرہ بہت زیادہ گول ہوتے تھے، اور اس میں یہ بھی ہوتا تھا کہ حروف بالکل جُڑے ہوئے نہیں ہوتے تھے، بلکہ ان کے درمیان میں ذرا فاصلہ رہتا تھا، اور ''راء'' ''واؤ'' جیسا معلوم ہوتا تھا۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ میرے بھائی جناب اکبر علی صاحب جو انگریزی پڑھے ہوئے تھے وہ ایک مرتبہ ٹرین کے اَپَر کلاس (Upper Class) میں سفر کر رہے تھے، اسی کلاس میں کوئی انگریز بھی تھا۔ بھائی صاحب قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا چاہتے تھے تو انہوں نے قرآن مجید کا نسخہ نکالا۔ انگریز نے پوچھا: یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ قرآن مجید ہے جو ہماری مذہبی کتاب ہے۔ اس نے کہا: میں دیکھ سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا: ضرور! لیجئے۔ اس نے جب کھولا تو ''الرٰ'' سے کوئی سورۃ شروع ہو رہی تھی، وہ اردو پڑھنا جانتا تھا، تو کہنے لگا: یہ ''آلو'' کیا لکھا ہوا ہے؟ انہوں نے اس کے ہاتھ سے قرآنِ پاک لے لیا اور کہا: دیکھیے! یہ ہماری مذہبی کتاب ہے جو بغیر سیکھے کوئی بھی نہیں پڑھ سکتا۔

اور واقعہ یہی ہے کہ کوئی کتنا ہی عربی کا ماہر کیوں نہ ہو، بغیر سیکھے ہوئے وہ ٹھوکر کھا ہی جائے گا۔ اس نے ''راء'' کو ''واؤ'' اس لیے پڑھا کہ وہ ذرا گول لکھا ہوا تھا۔ لیکن آج کل جبکہ تحریر صاف آتی ہے، اور کمپیوٹر کی کتابت میں ''الٓرٰ'' کو صاف تحریر میں لکھا ہوا ہوتا ہے تب بھی اگر کوئی آدمی قرآنِ پاک کسی استاذ سے پڑھنا نہ سیکھا ہو تو یقیناً آج بھی وہ ''الٓرٰ'' کو ''الف، لام، راء'' الگ الگ نہیں پڑھے گا۔ چوں کہ عام طور پر عربی میں حروفِ تہجی ملا کر لکھے اور پڑھے جاتے ہیں اس لیے کہ ان کو بھی ملا کر ہی لکھا جاتا ہے لیکن پڑھا الگ الگ جاتا ہے، اسی لیے ان کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں۔ ''قَطَّعَ يُقَطِّعُ تَقْطِيْع'' کا معنیٰ ہوتا ہے، کاٹ کاٹ کر پڑھنا۔ گویا یہ وہ حروف ہیں کہ لکھنے میں تو ساتھ ساتھ لکھے گئے ہیں لیکن الگ الگ پڑھے جائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ پاک ایسی کتاب ہے کہ جب تک کہ کوئی آدمی اس کو کسی استاذ سے باقاعدہ پڑھنا نہیں سیکھے گا، اس کو تلاوت کا طریقہ بھی معلوم نہیں ہوگا۔

حاصلِ کلام

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے قریب ایک زمانہ آئے گا کہ اللہ تعالیٰ علم کو اُٹھالیں گے، تو ایسا نہیں ہوگا کہ اچانک ان کے سینوں میں سے علم غائب ہو جائے گا، بلکہ اس کی شکل یہی ہوگی کہ جن کے سینوں میں علم محفوظ ہے وہ اہلِ علم دھیرے دھیرے دنیا سے رخصت ہوتے چلے جائیں گے، اور علم حاصل کرکے ان کے مقام پر فائز ہونے والے لوگ پیدا نہیں ہوں گے۔ گویا علم کی طلب کی طرف سے غفلت برتیں گے اور جس نوع کی علم کی طلب پہلے والوں میں تھی اور جیسے ان لوگوں نے علم حاصل کیا تھا، بعد والے ایسی محنت سے علم حاصل نہیں کریں گے۔ اور جب دنیا میں کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو

لوگ کسی کو- یوں سمجھ کر کہ یہ کچھ جانتا ہے اور عالم ہے- اپنا سردار اور پیشوا بنالیں گے اور دین کے معاملہ میں اس سے سوالات پوچھیں گے اور وہ حقیقت میں عالم نہیں ہوگا، اس کو جیسا علم سیکھنا چاہیے تھا اس نے ایسا سیکھا نہیں ہوگا، ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے اس کو عالم سمجھ کر علم کا منصب دے دیا جائے گا۔ جیسے: کوئی فنِ افتاء سے واقف نہ ہو لیکن اس کو مفتی کی مسند پر بٹھا دیا جائے، یا کسی کو قضاء کا علم نہ ہو اور اس کو قاضی کی مسند پر بٹھا دیا جائے؛ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جب ایسے لوگوں سے مسائل پوچھیں جائیں گے، تو چوں کہ وہ حقیقی مسئلہ تو جانتے نہیں ہوں گے، لہٰذا اپنی جہالت کے ذریعہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، اس مسئلہ کا جو اصلی جواب ہونا چاہیے وہ نہیں دیں گے، دوسرا ہی کچھ بتائیں گے؛ نتیجہ یہ ہوگا کہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے: اس سے پہلے کہ علم اُٹھا لیا جائے اس کے سیکھنے کا اہتمام کرو، تاکہ جب دنیا سے اہلِ علم رخصت ہونے لگیں تو ان کی جگہ لینے والے انہیں کی طرح کے دوسرے لوگ موجود ہوں اور علم کا یہ سلسلہ باقی رہے۔

اس روایت کو لاکر یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ علم کے سیکھنے کی طرف خصوصی توجہ ہونی چاہیے، اور ایک جماعت مسلمانوں میں ایسی ہونی چاہیے جو اپنے آپ کو اس کام کے لئے فارغ کردے، تاکہ یہ فرضِ کفایہ ادا ہوتا رہے، اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کی علم کی ضرورتیں پوری ہوں۔

كِتَابُ حَمْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَشُكْرِهِ

اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف
اور اس کے شکر کا بیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: فَاذْكُرُوْنِيْٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ.

وَقَالَ تَعَالٰى: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ.

وَقَالَ تَعَالٰى: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ.

وَقَالَ تَعَالٰى: وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

مَیں تمہیں یاد کروں گا

نیا عنوان قائم کیا ہے کہ بندوں کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت حاصل ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تعریف بیان کی جائے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا شکر ادا کرنے کا بھی اہتمام کیا جائے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ أَذْكُرْكُمْ﴾ تم مجھے یاد کرو؛ میں تمہیں یاد کروں گا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیثِ شریف میں اس کی تشریح فرمائی ہے کہ: جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسے یاد کرتا ہوں، اگر وہ تنہائی میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں تنہائی میں اس کو یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اس کو یاد کرتا ہوں۔

﴿وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ اور میرا شکر ادا کرو، ناشکری نہ کرو۔ شکر یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدردانی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ نعمت جس مقصد کے لئے عطا فرمائی ہے اسی مقصد میں اس نعمت کو استعمال کرنا، گویا اس نعمت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اہتمام کرنا۔

شکر کا مراقبہ

شکر کے لئے ایک بات تو یہ ضروری ہے کہ آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ساری نعمتوں کو یاد کرے اور سوچے کہ میرے حال پر اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں ہیں۔ بعض نعمتیں تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کو ملی ہیں، جیسے: زندگی، جسم، اور جسم کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، جیسے: آنکھیں اور اس میں دیکھنے کی صلاحیت، کان اور ان میں سننے کی صلاحیت، زبان اور اس میں بولنے اور چکھنے کی صلاحیت، ہاتھ اور ان میں پکڑنے کی صلاحیت، ناک اور اس میں سونگھنے کی صلاحیت، پاؤں اور ان میں چلنے کی صلاحیت، اسی طرح دل ودماغ اور جسم کے اندر بے شمار اعضاء ہیں جو مختلف فوائد کے لئے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ ساری نعمتیں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام طور پر ہر ایک کو دی گئی ہیں۔ پھر دیگر بیرونی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، جیسے: سورج، چاند، زمین، آسمان، پانی ہوا وغیرہ جو باہر پائی جاتی ہیں اور جن سے فائدہ اُٹھانے میں اللہ تعالیٰ کے تمام بندے برابر کے شریک ہیں۔

یہی شکر کی حقیقت ہے

اور کچھ نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص طور پر ملتی ہیں، جیسے: علم، عقل وفہم، حسن وجمال، کوئی کمال، منصب وعہدہ، یا مخصوص انداز کی دولت وثروت وغیرہ؛ یہ سب نعمتیں ایسی ہیں جو خصوصیت کے ساتھ کسی کسی کو ہی عطا فرمائی جاتی ہیں۔ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی ان ساری نعمتوں کو یاد کر کے اس بات کا استحضار رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایک نعمت اتنی زیادہ قیمتی ہے کہ اگر مَیں دنیا کی لاکھوں اور کروڑوں کی

دولت بھی خرچ کرتا تب بھی مجھے وہ حاصل نہ ہوتیں، یہ سب اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے میری طلب اور میرے کسی استحقاق واہلیت کے بغیر مفت میں مجھے عطا فرمائی ہیں، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہوگی۔ گویا منعم کی محبت بھی شکر گذاری کا ایک درجہ ہے۔ اور اسی محبت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت آسان ہوگی۔ جیسے: اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دیں، تو آنکھوں کو استعمال کرنے کے سلسلہ میں جو ہدایات ہیں ان کے مطابق آنکھوں کو استعمال کرنا، اور جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے ان سے بچنا۔ زبان، کان، ہاتھ، پاؤں اور جتنے بھی اعضاء ہیں؛ ان کے استعمال کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے کہ فلاں فلاں کام میں ان کو لگاؤ؛ وہیں ان کو استعمال کرنا، اور فلاں فلاں جگہوں سے بچاؤ تو اس سے بچانے کا اہتمام کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے پیسے دیئے ہیں، عہدہ اور منصب دیا ہے، تو اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا اہتمام کرنا، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانا؛ یہی شکر کی حقیقت ہے۔

فرماں برداری نصیب ہوگی

جیسے: کوئی نامعلوم آدمی ہمیشہ کسی کے واسطہ سے آپ کو کھانے پینے کا ماہانہ پورا خرچہ بھیجتا رہتا ہو، یا آپ کی ضروریات کا خیال رکھتا ہو، اگر کبھی آپ بیمار ہو گئے تو بہترین دوائیں بھیجتا ہو، آپ کے گھر میں کبھی کوئی اور ضرورت پیش آ گئی تو اس کو پورا کرنے کا انتظام کرتا ہو؛ مطلب یہ ہے کہ موقع بموقع ساری ضرورتوں کی تکمیل کے لئے کسی کی طرف سے آپ کے پاس چیزیں پہنچتی رہتی ہوں، اور آپ کو معلوم بھی نہیں کہ بھیجنے والا کون ہے، تب بھی اندازہ لگائیے کہ آپ کے دل میں مُرسِل کے لئے محبت

کے کتنے جذبات پیدا ہوں گے!

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی ابتلاء اور آزمائش کے طور پر کوئی مصیبت اور پریشانی آئے گی تو آدمی اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار نعمتوں کی طرف غور کرنے کی وجہ سے سوچے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی ساری نعمتوں کے مقابلہ میں اگر ایک مصیبت آ گئی تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے میری کسی مصلحت کو مدِّ نظر رکھا ہوگا۔ اگر کوئی بیماری آ گئی تو کیا ہو گیا، پھر اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لئے وعدہ ہے کہ اس بیماری کی وجہ سے گناہ معاف ہوں گے اور درجات بلند ہوں گے۔ جو بھی تکلیف پہنچ رہی ہے وہ بیکار جانے والی نہیں ہے۔ اسی غور و فکر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی ہر وقت اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احسانات میں ڈوبا ہوا سمجھے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا اہتمام کرے گا

''مقامِ شکر'' کی تین شرطیں

تو شکر میں اولاً: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بار بار سوچ کر ان کا استحضار رکھنا۔ ثانیاً: اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں تازہ رکھنا، اور ثالثاً: اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کے ذریعہ سے ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کا اہتمام کرنا۔ شکر کے یہی تین مقامات اور درجات ہیں؛ استحضار، جس کی وجہ سے محبت، اور محبت کے نتیجہ میں اطاعت۔ جس کسی کو یہ تینوں مقامات حاصل ہو جائیں تو سمجھنا چاہیے کہ اس کو ''مقامِ شکر'' حاصل ہو گیا۔

بس! ذرا سا بخار ہو گیا ہے

اللہ تعالیٰ کے جو نیک اور مقبول بندے ہوا کرتے ہیں وہ انہی چیزوں کی طرف توجہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار کر کے اپنی کمزوریوں کو دیکھتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں ان کا جیسا حق ادا کرنا چاہیے وہ میں ادا نہیں کر پایا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت مولانا سیّد اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو میاں صاحب سے مشہور ہیں، ان کا ایک قصہ لکھا ہے کہ:-

ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے اور اتنا سخت بخار تھا کہ کچھ مدہوشی کی سی کیفیت تھی، میں عیادت کے لیے حاضر ہوا، جب ذرا افاقہ ہوا تو میں نے پوچھا: حضرت! کیا حال ہے؟ فرمایا: الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں مجھے حاصل ہیں اللہ تعالیٰ نے جسم عطا فرمایا، آنکھیں دیں جو دیکھنے کا کام کرتی ہیں، کان دیئے، زبان اور ناک دی، ہاتھ پاؤں دیئے، اور دیر تک یہ سب گنواتے رہے، اس کے بعد فرمایا: بس! ذرا سا بخار ہو گیا ہے۔

قابلِ اصلاح کیفیت

ہم لوگوں کا معاملہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سینکڑوں نعمتیں ہوتی ہیں لیکن اگر ذرا سی کوئی تکلیف آ گئی تو بس اسی تکلیف کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں، اور لوگوں کے سامنے اُسی کا رونا روتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی اس آزمائش کو شکوہ وشکایت کے طور پر مجلسوں میں بیان کرتے رہتے ہیں۔ ہماری یہ کیفیت قابلِ اصلاح ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے بچایا جائے۔

بہرحال! اللہ تعالیٰ کی جو نعمت جس مقصد کے لئے دی گئی ہے، اس کو اسی میں استعمال کرنے کا نام شکر ہے، اور اس کی حقیقی قدردانی یہی ہے۔

حکمت کی بات

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ اگر تم نے ہماری

نعمتوں کا شکرادا کیا اوراس کی قدردانی کی تو ہم نعمتوں میں اضافہ کریں گے، اس کو اور بڑھائیں گے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے رہنا اوراس کا شکر کرتے رہنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اضافہ کا سبب ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں: جب کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی نعمت حاصل ہوتی ہے جو پہلے سے اس کے پاس نہیں تھی تو وہ بہت خوش ہوتا ہے، لیکن اب اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا باقی رہنا ایک الگ نعمت ہے۔ جیسے: اللہ تعالیٰ نے تندرستی عطا فرمائی، یہ ایک نعمت ہے، لیکن اب وہ تندرستی باقی رہے، تو یہ دوسری نعمت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنکھیں عطا فرمائیں، یہ ایک نعمت ہے، اب آنکھوں کی بینائی باقی رہے؛ یہ اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمت ہے۔ آدمی کا حال ایسا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت نئی نئی حاصل ہوتی ہے تو بڑا خوش ہوتا ہے، لیکن جب وہ نعمت اس کے پاس باقی رہتی ہے تو اس نعمت کے ساتھ طبیعت کے مانوس ہوجانے کے نتیجہ میں اس نعمت کی قدردانی کی طرف دھیان نہیں رہتا۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو باربار سوچ کر اس کے نعمت ہونے کے خیال کو اپنے دل میں تازہ کرتے رہو، اور اللہ کی نعمتوں کا شکرادا کرتے رہو۔ ورنہ طبیعت کے مانوس ہونے کے نتیجہ میں ناقدری پیدا ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ اس نعمت کو چھین لیں گے، اور ''قدرِنعمت بعدِ زوالِ نعمت'' عام طور پر نعمت چھن جانے کے بعد خیال آتا ہے کہ وہ کتنی بڑی نعمت تھی۔ اس لیے ضرورت اس کی ہے کہ وہ اپنے پاس رہتے ہوئے خیال آئے اوراس کی قدر کرتے رہیں تو وہ نعمت باقی رہتی ہے، اور پھراس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ بھی ہوتا ہے۔

کہو: الحمد للہ

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ ساری تعریفیں اور تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ کسی کے کمال پر دنیا میں جتنی بھی تعریفیں کی جاتی ہیں وہ سب درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوتی ہیں۔ جیسے: ایک مکان بنایا گیا، اب اگر کوئی آدمی اس مکان کی تعریف کرے کہ بڑا شاندار مکان ہے، تو ظاہر ہے کہ مکان کی تعریف دراصل مکان بنانے والے کی تعریف ہے۔ اسی طرح دنیا میں جتنی بھی چیزوں کی تعریف کی جاتی ہے، ان سب کا پیدا کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور ساری تعریفوں کا حقدار وہی ہے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (اہلِ جنّت جب آپس میں گفتگو کریں گے تو) ان کا منتہائے کلام یہی ہوگا کہ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار اور پالنے والا ہے۔

تعریف اور شکر؛ دونوں ہونا چاہیے

۱۳۹۳:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه أنَّ النبيَّ ﷺ أُتِيَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ بِقَدَحَيْنِ مِنْ خَمْرٍ وَلَبَنٍ، فَنَظَرَ إِلَيْهِمَا فَأَخَذَ اللَّبَنَ. فَقَالَ جِبرِيل: أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَاكَ لِلْفِطْرَةِ، لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ معراج کی رات میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو پیالے پیش کئے گئے، ایک شراب کا تھا اور دوسرا دودھ کا تھا (گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا گیا کہ دونوں میں سے جو چاہیں؛ لے لیں) تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو دیکھا اور دودھ والا پیالہ اُٹھالیا۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: تمام تعریف اس

اللہ کے لئے ہے جس نے آپ کو فطرت اختیار کرنے کی رہنمائی فرمائی۔ اگر آپ شراب کو اختیار کر لیتے تو آپ کی امّت گمراہ ہوجاتی۔

افادات:- یہاں تو یہ روایت اس لئے لائے ہیں کہ دیکھو! آپ ﷺ کا عمل عین فطرت کے مطابق تھا، اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان فرمائی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی سے جب بھی کوئی اچھا کام ظہور پذیر ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور شکر ادا کرنا چاہیے کہ: اے اللہ! تیری حمد وثناء اور تعریف ہے اور تیرا احسان ہے کہ تو نے مجھے اس کام کی توفیق عطا فرمائی۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف کا بھی اہتمام کیا جائے اور اس کے شکر کا بھی اہتمام کیا جائے، جیسے: کوئی آدمی ہدیہ دیتا ہے تو ہم اس کی تعریف بھی کرتے ہیں اور دینے والے کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے سلسلہ میں بھی یہی دونوں چیزیں ہونی چاہئیں۔

......تو اُمت گمراہ ہوجاتی

جب حضور اکرم ﷺ نے دودھ کا پیالہ لیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے آپ کو فطرت کو اختیار کرنے کی رہنمائی کی، آپ اگر شراب کو لیتے تو آپ کی امّت گمراہ ہوجاتی۔ اب یہ اشکال ہوتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ اگر شراب کو اختیار کر لیتے تو اس سے امّت کی گمراہی کیسے جُڑی ہوئی تھی؟ تو اس کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ قاعدہ ہے ''اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ ''لوگ اپنے رہنماؤں کی راہ اور طریقے پر چلتے ہیں۔ گویا نبیٔ کریم ﷺ خدانخواستہ اگر شراب کو اختیار کر لیتے تو اس کا اثر امّت پر بھی پڑتا اور اُمت بھی شراب کو

اختیار کرتی، اور پھر اس کے نتیجہ میں گمراہی کے تمام کام کرتی۔

......تو وہ اَدھورا رہتا ہے

۱۳۹۴:-وعنه عن رسول الله ﷺ قَالَ: كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ فَهُوَ أَقْطَعُ. (حديث حسن، رواه أبو داود وغيره.)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہمیت والے مہتم بالشان کام کی شروعات اگر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے نہ کی جائے تو وہ ادھورا رہتا ہے (معلوم ہوا کہ ہر کام کی شروعات میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف کا اہتمام کیا جانا چاہیے)۔

بیت الحمد

۱۳۹۵:-وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ -رضی اللہ تعالیٰ عنہ-: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللهُ تَعَالَى لِمَلَائِكَتِهِ: قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: مَاذَا قَالَ عَبْدِي؟ فَيَقُولُونَ: حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى: أَبْنُوا لِعَبْدِي بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ، وَسَمُّوهُ بَيْتَ الْحَمْدِ. (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت اَبوموسیٰ اَشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی کا چھوٹا بچہ انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے پوچھتے ہیں: تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کرلی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: جی ہاں۔ تو باری تعالیٰ دریافت فرماتے ہیں: تم نے اس کے دل کے ٹکرے کو قبض کرلیا (یعنی اس بندہ کو اس بچہ سے اتنی محبت ہوتی ہے جیسے دل کا ٹکڑا ہو) تو فرشتے عرض کرتے ہیں: جی ہاں۔ باری تعالیٰ پوچھتے

ہیں: تمہارے اس عمل پر میرے اس بندے نے کیا کہا؟ (کیا شور مچایا اور آہ وواویلا کیا؟) فرشتے عرض کرتے ہیں: (نہیں! بلکہ) تیرے اس بندے نے تیری حمد بیان کی اور ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن'' پڑھا۔ تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے اس بندے کے لئے جنّت میں ایک مکان بناؤ اور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھو۔

اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں

۱۳۹۶:- وعن أنس - رضی الله عنه - قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: ((إنَّ اللهَ لَيَرْضَى عَنِ العَبْدِ يَأْكُلُ الأَكْلَةَ، فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا، وَيَشْرَبُ الشَّرْبَةَ، فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے سے خوش ہوتے ہیں جب وہ کوئی لقمہ کھاتا ہے اور اس پر الحمد للہ کہتا ہے، اور جب کوئی گھونٹ پیتا ہے اور اس پر الحمد للہ کہتا ہے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کے حصول پر آدمی کو اللہ تعالیٰ کی تعریف اور الحمد للہ کہنے کا اہتمام کرنا چاہیے، یہی وہ چیز ہے جو بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم کرنے والی ہے، اور اسی وقت استحضار بھی پیدا ہوگا۔ دراصل ہم لوگ نعمتوں کو تو دیکھتے ہیں لیکن نعمتوں کے دینے والے کی طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان چیزوں کا اہتمام نہیں ہوتا، اگر حمد اور شکر کا اہتمام کیا جائے گا تو ان شاء اللہ نعمتوں سے ہٹ کر نعمتوں کے دینے والے کی طرف توجہ و دھیان جائے گا اور یہی چیز اس کے ساتھ تعلق پیدا ہونے کا ذریعہ بنے گی۔

كِتَابُ الصَّلاةِ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا بیان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ومرتبہ

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ، یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، (لہٰذا) اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درور وسلام بھیجو۔

دیکھئے! اس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کو دو باتوں یعنی ''صلوٰۃ اور سلام'' کا حکم دیا گیا ہے۔ سلام کے متعلق تو جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے التحیات سکھائی گئی تھی جس میں ''اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ اَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ'' ہے، گویا اس میں سلام کا طریقہ تو بتلا دیا گیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کس طرح بھیجا جائے، لیکن ابھی تک صلوٰۃ یعنی درود کا طریقہ نہیں بتلایا گیا تھا، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو درود بھی سکھلایا۔

اور یہ آیت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت پر دلالت کرنے والی ہے کہ دیکھو دوسرے انبیاء کا بھی بڑا اعزاز واکرام کیا گیا، جیسے: حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، اور بھی بہت سے نبیوں کو مختلف اعزازات و اکرامات سے نوازا گیا، لیکن کسی نبی کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ فلاں کام اللہ تعالیٰ بھی کرتے ہیں لہٰذا ایمان والو! تم بھی یہ کام کرو۔ لیکن یہاں تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے یہ کام کرتے ہیں، تم بھی کرو۔ اس سے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ومرتبہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا اونچا ہے۔

ایک درود؛ دس رحمتیں

۱۳۹۷:-وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما: أنّه سمع رسول اللہ ﷺ یقول: ((مَنْ صَلّٰی عَلَيَّ صَلاۃً، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِہَا عَشْراً)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتے ہیں۔

افادات:- دیکھئے! ایمان والوں کو درود پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ تم رحمت بھیجو، پھر اس کا طریقہ یہ بتلایا گیا کہ اس طرح کہو: ''أَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' گویا ایمان والے اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم تجھ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت بھیج۔

مجھ سے سب سے زیادہ قریب

۱۳۹۸:-وعن ابن مسعود-رضی اللہ عنہ-: أنَّ رسول اللہ ﷺ قالَ: أَوْلَی النَّاسِ بِي یَوْمَ الْقِیَامَۃِ أَکْثَرُھُمْ عَلَيَّ صَلاۃً. (رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز تم لوگوں میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتا ہو۔

افادات:- اس روایت سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب کے حصول کا پتہ چلتا ہے، اس لئے آدمی کو اس کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے

۱۳۹۹:-وعن أوس بن أوس - رضی اللہ تعالیٰ عنہ -، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ:

((إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ)). قَالَ: قالوا: يَارسول الله، وَكَيفَ تُعْرَضُ صَلاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرَمْتَ؟! قَالَ: يقولُ: بَلِيتَ. قَالَ: إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ. (رواه أبو داود بإسنادٍ صحيح)

ترجمہ:- حضرت اُوس بن اُوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ ہے، اس دن میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجو، اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا، حالاں کہ آپ تو انتقال کے بعد مٹّی میں مل چکے ہوں گے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر نبیوں کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔

افادات:- یعنی تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ دوسرے لوگوں کے جسم مٹّی میں مل جاتے ہیں لیکن نبیوں کے جسم محفوظ رہتے ہیں۔

اس کی ناک غبار آلود ہو

۱۴۰۰:-وعن أَبي هريرة رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ:

((رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ. (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس آدمی کی ناک غبار آلود ہو اور مٹّی میں ملے؛ جس کے سامنے میرا تذکرہ کیا گیا لیکن اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا فرمائی کہ ایسا آدمی ذلیل ورسوا ہو۔)

میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ

۱۴۰۱:–وعنہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہ-، قَالَ: قَالَ رسول اللہ ﷺ: ((لاتَجْعَلُوا قَبْرِی عِیداً، وَصَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّ صَلاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ)). (رواه أبوداود بإسنادٍ صحيح)

ترجمہ:– حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ (یعنی عرس کی طرح جمع ہونے کا اہتمام نہ کرو، بلکہ) میرے اوپر درود بھیجو، اس لئے کہ جہاں کہیں سے بھی تم مجھ پر درود بھیجو گے، وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں فرشتے اس کو پیش کرتے ہیں)۔

میں سلام کا جواب دیتا ہوں

۱۴۰۲:– عنہ: أَنَّ رسول اللہ ﷺ قَالَ: ((مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلاَّ رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ)) (رواه أبو داود بإسنادٍ صحيح)

ترجمہ:– حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

بخیل ہے وہ آدمی

۱۴۰۳:– عن علیؓ- رضی اللہ عنہ- قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((البَخِيلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ)). (رواه الترمذی، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:– حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بخیل ہے وہ آدمی جس کے سامنے میرا تذکرہ کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

افادات:- ظاہر ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو احسانات پوری انسانیت کے اوپر ہیں کہ آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پوری امّت کو چاہے وہ امّتِ دعوت ہو، یا امّتِ اجابت؛ عمومی عذاب سے محفوظ رکھا ہے۔ اور ویسے بھی کائنات کے وجود میں آنے کا ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بنے، اور خاص کر اہلِ ایمان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائیں وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ اور طفیل ہی میں دی گئی ہیں، اتنے بڑے محسن کا جب تذکرہ کیا جائے تو اس کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ کے حق کی ادائیگی اور احسان شناسی کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا اہتمام کیا جاتا۔ یعنی خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں اگر کوئی تاکید نہ فرماتے تب بھی ہمیں خود ہی چاہیے تھا کہ آپ کے ان احسانات کو مدّنظر رکھتے ہوئے اور آپ کا حق سمجھ کر اس کی ادائیگی کے طور پر درود کا اہتمام کرتے، چہ جائیکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اور خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تاکید فرمائی جیسا کہ اوپر گزرا۔ اس لئے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ ہو اور کوئی درود نہ بھیجے تو ایسے آدمی کے بخیل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ اور اس سے بڑا بخیل اور کون ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کے لئے صرف دو چھٹانک کی زبان ہلانی تھی اس میں بھی اس نے بخل سے کام لیا، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بخیل سے تعبیر فرمارہے ہیں۔ اور ایسے آدمی کے لیے حضرتِ جبرئیل علیہ السلام نے بھی بددعا فرمائی ہے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر آمین فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی آدمی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ مبارک سنے تو اس کو درود شریف پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اس نے جلد بازی کی

۱۴۰۴:- وعن فَضَالَةَ بنِ عُبَيْدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: سَمِعَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

رَجُلاً یَدْعُو فی صَلاَتِهِ لَمْ یُمَجِّدِ اللّٰه تَعَالٰی، وَلَمْ یُصَلِّ عَلَى النّبِیِّ ﷺ . فَقَالَ رسُولُ اللّٰه ﷺ: ((عَجِلَ هٰذَا)) ثُمَّ دَعَاهُ، فَقَالَ لَهُ - أَوْلِغَیْرِهِ -: ((إِذَا صَلَّی أَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَأْ بِتَحْمِیدِ رَبِّهِ سُبْحَانَهُ، وَالثَّنَاءِ عَلَیْهِ، ثُمَّ یُصَلِّی عَلَى النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ یَدْعُو بَعْدُ بِمَا شَاءَ. (رواه أبو داود والترمذی، وقال: ((حدیث حسن صحیح)).

ترجمہ:- حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک آدمی کو دعا کرتے ہوئے سنا جو اپنی نماز میں دعا کر رہا تھا، لیکن اس نے دعا سے پہلے نہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور بزرگی بیان کی، اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس آدمی نے جلد بازی کی (یعنی دعا کا جو طریقہ ہے وہ صحیح طور پر بجا نہیں لایا) پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو بلا کر، یا کسی دوسرے کے ذریعہ اس سے فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی جب نماز پڑھے اور دعا کرے تو اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے شروع کرے پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجے، پھر جو چاہے دعا کرے۔

افادات:- نماز میں بھی دعا کے مواقع ہیں جیسے آخری قعدہ میں تشہد کے بعد دعا کی جاتی ہے، نفل نمازوں کے سجدوں میں بھی دعا کی اجازت ہے۔ دعا کے لئے جن آداب کا اہتمام کرنا چاہیے اور جو چیزیں دعا کو قبولیت سے قریب کرنے والی ہیں ان کو انجام دیئے بغیر ہی جو آدمی دعا میں لگ گیا تو گویا اس نے بڑی جلد بازی کی۔

اور درود بھیجنے کا جو طریقہ بتلایا گیا ہے اس میں گویا ہمیں اس بات کا احساس دلایا گیا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنے والا عمل اتنا اونچا ہے کہ بندہ خود انجام دے ہی نہیں سکتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنے کا جب حکم دیا گیا تو یوں سکھلایا گیا کہ اس طرح کہو: اے اللہ! تو اپنی رحمتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل فرما۔ گویا ہم تو اس لائق نہیں ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنے کا حق ادا

کرسکیں، اس لیے ہم آپ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہی اپنی شایانِ شان رحمت اپنے حبیب ﷺ پر بھیجئے۔

ہر عمل میں قبول اور رَد کا احتمال ہے؛ سوائے درود شریف کے

اور حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ہر عمل میں دونوں احتمال ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ قبول ہو، اور ہوسکتا ہے رد کردیا جائے، اور دعا بھی ایک عمل ہے اس میں بھی یہی دونوں احتمال ہیں، لیکن نبیٔ کریم ﷺ پر درود بھیجنا ایسا عمل ہے کہ اس میں رد ہونے کا سوال ہی نہیں ہے، بلکہ وہ تو قبول ہی ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے آدمی دعا سے پہلے نبیٔ کریم ﷺ پر درود بھیجے گا تو اس کے بعد کچھ اور دعائیں بھی کرے گا، اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جیسے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد درود ہوتا ہے، اسی طرح دعا کے آخر میں بھی درود ہونا چاہیے، اور جب درود قبول ہی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی سے یہ بعید ہے کہ دعا کا شروع حصہ قبول کرے اور آخر کی دعا بھی قبول کرے، لیکن بیچ کی دعا قبول نہ کرے۔ اس لیے دونوں طرف شروع اور آخر میں درود شریف پڑھنا دعا کو قبولیت کے قریب کرنے والا ہے، اسی لئے دعا کے آداب میں ایک ادب یہ بھی بتلایا گیا ہے۔

درود کس طرح بھیجیں؟

۱۴۰۵:- وعن أَبی محمدٍ کعبِ بن عُجْرَۃ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا النبیُّ ﷺ فَقُلْنَا: يَارَسُولَ اللهِ! قَدْ عَلِمْنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ، فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ قَالَ: قُولُوا: اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ

عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ. اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ پر کس طرح سلام پڑھا جائے وہ تو ہمیں معلوم ہے (جو ہم تشہد میں پڑھتے ہیں) اب ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس طرح کہو: اے اللہ! رحمت بھیج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آل پر جیسا کہ آپ نے رحمت بھیجی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر، بیشک آپ ستودہ صفات اور بزرگی والے ہیں۔ اور اے اللہ! برکت بھیج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آل پر جیسا کہ آپ نے برکت بھیجی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر، بیشک آپ ستودہ صفات اور بزرگی والے ہیں۔

افادات:- بعض روایتوں میں یہ آتا ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس روایت کے نقل کرنے والے تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تم کو ایک ہدیہ نہ دوں، تمہاری خدمت میں ایک تحفہ پیش نہ کروں؟ ہم نے کہا: ضرور پیش کیجئے، تو انہوں نے یہ روایت بیان کی۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ اے ایمان والو! تم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود اور سلام بھیجو۔ تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام کس طرح بھیجنا چاہیے وہ تو ہمیں معلوم ہے، جیسا کہ مجلس میں حاضر ہوتے ہیں تو ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' کہتے ہیں، اسی طرح نماز میں تشہد کے اندر ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' ہے، لیکن اس آیت

میں اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ یعنی درود بھیجنے کا بھی حکم دیا ہے، اور اس کا طریقہ ہمیں معلوم نہیں، اب آپ بتائیے کہ ہم درود کیسے بھیجیں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ طریقہ سکھایا جو اوپر روایت میں گزرا۔

یہاں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ کے یہاں سے جو رحمتیں اور برکتیں نازل کی گئی تھی ان کا حوالہ دیا گیا، یہ محض تفہیم کے لئے ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے وہ افضل ہی ہو، جیسے قرآنِ پاک میں ہے: ﴿اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ﴾ اللہ تعالیٰ کے نور کو ایک چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا نور اس کی شایانِ شان ہے۔

درودِ ابراہیم کی تعلیم

۱۴۰۶:- وعن أبي مسعودٍ البدري - رضي الله عنه -، قال: أتانا رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم، ونحنُ في مجلسِ سعدِ بن عُبادةَ - رضي الله عنه -، فقال لهُ بشيرُ بنُ سعدٍ: أمرَنا اللهُ تعالى أنْ نُصلِّيَ عليكَ يا رسولَ اللهِ، فكيفَ نُصلِّي عليكَ؟ فسكتَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم حتى تمنَّينا أنَّهُ لم يسألْهُ، ثمَّ قال رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((قُولوا: اللَّهُمَّ صلِّ على مُحمَّدٍ، وعلى آلِ مُحمَّدٍ، كما صلَّيتَ على آلِ إبراهيمَ، وبارِكْ على مُحمَّدٍ وعلى آلِ مُحمَّدٍ، كما باركتَ على آلِ إبراهيمَ، إنَّكَ حميدٌ مجيدٌ، والسَّلامُ كما قدْ عَلِمْتُمْ)). (رواه مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں (یہ ایک انصاری صحابی ہیں جو مقامِ بدر میں قیام پذیر تھے، اور غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے

اس لئے ان کو بدری کہتے ہیں) ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے (حضرت سعد بن عبادہؓ انصار کے قبیلۂ خزرج کے سرداروں میں سے ہیں، اور جو بڑے لوگ ہوتے ہیں ان کی مجلسیں ہوا کرتی ہیں جہاں دوسرے لوگ بھی آ کر بیٹھتے ہیں۔ تو ہم سیّد الخزرج حضرت سعد بن عبادہؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ ﷺ تشریف لائے تو) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت بشیر بن سعد جو حضرت سعد بن عبادہؓ کے صاحبزادے ہیں انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم آپ پر درود بھیجیں، تو ہمیں اس کا طریقہ معلوم نہیں ہے، آپ بتلایئے۔ اس سوال کے جواب میں نبیٔ کریم ﷺ خاموش رہے، اور آپ اتنی دیر تک خاموش رہے کہ ہم دل میں تمنّا کرنے لگے کہ کاش سوال کرنے والے نے سوال نہ کیا ہوتا (یہ بھی حضراتِ صحابہ کی نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ انتہائی محبت اور تعلق کی بات ہے۔ کبھی کوئی آدمی حضور اکرم ﷺ سے کوئی بات پوچھتا اور اس کے جواب میں دیر ہو جاتی تو صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ تمنّا کرتے کہ کاش اس نے یہ نہ پوچھا ہوتا، اس لئے کہ دیر ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاید حضور اکرم ﷺ کو یہ سوال ناگوار گزرا ہو اور آپ اس کا جواب دینا پسند نہیں فرما رہے ہیں) پھر کچھ دیر بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ یوں کہو: ''اے اللہ! درود اور رحمت نازل فرما محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی آل پر، جیسا کہ آپ نے رحمت بھیجی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر۔ اور اے اللہ! برکتیں نازل فرما محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر، جیسا کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر۔ بیشک آپ ستودہ صفات اور بزرگی والے ہیں۔ اور سلام کا طریقہ تو تمہیں معلوم ہی ہے۔

افادات:- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے درود شریف کا جو طریقہ بتلایا اس سلسلہ میں آپ پر وحی نازل ہوئی اس کے بعد ہی بتلایا۔

اس درود شریف کو ''درودِ ابراہیم'' بھی کہتے ہیں، اور درودِ ابراہیم کے مختلف صیغے ہیں جو حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں، ان میں سب سے مکمل صیغہ وہی ہے جو ہم نمازوں میں پڑھتے ہیں: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' اس کے علاوہ بھی معمولی فرق کے ساتھ دیگر صیغے آئے ہیں وہ سب ہی ''درودِ ابراہیم'' کہلاتے ہیں۔ ہر وہ درود جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھیجے جانے والے درود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھیجے گئے درود کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے؛ وہ سب ''درودِ ابراہیم'' ہی ہیں، اور تمام درودوں میں سب سے افضل درود ''درودِ ابراہیم'' ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب درود کا طریقہ پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی بتلایا۔

ویسے کسی بھی درود شریف کے پڑھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا حق ادا ہوجائے گا، لیکن جو صیغے غیر ماثور ہیں وہ ان درودوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے نقل کئے گئے ہیں۔ اور جو ماثور درود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کئے گئے ہیں ان میں بھی سب سے افضل ''درودِ ابراہیم'' ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، اور اس پر سب حضرات علماء کا اتفاق ہے۔

۱۴۰۷:- وعن أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالُوا: يَارسولَ الله! كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ قَالَ: ((قُولُوا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى أَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى أَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ)). (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: یوں کہو: اے اللہ! تو درود اور رحمت بھیج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اور آپ کی بیویوں پر اور آپ کی اولاد پر، جیسا کہ آپ نے درود بھیجا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر۔ اور برکتیں نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اور آپ کی بیویوں پر اور آپ کی اولاد پر، جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر بیشک آپ خوبیوں والے اور بزرگی والے ہیں (یہ بھی ''درودِ ابراہیم'' ہی ہے)

درود شریف بہت ہی بابرکت عمل ہے

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں درود شریف کے متعلق کچھ روایتیں پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی درود شریف کے بڑے فضائل ہیں، اس سلسلہ میں حضراتِ علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ عربی زبان میں علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''القول البدیع'' بڑی مشہور و معروف اور بڑی تفصیلی کتاب ہے۔ اردو زبان میں حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کی ''زادُ السعید'' اور ہمارے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ''فضائلِ درود'' لکھی ہے جو آپ سب پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں۔

بہرحال! ہر آدمی کو درود شریف کا بہت ہی اہتمام کرنا چاہیے، یہ بہت ہی بابرکت عمل ہے۔ زندگی میں ایک مرتبہ تو درود شریف پڑھنا فرض ہے، اور کسی مجلس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ آئے اس وقت بھی درود شریف پڑھنا چاہیے۔ اب جس مجلس میں بار بار تذکرہ آئے تو بار بار پڑھیں یا ایک مرتبہ پڑھنا کافی ہے؟ تو اس سلسلہ میں بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ جب بھی تذکرہ آئے ہر مرتبہ پڑھنا چاہیے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں اگر بار بار تذکرہ آئے تو ایک مرتبہ تو پڑھنا واجب

ہے، اور ہر مرتبہ پڑھنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

اور ویسے بھی اذکار کی لائن سے جو مختلف کلمات جیسے: تیسرا کلمہ، چوتھا کلمہ، استغفار اور دیگر کلمات جن کے فضائل مختلف احادیث میں آئے ہیں، ہم پڑھتے ہی ہیں وہیں درود شریف کا بھی ایک معمول ہمیں بنالینا چاہیے، نبیٔ کریم ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔

پریشانی و مصیبت سے نجات کا عمل

ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی کسی پریشانی و مصیبت اور تکلیف میں گرفتار ہو تو اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے سب سے اچھا طریقہ درود شریف کی کثرت ہے، اس لئے کہ جب کوئی امّتی درود شریف پڑھتا ہے تو فرشتے اس درود کو اس کی طرف سے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں بطورِ ہدیہ اور تحفہ کے پہنچاتے ہیں، اور حضورِ اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ اپنی حیاتِ طیبہ میں یہ تھی کہ جب کوئی آدمی آپ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا تھا تو ہمیشہ آپ ﷺ اس کے بدلہ میں اس سے بہتر چیز عطا فرمایا کرتے تھے، آپ ﷺ کی شانِ کریمی کا یہ ایک عام معمول تھا، اب آپ ﷺ کی وفات کے بعد قبرِ شریف میں فرشتے امّتی کا وہ درود شریف والا ہدیہ اور تحفہ خدمتِ اقدس میں پیش کریں گے تو ظاہر ہے کہ آپ ﷺ اپنی عادتِ شریفہ کے مطابق اس کا بدلہ ضرور دیں گے، اور جب امتی درود شریف کا ہدیہ بھیجے گا تو آپ ﷺ دعا کی شکل میں بدلہ دیں گے، اس کی برکت سے پریشانیاں اور مصیبتیں دور ہو جائیں گی۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی آدمی حضورِ اکرم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتے ہیں، دس درجات بلند ہوتے ہیں اور دس گناہ معاف

ہوتے ہیں۔ درود شریف کے اور بھی بے شمار فوائد ہیں جن کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے ’’فضائلِ درود‘‘ میں ذکر کئے ہیں۔ تو درود شریف بڑی اونچی چیز ہے

جس نے جو کچھ بھی پایا درود شریف کی کثرت ہی سے پایا

بعض اکابر تو فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ بھی پایا وہ درود شریف کی کثرت ہی سے پایا۔ اور ہمارے اکابر کے یہاں یہ معمول رہا ہے کہ اپنے منتسبین کو اپنے معمولات میں درود شریف کی کثرت کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روزانہ کم سے کم تین سو (۳۰۰) مرتبہ درود شریف پڑھنے کا اہتمام کرے کہ کثرت سے درود شریف پڑھنے کی فضیلت ہے، اور کثرت کی کم سے کم تعداد تین سو (۳۰۰) ہے۔

ہمارے اسلاف اور متقدمینِ علماء میں ایک بڑے عالم علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں جن کی بے شمار تصانیف ہیں، علم کا کوئی فن ایسا نہیں ہے جس میں ان کی تصنیف نہ ہو، وہ اپنی عمر کے چالیس سال تک تصانیف میں مشغول رہے اور پھر فارغ ہو کر عبادات میں مشغول ہو گئے تھے۔

ان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بیداری کی حالت میں بھی بار بار ہوتی تھی، وہ بیسیوں مرتبہ بیداری کی حالت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرّف ہوئے ہیں، اور خواب میں بھی یہ سعادت میسر ہوتی تھی۔ ان سے پوچھا گیا کہ: آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت نصیب فرمائی ہے کہ بیداری میں بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرّف ہوتے رہتے ہیں؛ لہٰذا ہمیں بتلائیے کہ آپ کو یہ رتبہ کس عمل کی بدولت نصیب ہوا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ: ایسا کوئی خاص عمل نہیں ہے، البتہ میں دن رات میں کثرت سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درودِ پاک پڑھنے کا اہتمام کرتا ہوں؛

شاید اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل فرمایا ہو۔

اور کسی آدمی کو خواب میں نبیٔ کریم ﷺ کی زیارت کا ہو جانا بڑی سعادت کی بات ہے، اور اس کا سب سے بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی اتباعِ سنّت کا اہتمام کرے، حضورِ اکرم ﷺ کے طریقوں اور سنتوں کو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اختیار کرنے اور اپنانے کی بھرپور کوشش اور اہتمام کرے، اس کی برکت سے خود بخود حضورِ اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوگی۔ ویسے حضراتِ علماء نے زیارت حاصل کرنے کے لئے کچھ مخصوص طریقے بھی لکھے ہیں، ان میں سے بعض طریقے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے ”فضائلِ درود“ میں بھی نقل کئے ہیں

خواب میں زیارت کا وظیفہ!

لیکن اس سلسلہ میں ہمارے اکابر کے مزاج اور ذوق مختلف رہے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے ایک آدمی نے آ کر عرض کیا کہ حضرت! کوئی ایسا وظیفہ بتلا دیجئے کہ خواب میں حضورِ اکرم ﷺ کی زیارت ہو جائے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا: بھائی! ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، تم بڑے حوصلے والے ہو کہ اس کے متعلق وظیفہ پوچھ رہے ہو۔ کیوں کہ حضورِ اکرم ﷺ کی زیارت کے آداب کی رعایت بھی کرنی چاہیے، ہوسکتا ہے کہ ہم سے وہ رعایت نہ ہو سکے، اس لئے بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ آدمی سنتوں کا خوب اہتمام کرے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود بخود زیارت کرائی جائے گی، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نعمت دی جائے گی تو آداب کی ادائیگی کا اہتمام بھی کرایا جائے گا۔

اکابر کا صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کا معمول

ہمارے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لئے جالی مبارک کے سامنے نہیں جاتے تھے، بلکہ اقدامِ عالیہ (یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمِ مبارک جس طرف ہیں) حضرت ہمیشہ وہیں سے سلام پیش کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ کبھی سامنے جانے کی ہمت نہ ہوئی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب سلام کے لئے حاضری دیتے تھے تو دور کا جو ستون ہے اس کے پیچھے مارے حیا کے چھپ کر کھڑے ہوتے تھے۔ ہمارے بزرگوں کی یہ بھی مختلف شانیں ہیں۔

میری طرف سے لوگوں کو بتلا دو

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جالی مبارک کے قریب جاتے ہیں اور چمٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے جی میں خیال آیا کہ سب لوگ جالی کے قریب جاتے ہیں، تو کیوں نہیں جاتا؟ تو تو بڑا محروم ہے۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ حجرہ کے اندر سے گویا ایک آواز آرہی ہے کہ: ''میری طرف سے لوگوں کو بتلا دو، جو آدمی میری سنتوں کا اہتمام کرتا ہے وہ مجھ سے قریب ہے؛ چاہے ہزاروں میل دور رہتا ہو۔ اور جو آدمی میری سنتوں کا اہتمام نہیں کرتا وہ مجھ سے دور ہے؛ چاہے میری جالی سے چمٹا ہوا کیوں نہ ہو۔ حقیقت تو یہی ہے۔

مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہی لوگ ہیں

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

جب یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا، اس وقت ان کو سواری پر سوار کرایا اور حضور اکرم ﷺ خود پیدل تشریف لے جا کر ان کو رخصت فرما رہے تھے، اس موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: اے معاذ! شاید آئندہ تمہاری ہم سے ملاقات نہ ہو، اور میری قبر پر سے تمہارا گزر ہو۔ یہ سن کر حضرت معاذ رونے لگے، حضور اکرم ﷺ کی مبارک آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے، آپ ﷺ نے اپنا چہرۂ انور مدینہ منورہ کی طرف پھیر لیا اور یہ بات ارشاد فرمائی: ''إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي الْمُتَّقُونَ مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ كَانُوا'' مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہی لوگ ہیں جو گناہوں سے بچنے والے ہیں جو لوگ بھی ہوں اور جہاں کہیں بھی رہتے ہوں (مسند احمد)

سب سے بڑی سعادت کی بات

ظاہر ہے کہ ہر مسلمان حضورِ اکرم ﷺ کا حقیقی قرب چاہتا ہے، اور وہ سنّت ہی کے ذریعہ حاصل ہوگا، اس لئے کوشش یہی کرنی چاہیے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ خواب میں نبیٔ کریم ﷺ کی زیارت بھی کرا دے گا۔ اور اگر زندگی بھر زیارت نہ بھی ہوئی تو اس بات سے اپنے آپ کو محروم سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے سنتوں کی ادائیگی کے اہتمام کی توفیق مل جانا ہی سب سے بڑی سعادت کی بات ہے جو حاصل ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو اس دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

كِتَابُ الْأَذْكَارْ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بَابُ فَضْلُ الذِّكْرِ وَالْحَثِّ عَلَيْه

ذکر کی فضیلت اور اس کی ترغیب

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَلَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ. (العنکبوت:۴۵)

وَقَالَ تَعَالٰی: فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ. (البقرۃ:۱۵۲)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ فِیۡ نَفۡسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیۡفَۃً وَّدُوۡنَ الۡجَہۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ وَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِیۡنَ. (الاعراف:۲۰۵)

یہاں سے ایک مستقل عنوان ''کتاب الاذکار'' شروع کر رہے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے متعلق جو مختلف ترغیبات قرآنِ پاک اور احادیث میں مختلف انداز سے آئی ہیں ان کو مختلف ابواب اور عنوانات کے ماتحت بیان کریں گے۔ چناں چہ پہلا باب قائم کیا ہے: ''فَضۡلُ الذِّکۡرِ وَالۡحَثِّ عَلَیۡہِ'' ذکر کی فضیلت اور اس کی ترغیب۔

اللہ کا ذکر ہی کائنات کی روح ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر ہی کائنات کی روح ہے، ساری کائنات کا وجود اسی پر قائم ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر کی برکت، اس کی لذت وحلاوت، اس کا سرور اور اس سے حاصل ہونے والی طمانینت وغیرہ چیزیں مستقل ہیں، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی لذت لے چکے ہیں وہی اس کو محسوس کر سکتے ہیں۔ اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کا ذکر کرنے کی تاکید اور فضیلت نہ ہوتی تب بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے

احسانات وانعامات کا تقاضہ تھا کہ آدمی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا، چہ جائیکہ قرآنِ پاک میں بےشمار آیتوں اور کتبِ احادیث میں بےشمار روایتوں کے اندر ذکر کی تاکید اور فضیلت وارد ہوئی ہے۔

ہنوز نامِ تو گفتن......

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کی عظمت، بڑائی وکبریائی کے پیشِ نظر تو بندوں کی گندی زبانیں اس قابل نہیں تھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لیتیں، جیسے: فارسی کے ایک شاعر نے کہا ہے:-

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب ❁ ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بےادبی ست

اگر مَیں اپنے منھ کو مشک اور گلاب سے ہزار بار دھوؤں تب بھی اے اللہ تیرا نام لینا نہایت ہی بےادبی ہے۔ درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لینے کی ہماری زبانوں میں استعداد اور صلاحیت ہی نہیں ہے، یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم اور احسان ہے کہ بندوں کو اپنا نام لینے اور ذکر کرنے کی اجازت ہی نہیں؛ بلکہ حکم دیا ہے۔ اور ایسی بات نہیں ہے کہ اس حکم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا کوئی فائدہ پوشیدہ ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات تو بےنیاز ہے، وہ کسی فائدہ کی محتاج نہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لینے میں ہمارا ہی فائدہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لینے سے ہماری ہی گندگیاں دور ہوتی ہیں۔ جیسے: سبحان اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، تو مولانا روم فرماتے ہیں:

من نہ گردم پاک از تسبیحِ شاں ❁ پاک ہم ایشاں شوند وُ درفشاں

مولانا روم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ: بندوں کی تسبیح اور ان کے میری پاکی بیان کرنے سے؛ مَیں پاک نہیں ہوتا، بلکہ میری پاکی بیان کرنے سے

خود وہی پاک ہوتے ہیں، میرا نام لینے کی وجہ سے ان کی ہی گندگیاں دور ہوتی ہیں اور میرا نام لینے کی وجہ سے انہیں کے اندر کمالات اور خوبیاں پیدا ہوتی ہیں۔

تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لینا بندوں کے لئے بڑی سعادت کی بات ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے صرف اجازت مل جاتی تب بھی بڑی بات تھی، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا۔

اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں

چناں چہ ذکر اللہ کے سلسلہ میں جو آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ وارد ہوئی ہیں ان میں سے کچھ ہی یہاں پیش کرتے ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''فضائلِ ذکر'' میں بہت ساری آیتیں پیش فرمائی ہیں جو ہم اور آپ تعلیم کے حلقوں میں سنتے رہتے ہیں۔ پھر حضرتؒ نے مخصوص کلمات کے فضائل کے لئے بھی بے شمار آیتیں پیش کی ہیں اور اس کے بعد احادیث بھی پیش کی ہیں۔ یہاں علامہ نووی بھی چند آیتیں پیش کرنے کے بعد فرمادیں گے: ''وَالآيَاتُ فِي الْبَابِ كَثِيرَةٌ مَعْلُومَةٌ''۔

پہلی آیت لائے ہیں: ﴿وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ﴾ اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، یعنی اگر کسی آدمی کو اللہ کا ذکر کرنے کی توفیق وسعادت مل جائے تو یہ اس کے حق میں بہت بڑی چیز ہے، اس سے بڑی اور کوئی نعمت نہیں ہوسکتی۔

باری تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ تم مجھے یاد کرو؛ میں تمہیں یاد رکھوں گا۔

باری تعالیٰ حکم دیتے ہیں: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ وَلاَ تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِينَ﴾ تم اپنے رب کو اپنے

دل میں یاد کرو صبح وشام، عاجزی کی حالت میں گڑگڑاتے اور ڈرتے ہوئے کہ آواز میں پستی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو جاؤ۔

﴿وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہی ساری کامیابی اور خوبیوں کی جڑ ہے، جتنی بھی عبادتیں ہیں اور اوامر ونواہی کے قبیل کے جتنے بھی احکامات دئے گئے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی یاد ہی کے لئے ہیں۔

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ ..... إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى ..... وَالذَّاكِرِينَ اللهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيمًا﴾ سورۂ احزاب میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے کچھ اوصاف وخوبیاں بیان کی ہیں ان میں ایک یہ ہے: ﴿وَالذَّاكِرِينَ اللهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ﴾ وہ مرد جو اللہ تعالیٰ کو بہت کثرت سے یاد کرتے ہیں اور وہ عورتیں جو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان مردوں اور عورتوں کے لئے مغفرت اور بہت بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے، قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو نوازا جائے گا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرو اور صبح اور شام اس کی پاکی بیان کرو۔

جن کا اوڑھنا بچھونا اور غذا ہی اللہ تعالیٰ کی یاد تھی

اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی اصل ہے، اللہ کے ایسے بندے بھی گزرے ہیں کہ ان کا اوڑھنا بچھونا اور ان کی غذا اللہ تعالیٰ کی یاد تھی، بڑے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے ''فضائلِ رمضان'' اور ''اکابر کا رمضان'' میں واقعہ لکھا ہے

کہ: رمضان میں چائے کی چند فنجان نوش فرماتے تھے، وہی آپ کی غذا ہوتی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ: الحمدللہ اب تو جنّت کا مزہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ان کے لئے غذا تھی۔ قربِ قیامت میں جب دجال کا ظہور ہوگا تو ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ اہلِ ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی غذا کا کام دے گا، جب اس وقت غذا کا کام دے گا تو دیگر اوقات میں بھی غذا کا کام دے سکتا ہے۔

ذکر اللہ کی حلاوت ولذت

اور اس میں حلاوت اور لذت بھی ہے۔ حضرت سائیں توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک بزرگ تھے، پنجاب میں انبالہ کے رہنے والے تھے، وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے تھے کہ: جب اللہ کا نام لیتا ہوں تو پورا منھ شکر سے بھر جاوے ہے۔ گویا ان کو معنوی نہیں بلکہ حسّی مٹھاس کا احساس ہوتا تھا:-

اللہ اللہ ایں چہ شیریں ہست نام شیر و شکر می شود جانم تمام

بہرحال! اللہ تعالیٰ کے نام کو آدمی حرزِ جان بنالے اور اس کا خوب اہتمام کرے۔

اللہ تعالیٰ کی ہر ''اطاعت'' ذکر ہے

۱۴۰۸:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ((كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ)). (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے ہیں (یعنی ان کی ادائیگی مشکل نہیں ہے، چھوٹے

اور مختصر ہیں آدمی بڑی آسانی سے ادا کرلیتا ہے) نامۂ اعمال جس ترازو میں تولے جائیں گے اس میں بہت بھاری ہیں (یعنی ان کلمات کے پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ثواب ملے گا وہ اتنا زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے میزانِ عمل وزنی ہو جائے گا) اللہ تعالیٰ کو بہت پسند اور پیارے ہیں (اس لیے جو آدمی ان کو پڑھے گا وہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے گا) وہ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ'' ہیں۔

افادات:- اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مختلف شکلیں ہیں، ایک تو یہی کلمات ہیں جو حدیث میں آئے، اس کے علاوہ کلمۂ طیبہ، تسبیح یعنی سبحان اللہ، تحمید یعنی الحمدللہ، تہلیل یعنی لا الٰہ الا اللہ، اور تکبیر یعنی اللہ اکبر؛ یہ سب ذکر ہی کے کلمات ہیں، اسی طرح درود شریف بھی ذکر میں شامل ہے، قرآنِ پاک کی تلاوت بھی ذکر میں داخل ہے، بلکہ آدمی کی طرف چوبیس گھنٹے اللہ تعالیٰ کے جو بھی اوامر اور نواہی متوجہ ہوتے ہیں، جیسے: نماز کے وقت میں نماز ادا کرنے کا حکم، اگر صاحبِ مال ہے تو اس کے وقت پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم، اسی طرح بندوں کے آپس کے حقوق کی ادائیگی کا حکم وغیرہ وغیرہ متوجہ ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس لائن سے جو بھی احکام دئے گئے ہیں ان سارے احکام کو بجالانا، یا جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے، جیسے: بدنگاہی اور بدزبانی سے بچانا، اسی طریقہ سے زنا، چوری، شراب نوشی اور دوسرے تمام گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا، جیسے: بازار میں نکلے تو نفس کہتا ہے کہ بدنگاہی کا ارتکاب کرو، اس وقت آدمی یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ نفس کہتا ہے کہ گانا سنو، تو اس سے اپنے آپ روکنا، خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موقعہ بہ موقعہ جن جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے اپنے آپ کو بچانا اور جن جن احکام کی بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے ان کو انجام دینا؛ اسی کو ''اطاعت'' کہا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ہر اطاعت ذکر میں داخل ہے۔

سب سے محبوب کلمات

۱۴۰۹:-وعنه -رضی الله عنه- قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: لأَنْ أَقُولَ: سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں یہ کلمات "سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ" کہوں، یہ میرے نزدیک سورج جن چیزوں پر طلوع ہوتا ہے (یعنی ساری کائنات، تمام دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے) ان سب سے محبوب اور پسندیدہ ہیں (تو اب ظاہر ہے کہ ساری کائنات مل کر بھی اس کی قیمت بن سکتی ہے؟)۔

چوتھا کلمہ شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

۱۴۱۰:-وعنه: أَنَّ رسُولَ الله ﷺ قَالَ: ((مَنْ قَالَ: لاإلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَشَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، فِي يَوْمٍ مِئَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وكُتِبَتْ لَهُ مِئَةُ حَسَنَةٍ، وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِئَةُ سَيِّئَةٍ، وَكَانَتْ لَهُ حِرْزاً مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذَلِكَ حَتَّى يُمْسِيَ. وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ إِلاَّ رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ)) وقال: ((مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، فِي يَوْمٍ مِئَةَ مَرَّةٍ، حُطَّتْ خَطَايَاهُ، وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ)). (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے یہ کلمات دن میں سو مرتبہ کہے (یعنی چوتھا کلمہ) "اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں،

وہی یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، سارا اختیار اسی کے قبضہ میں ہے، اور اسی کے لئے ساری خوبیاں اور تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے'' تو اس کو دس غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے سو گناہ معاف کئے جائیں گے، اور یہ کلمات اس دن شام تک اس کے لئے شیطان سے حفاظت کا ذریعہ بنیں گے۔ اور کوئی آدمی اس سے بڑھ کر اچھا عمل لے کر نہیں آسکتا مگر وہی جس نے اس سے زیادہ مرتبہ یہی کلمات پڑھے ہوں۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ کسی آدمی نے ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ'' ایک دن میں سو مرتبہ کہہ لئے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے چاہے سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

افادات:- جتنے بھی جنات اور شیاطین، اور آسیب وسحر کے اثرات ہوتے ہیں ان سے حفاظت کے اندر یہ کلمات بہت زیادہ مجرّب اور مفید ہیں، اس لئے کہ ساحرین بھی اپنے سحر کو شیاطین ہی کے ذریعہ لاگو کرتے ہیں اور اس کے لیے وہ لوگ پہلے شیاطین کی تعریف کرتے ہیں، ان کی خدمت میں کچھ چڑھاوے چڑھاتے ہیں، پھر انہیں سحر کے ذریعہ سامنے والے پر مسلّط کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ کلمات یعنی چوتھا کلمہ تمام شیطانوں سے حفاظت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

اور جیسا کہ پہلے بھی کئی مرتبہ بتلایا گیا ہے کہ ان جیسی عبادتوں سے چھوٹے گناہ معاف ہوتے ہیں، یہ اصول صرف صغائر یعنی چھوٹے گناہوں کے لئے ہے، بڑے گناہوں کے متعلق اصول وہی ہے کہ جب تک آدمی ان سے توبہ نہ کرے وہاں تک معاف نہیں ہوتے۔

چار عرب غلام آزاد کرنے کا ثواب

۱۴۱۱:- وعن أبي أيوب الأنصاريّ رضي الله عنه عن النّبيّ ﷺ قال:

((مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، عَشْرَ مَرَّاتٍ. كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ أَرْبَعَةَ أَنْفُسٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ))

(متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ”لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ دس مرتبہ کہا، اس کو ایسا ثواب ملے گا جیسا کہ اس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلاموں کو آزاد کیا (یعنی چار عرب غلام آزاد کرنے پر جو ثواب ملتا ہے وہ ثواب اس کو ملے گا)۔

افادات:- دیکھو! اگر ہمیں کسی دنیوی چیز کی لالچ دی جاتی ہے جو دنیوی اعتبار سے معمولی چیز ہوتی ہے، اس کو بھی حاصل کرنے کے لئے ہم بہت کچھ کر ڈالتے ہیں، اور ان چھوٹے چھوٹے کلمات کے پڑھنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اتنے بڑے بڑے ثواب دیئے جا رہے ہیں تو پھر اہلِ ایمان کو ان کی طرف کیسی رغبت کرنی چاہئے؟۔

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کلام

۱۴۱۲:- وعن أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَا أُخْبِرُكَ بِأَحَبِّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ؟ إِنَّ أَحَبَّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ.)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ جو کلام پسندیدہ اور محبوب ہے وہ میں تم کو نہ بتلاؤں؟ (پھر فرمایا:) اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کلام ”سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ“ ہے۔ (اس کلمہ کی بھی حدیث پاک میں بڑی فضیلت آئی ہے)۔

سبحان اللہ، الحمدللہ زمین وآسمان کے بیچ کے حصہ کو بھر دیتے ہیں

۱۴۱۳:-وعن أبي مالك الأشعري -رضي الله عنه- قَالَ: قَالَ رسولُ الله ﷺ: ((الطُّهورُ شَطْرُ الإيمانِ، وَالحَمْدُ للهِ تَمْلأُ الميزانَ، وَسُبْحَانَ اللهِ وَالحَمْدُ للهِ تَمْلآنِ -أَوْ تَمْلأُ- مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ)) (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پاکی حاصل کرنا ایمان کا آدھا حصہ ہے۔ اور ''الحمدللہ'' میزانِ عمل کو بھر دیتا ہے۔ سبحان اللہ اور الحمدللہ؛ یہ دونوں زمین اور آسمان کے بیچ کے حصہ کو بھر دیتے ہیں۔

افادات:- ترمذی شریف کی روایت میں ''نصف الایمان'' بھی آیا ہے، ویسے ''شطر'' کا لفظ آدھے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

آدھا ایمان کیوں؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں ایمان بول کر نماز مراد لی ہے کہ ایمان یعنی نماز جیسے قرآنِ کریم کی اس آیت ﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ میں ایمان بول کر نماز مراد لی گئی ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی ایمان بول کر نماز مراد لی گئی ہے، گویا نماز کا آدھا حصہ پاکی حاصل کرنا ہے، اگر آدمی پاکی حاصل کئے بغیر نماز پڑھے گا تو نماز معتبر ہی نہیں ہوگی۔

اور بعضوں نے کہا کہ یہاں ایمان بول کر ایمان ہی مراد ہے۔ اب ایمان کے اندر تو بے شمار اعمال ہیں، تو پھر پاکی کو آدھا ایمان کیوں قرار دیا گیا؟ تو علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایمان کا اور ہر ہر عمل کا ایک اصلی ثواب مقرر ہے کہ

فلاں عمل پر اتنا ثواب دیا جائے گا، پھر کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمل کرنے والے کے اخلاص اور رغبت، موقع ومحل کو دیکھ کر اس ثواب میں اضافہ اور زیادتی کی جاتی ہے، جو اس کا انعامی ثواب کہلاتا ہے۔تو گویا حضور اکرم ﷺ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ پاکی حاصل کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انعامی ثواب دیا جاتا ہے وہ ایمان کے اصلی ثواب کے آدھے کے برابر ہو جاتا ہے۔

مجھے کوئی کلام سکھلا دیجئے

۱۴۱۴:-وعن سعد بن أبي وقاصٍ-رضي الله عنه-قَالَ: جَاءَ أعْرَابِيٌّ إِلَى رَسولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: عَلِّمْنِي كَلاَماً أقُولُهُ. قَالَ: قُلْ: لاَ إِلٰـهَ إلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، اللهُ أكْبَرُ كَبِيراً، وَالحَمْدُ للهِ كَثِيراً، وَسُبْحَانَ اللهِ رَبِّ العَالِمِينَ، وَلاَ حَولَ وَلاَ قُوَّةَ إلاَّ بِاللهِ العَزِيزِ الحَكِيمِ. قَالَ: فهؤُلاءِ لِرَبِّي، فَمَا لِي؟ قَالَ: قُلْ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي، وَارْزُقْنِي. (رواه مسلم)

ترجمہ:-حضرت سعد بن أبي وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دیہاتی نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا کلام سکھلا دیجئے جو میں پڑھتا رہوں۔اس پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کلمات پڑھتے رہو: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، اَللهُ أَكْبَرُ كَبِيْراً، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْراً، وَسُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ" (یہ کلمات وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف اور اللہ تعالیٰ کی پاکی کا تذکرہ ہے) اس دیہاتی نے پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ سارے کلمات تو میرے رب کے لئے ہیں (یعنی ان میں تو اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی گئی ہے) میرے لئے کیا؟ (یعنی کوئی ایسا کلمہ بتلا دیجئے جس سے میری

حاجتیں پوری ہوں) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یوں کہا کرو: اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف کردے میرے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرما، مجھے ہدایت دے، اور مجھے روزی دے۔

نماز سے فارغ ہوکر پڑھے جانے والے مختلف کلمات

۱۴۱۵:-وعن ثوبانَ-رضی الله عنه-قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلاَتِهِ، اِسْتَغْفَرَ ثَلاثاً، وَقَالَ: ((اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلاَمُ، وَمِنْكَ السَّلاَمُ، تَبَارَكْتَ يَاذَا الجَلاَلِ وَالإِكْرَامِ)) قِيلَ لِلأَوْزَاعِيِّ-وَهُوَ أَحَدُ رواة الحديث: كَيْفَ الاسْتِغْفَارُ؟ قَالَ: يقول: أَسْتَغْفِرُ الله، أَسْتَغْفِرُ الله. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تھے (یعنی سلام پھیرتے تھے) تو تین مرتبہ استغفار فرماتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے: أَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (اس روایت کے راویوں میں) امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ (ہیں ان) سے کسی نے پوچھا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سے الفاظ سے استغفار فرماتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ یوں فرماتے تھے: ''أَسْتَغْفِرُ اللهَ، أَسْتَغْفِرُ اللهَ''۔

افادات:- معلوم ہوا کہ نماز کا سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ ''أَسْتَغْفِرُ اللهَ'' کہنا چاہیے، یہ بھی ذکر ہی کی ایک قسم ہے، اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔

۱۴۱۶:-وعن المغيرة بن شعبة رضی الله عنه: أَنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلاَةِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((لاَ إِلهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ المُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الجَدِّ مِنْكَ الجَدُّ)). (متفقٌ عَلَيْهِ.)

ترجمہ:- حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز

سے فارغ ہوتے تھے اور سلام پھیرتے تھے تو یہ کلمات پڑھتے تھے: اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ جو تو عطا فرمائے کوئی اس کو روک نہیں سکتا، جس چیز کو تو روک دے تو کوئی وہ دے نہیں سکتا، اور کسی مالدار کو اس کی مالداری نفع نہیں پہنچا سکتی۔

افادات:- یہ سب روایتیں اسی لئے پیش فرمارہے ہیں کہ آدمی کبھی یہ پڑھ لے، کبھی وہ پڑھ لے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عمل کا اہتمام کرے۔

۱۴۱۷:- وعن عبدِ الله بن الزُّبَيْرِ رضى الله تَعَالَى عنهما أنَّه كَانَ يَقُولُ دُبُرَ كُلِّ صَلاَةٍ، حِيْنَ يُسَلِّمُ: ((لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ. لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَلاَ نَعْبُدُ إِلاَّ إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الحَسَنُ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الكَافِرُونَ)) قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: وَكَانَ رَسُولُ الله ﷺ يُهَلِّلُ بِهِنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلاَةٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ ہر فرض کی نماز کے سلام پھیر کر یہ کلمات پڑھتے تھے: ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ، وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ“ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر فرض نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔

۱۴۱۸:- وعن أَبِي هريرة -رضى الله عنه-: أَنَّ فُقَرَاءَ المُهَاجِرِينَ أَتَوْا

رسُولَ اللهِ ﷺ فقالوا: ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثورِ بِالدَّرَجَاتِ العُلَى، وَالنَّعِيمِ المُقِيمِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَلَهُمْ فَضْلٌ مِنْ أَمْوَالٍ، يَحُجُّونَ، وَيَعْتَمِرُونَ، وَيُجَاهِدُونَ، وَيَتَصَدَّقُونَ. فَقَالَ: ((أَلاَ أُعَلِّمُكُمْ شَيْئاً تُدْرِكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ، وَتَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ، وَلاَ يَكُونُ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْكُمْ إِلاَّ مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ؟)) قالوا: بَلَى يَا رسول الله، قَالَ: ((تُسَبِّحُونَ، وَتَحْمَدُونَ، وَتُكَبِّرُونَ، خَلْفَ كُلِّ صَلاَةٍ ثَلاثاً وَثَلاثِينَ))

قَالَ أَبُو صالح الراوي عن أبي هريرة، لَمَّا سُئِلَ عَنْ كَيْفِيَّةِ ذِكْرِهِنَّ قَالَ: يقول: سُبْحَانَ اللهِ، وَالحَمْدُ للهِ والله أَكْبَرُ، حَتَّى يَكُونَ مِنْهُنَّ كُلُّهُنَّ ثَلاثاً وَثَلاثِينَ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

وزاد مسلمٌ في روايته: فَرَجَعَ فُقَرَاءُ المُهَاجِرِينَ إِلَى رسولِ الله ﷺ فقالوا: سَمِعَ إِخْوَانُنَا أَهْلُ الأَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوا مِثْلَهُ؟ فَقَالَ رسُولُ الله ﷺ: ((ذَلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ)).

((الدُّثُورُ)) جمع دَثْر -بفتح الدال وإسكان الثاء المثلثة- وَهُوَ: المال الكثير.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں فقراءِ مہاجرین حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مال والے بلند درجات کو لے اُڑے (انھوں نے بلند درجات پر قبضہ کرلیا اور ہمیشہ کی نعمتیں انھوں نے ہی حاصل کرلیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیسے؟) توانھوں نے عرض کیا: جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی نماز پڑھتے ہیں، جس طرح ہم روزہ رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں، ان کے پاس مال زیادہ ہے جس کے ذریعہ وہ حج وعمرہ کرتے ہیں، جہاد میں شریک ہوتے ہیں اور

اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں (ہمارے پاس تو مال ہے نہیں کہ ہم بھی یہ اعمال انجام دے سکیں) اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم کو ایسی چیز نہ سکھلاؤں جس پر عمل کر کے تم ان لوگوں کو پکڑ لو جو تم سے آگے بڑھ چکے ہیں، اور جو تمہارے بعد آنے والے ہیں ان سے تم آگے نکل جاؤ، اور تم سے کوئی آدمی افضل نہیں ہو سکتا مگر وہی جو اسی طرح کا عمل کرے؟ ان لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ضرور بتلائیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نماز کے بعد ۳۳ر مرتبہ تسبیح، ۳۳ر مرتبہ تحمید، اور ۳۳ر مرتبہ تکبیر کہہ لیا کرو۔

اس روایت کے ایک راوی ابو صالح ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا: تسبیح کیسے پڑھیں؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تینتیس مرتبہ یوں کہو: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ، (یہ سب ایک ساتھ بھی کہہ سکتے ہیں، اور ہر کلمہ کو الگ الگ بھی کہہ سکتے ہیں)۔

مسلم شریف کی روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس فقراءِ مہاجرین حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی وہ وظیفہ سن لیا اور وہ بھی اسی طرح کرنے لگے، اب تو وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

۱۴۱۹:- وعنہ، عن رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((مَنْ سَبَّحَ اللّٰہَ فِي دُبُرِ کُلِّ صَلَاۃٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ، وحَمِدَ اللّٰہَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ، وَ کَبَّرَ اللّٰہَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ، وقال تَمَامَ المِئَۃِ: لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ، لَہُ المُلْكُ وَلَہُ الحَمْدُ، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، غُفِرَتْ خَطَایَاہُ وَإِنْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ البَحْرِ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: جو آدمی ہر (فرض) نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ، تینتیس مرتبہ اللہ اکبر، اور سویں مرتبہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' پڑھے گا؛ تو اس کے سارے گناہ معاف کر دئے جائیں گے چاہے سمندر کی جھاگ کے مانند ہوں۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ گناہ چاہے کتنی ہی مقدار میں کیوں نہ ہوں، ان تسبیحات کی وجہ سے وہ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

پہلے بھی بتلایا تھا کہ ایسے اعمال پر جن گناہوں کی معافی کی بشارت سنائی گئی ہے، اس سے صغائر یعنی چھوٹے گناہ مراد ہیں، کبائر یعنی بڑے گناہ تو جب تک توبہ نہ کی جائے وہاں تک معاف نہیں ہوتے۔

مختلف تعداد کی وجہ

جو تسبیحات نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں اس سلسلہ میں روایتوں میں مختلف تعداد آئی ہے، ایک تو یہی ہے جو اس روایت میں گزرا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ''سبحان اللہ'' تینتیس (۳۳) مرتبہ، ''الحمد للہ'' تینتیس (۳۳) مرتبہ، اور ''اللہ اکبر'' چونتیس (۳۴) مرتبہ پڑھے۔ بعض روایات میں ان تسبیحات کی مقدار پچیس پچیس مرتبہ بھی آئی ہے۔ بعض میں گیارہ گیارہ کا عدد آیا ہے۔ بعض میں دس کا عدد وارد ہوا ہے، اور بعض میں تین بھی آیا ہے۔ ان سب روایات کو سامنے رکھ کر علماء نے فرمایا ہے کہ بعض مرتبہ آدمی عجلت میں ہوتا ہے، وقت کی تنگی ہوتی ہے؛ اس وقت جو قلیل مقدار ہے اسی کو اگر ادا کر لے گا تو ان شاء اللہ یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ جیسا موقعہ ہو اسی کے مطابق پڑھ لیا کرے۔

تسبیحاتِ فاطمی

روایتوں میں آتا ہے ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ غلام اور باندیاں آئیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو وہ یہ درخواست لے کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں (کہ اگر کوئی باندی خدمت کے لئے مل جائے تو گھر کے کام کاج میں کچھ راحت ہو جائے گی) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر پر تشریف فرما نہیں تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی بات کہی اور واپس اپنے گھر تشریف لے گئیں۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس مقصد کے لئے حاضر ہوئی تھیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی وقت رات کو ان کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم بستر پر لیٹ چکے تھے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے پر ہم نے اُٹھ کر بیٹھنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لیٹے رہو، پھر آپ ہم دونوں کے درمیان میں بیٹھ گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے اقدامِ عالیہ مبارکہ کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس سے بہتر چیز نہ بتلاؤں، اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تسبیحات ان کو بتلائیں۔ (ابوداود، ۲/۶۹۰، باب فی التسبیح عند النوم) اسی وجہ سے ان تسبیحات کو "تسبیحاتِ فاطمی" کا نام دیا گیا ہے۔

اس پر عمل کرنے پر جو وعدے اور بشارتیں بتلائی گئی ہیں وہ بھی مختلف ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں بتلایا گیا کہ ان کے پڑھنے کی وجہ سے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، چاہے کتنی ہی بڑی مقدار میں کیوں نہ ہوں۔ اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ دن بھر کے کام کاج کے نتیجہ میں آدمی کو جو محنت اور مشقّت لاحق ہوتی ہے اور بدن میں جو تھکن محسوس ہوتی ہے، رات کو سوتے وقت ان تسبیحات کے پڑھنے

کی وجہ سے وہ بھی دور ہو جائے گی۔

کبھی نقصان میں نہیں رہے گا

۱۴۲۰:- وعن كعب بن عُجْرَةَ- رضی اللہ تعالیٰ عنہ -عن رسولِ الله ﷺ قَالَ: ((مُعَقِّباتٌ لاَ يَخِيبُ قَائِلُهُنَّ- أَوْ فَاعِلُهُنَّ- دُبُرَ كُلِّ صَلاَةٍ مَكْتُوبَةٍ: ثَلاثٌ وَثَلاثونَ تَسْبِيحَةً. وَثَلاثٌ وثَلاَثونَ تَحْمِيدَةً، وَأَرْبَعٌ وَثَلاَثونَ تَكْبِيرَةً)) .رواه مسلم.

ترجمہ:- حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چند کلمات جو نماز کے بعد کہے جاتے ہیں ایسے ہیں کہ جو آدمی ہر فرض نماز کے بعد ان کو کہہ لیا کرے گا- یا فرمایا کہ ان کو کرلیا کرے گا- وہ کبھی گھاٹے اور نقصان میں نہیں رہے گا۔ اس میں فائدے ہی میں رہے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا: تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، بتلایا: تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ ''اللہ اکبر''۔

افادات:- دومنٹ کا کام ہے اس لیے ہر فرض نماز کے بعد اور سوتے وقت بھی اس کی عادت بنا لینی چاہیے۔

چند بری خصلتوں سے پناہ

۱۴۲۱:- عن سعد بن أَبي وقاص- رضي الله عنه-: أَنَّ رسولَ الله ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ دُبُرَ الصَّلَواتِ بِهؤُلاءِ الكَلِمَاتِ: أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعوذُبِكَ مِنَ الجُبْنِ وَالبُخْلِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ العُمُرِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ القَبْرِ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض

نمازوں کے بعد ان کلمات کے ذریعہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی اور بخیلی سے۔ اور اس سے بھی میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ گھٹیا عمر تک پہنچ جاؤں۔ اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنوں سے۔ اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے فتنوں سے۔''

افادات:- چند بری خصلتیں ایسی ہیں جن سے اس دعا میں پناہ چاہی گئی ہے، ایک بزدلی، دوسرے بخیلی یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کے جو حقوق لازم کئے ہیں ان میں آدمی مال خرچ کرنے سے باز رہے؛ اس کو بخل کہا جاتا ہے۔

أَرْذَلِ الْعُمُرِ الخ:- عمر کی وہ منزل جہاں پہنچنے کے بعد آدمی کے اعضاء جواب دے جاتے ہیں، اور آدمی کو اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں عطا فرما رکھی ہیں جیسے: سننے کی، دیکھنے کی، بولنے کی، چلنے کی؛ یہ ساری صلاحیتیں متأثر ہو جاتی ہیں، اور اعضاء کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، آدمی کو کچھ یاد بھی نہیں رہتا، اس کا حافظہ بچّوں کی طرح ہو جاتا ہے؛ اسی کو ''أَرْذَلِ الْعُمُر'' سے تعبیر کیا گیا ہے، بہت سی مرتبہ کھانا کھالیا ہوتا ہے پھر بھی اگر ان سے پوچھیں تو کہتا ہے کہ: گھر والوں نے نہیں کھلایا۔

فِتْنَةِ الدُّنْيَا:- دنیا میں رہتے ہوئے آدمی کو جو بھی حالات پیش آتے ہیں اور جن کی وجہ سے آدمی آزمائشوں میں مبتلا ہوتا ہے؛ وہ سب مراد ہیں۔

فِتْنَةِ الْقَبْرِ:- یعنی قبر میں منکر نکیر کے سوالات کے جوابات میں، اور قبر آدمی کو بھینچے گی، اور قبر کے دیگر تمام حالات سے اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حديث مسلسل بالمحبة

۱۴۲۲:- وعن معاذ رضی اللہ عنہ: أن رسولَ اللهِ ﷺ أخذ بيده، وقال: ((يَامُعَاذُ! وَاللهِ إِنِّي لأُحِبُّكَ)) فَقَالَ: ((أُوصِيكَ يَامُعَاذُ لاَ تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ

كُلِّ صَلاَةٍ تَقُولُ: أَللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ، وَشُكْرِكَ، وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)).

(رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے معاذ! اللہ کی قسم! مَیں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ پھر فرمایا: اے معاذ! مَیں تجھ کو تاکید کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو کہنا نہ چھوڑنا: **"اے اللہ! میری مدد فرما تیرے ذکر پر، اور تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے پر، اور تیری ایسی عبادت پر جو اچھے طریقے سے کی جاتی ہو"۔**

افادات:- حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت محدثین کے ذریعہ واسطہ در واسطہ ہم تک پہنچی، اس میں ہر استاذ اپنے شاگرد کو پہلے اس جملہ سے خطاب کرتا ہے "وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ" اللہ کی قسم! مَیں تم سے محبت کرتا ہوں، اور ہر نماز کے بعد یہ کہا کرو۔ اس حدیث کو محدثین کی اصطلاح میں "مسلسل بالمحبۃ" کہا جاتا ہے۔

قعدۂ اخیر میں پڑھی جانے والی مختلف دعائیں

۱۴۲۳:- وعن أبي هريرة -رضي الله عنه-: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ مِنْ أَرْبَعٍ، يقول: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ)).

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی آخری قعدہ میں جب تشہد پڑھ لے تو پھر چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے: اے اللہ! جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کی آزمائشوں سے، اور دجّال کے فتنہ کے شر سے؛ میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

افادات:- دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد ہو اس لیے پہلے تشہد پڑھے، اس کے بعد درود شریف پڑھے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے اور نماز کے آخری قعدہ میں اخیر میں جو دعا پڑھی جاتی ہے اس میں ایک یہ دعا بھی ہے۔

''دجّال کے فتنہ کے شر سے'' بھی پناہ مانگنی چاہیے، دجال قربِ قیامت میں ایک شخص ظاہر ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے طرح طرح کی چیزیں ظاہر کروائیں گے، وہ نئی نئی شعبدہ بازیاں کرے گا، شروع میں تو نبوت کا اور بعد میں خدائی کا دعویٰ کرے گا، جو بھی اس کو مانے گا وہ ایمان سے نکل جائے گا۔ بڑا زبردست فتنہ ہوگا، اس سے بھی پناہ چاہی گئی ہے۔

۱۴۲۴:- وعن عليٍّ -رضی اللہ عنہ- قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلاَةِ يَكُونُ مِنْ آخِرِ مَا يَقُولُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيمِ: ((اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو آخر میں تشہد اور سلام کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے: اے اللہ! جو گناہ میں نے پہلے کئے ہیں اور جو گناہ میں نے بعد میں کئے ہیں تو ان کو معاف کردے۔ اور جو گناہ میں نے چھپ کر کئے اور کھل کر کئے وہ بھی معاف کردے، اور گناہ کے ذریعہ سے میں نے اپنے اوپر جتنی بھی زیادتی کی ہو وہ بھی معاف کردے، اور میرے تمام گناہوں کو جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے؛ معاف کردے (بہت سی مرتبہ آدمی گناہ کر کے خود تو بھول جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں سب موجود ہے اس لیے اس سے معافی گئی) تو ہی نیکیوں کے ذریعہ سے آگے بڑھانے

والا اور گناہوں کے ذریعہ سے پیچھے رکھنے والا ہے (یا یہ ترجمہ کریں گے کہ) نیکوں کو آگے بڑھانے والا اور گنہگاروں کو پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

رکوع اور سجدہ پڑھنے کے مختلف کلمات

۱۴۲۵:-وعن عائشة رَضِيَ اللهُ عنها ، قالت: كَانَ النبيُّ ﷺ يُكْثِرُ أنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ: ((سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي))

(متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رکوع اور سجدہ میں کثرت سے یہ تسبیح پڑھتے تھے: ''سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي'' اے اللہ! اے ہمارے پروردگار، مَیں تیری پاکی بیان کرتا ہوں اور تیری تعریف کرتا ہوں، اے اللہ! تو مجھے بخش دے۔

افادات:-آدمی کو نوافل میں ان تسبیحات کا اہتمام کرنا چاہیے، فرائض میں تو ''سبحان ربی العظیم'' اور ''سبحان ربی الاعلیٰ'' ہی پڑھنے کو زیادہ مناسب قرار دیا گیا ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ سورۂ نصر جب نازل ہوئی اس میں یہ ہے: ''فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا'' اسی پر عمل کرنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا اہتمام فرماتے تھے۔

۱۴۲۶:-وعنها : أنَّ رسول الله ﷺ كَانَ يقولُ في رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ: ((سبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ المَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع اور سجدہ میں یہ پڑھتے تھے: ہر قسم کے عیوب اور برائیوں سے بہت زیادہ پاک ہے، ملائکہ اور حضرت

جبرئیل کا پروردگار ہے۔

۱۴۲۷:-وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما: أنّ رسولَ اللہ ﷺ قالَ: ((فَأمّا الرُّکوعُ فَعَظِّمُوا فِیہِ الرَّبَّ-عزوجل-وَأمّا السُّجودُ فَاجْتَہِدُوا فی الدُّعاءِ، فَقَمِنٌ أنْ یُستَجابَ لَکُمْ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:-حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رکوع میں تو اپنے رب کی تعظیم بیان کرو (سبحان ربی العظیم اسی لیے کہا جاتا ہے) اور سجدہ میں دعا کا خاص اہتمام کیا کرو، اس لیے کہ بہت زیادہ لائق ہے کہ تمہاری یہ دعا قبول کی جائے۔

افادات:-فرائض کے بجائے نوافل کے اندر سجدہ میں ماثور دعاؤں کا اہتمام کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر کسی نے فرض کے سجدہ میں بھی کوئی ماثور دعا مانگ لی تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

۱۴۲۸:-وعن أبی ہریرۃ-رضی اللہ عنہ-: أنّ رسول اللہ ﷺ قالَ: ((أقْرَبُ مَا یَکُونُ العَبْدُ مِنْ رَبِّہِ وَھُوَ سَاجِدٌ، فَأکْثِرُوا الدُّعَاءَ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب (نماز کے اندر) سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے (جب یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا موقع ہے تو) اس میں دعا کی کثرت کا اہتمام کرو۔

افادات:-اس میں نفل میں جو سجدہ کیا جاتا ہے وہ بتلایا گیا ہے، دعا کے لیے مستقل سجدہ کرنے کو فقہاء پسند نہیں کرتے۔

۱۴۲۹:-وعنہ: أنّ رسُولَ اللہِ ﷺ کَانَ یَقُولُ فی سجودِہِ: ((اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لی ذَنْبِی کُلَّہُ: دِقَّہُ وَجِلَّہُ، وَأوَّلَہُ وَآخِرَہُ، وَعَلانِیَتَہُ وَسِرَّہُ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے: ''اے اللہ! تو میرے سب گناہوں کو معاف کردے، چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے، اگلے اور پچھلے، کھلے اور پوشیدہ۔

۱۴۳۰: وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: افْتَقَدْتُ النَّبِيَّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَتَحَسَّسْتُ، فإذا هُوَ راكِعٌ-أَوْ سَاجِدٌ-يقولُ: ((سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، لَا إلٰهَ إلاَّ أنت)).

وفي روايةٍ: فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ، وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ، وَهُوَ يَقُولُ: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ)) (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھونڈا اور تلاش کیا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی اور کے یہاں تو تشریف نہیں لے گئے۔ جب میں نے آپ کو دیکھا) تو آپ رکوع یا سجدہ میں ہیں اور یہ پڑھ رہے ہیں: ''سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ لَا إلٰهَ إلاَّ أنتَ'' (یہاں تو یہ روایت اسی لیے لائے ہیں کہ رکوع سجدہ میں یہ تسبیح پڑھی جاسکتی ہے)۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ: میں آپ کو اندھیرے میں تلاش کررہی تھی، تو میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلوے پر پڑا، اس وقت آپ سجدہ کی حالت میں تھے اور آپ کے پاؤں کھڑے ہوئے تھے، اور آپ یہ دعا پڑھ رہے تھے: ''اے اللہ! میں تیری خوشنودی کے ذریعہ سے تیری ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں، اور تیرے درگذر کے ذریعہ سے تیری سزا سے پناہ چاہتا ہوں، اور تیرے عذاب سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں (اس لیے کہ اللہ کے عذاب سے اللہ کے علاوہ اور کوئی بچا نہیں سکتا) اے اللہ! تیری ثنا وحمد جیسی بیان ہونی چاہیے میں اس کا احاطہ

نہیں کرسکتا (یعنی میں اس کا حق ادانہیں کرسکتا) آپ تو ایسے ہی ہیں جیسے آپ نے خود ہی اپنے کلام میں اپنی تعریف بیان فرمائی۔'' (یہ سب مختلف کلمات ہیں، موقع بموقع ان کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے)۔

ہر دن ہزار نیکیاں

۱۴۳۱:- وعن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ قال: کنا عند رسول اللہ ﷺ فقال: ((أیعجز أحدکم أن یکسب فی کل یوم ألف حسنۃ!)) فسألہ سائل من جلسائہ: کیف یکسب ألف حسنۃ؟ قال: ((یسبح مئۃ تسبیحۃ فیکتب لہ ألف حسنۃ، أو یحط عنہ ألف خطیئۃ)). (رواہ مسلم.)

قال الحمیدی: کذا ھو فی کتاب مسلم: ((أو یحط)) قال البرقانی: ورواہ شعبۃ وأبو عوانۃ، ویحیی القطان، عن موسی الذی رواہ مسلم من جھتہ فقالوا: ((ویحط)) بغیر ألف.

ترجمہ:- حضرت سعد بن أبي وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی اتنی سی بات سے بھی عاجز ہے کہ وہ ہر دن میں ایک ہزار نیکیاں کما لے؟ وہاں موجود لوگوں میں ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ایک ہزار نیکیاں کیسے کمائے گا؟ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سومرتبہ سبحان اللہ پڑھ لے تو اس کے لیے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی، یا اس کے ایک ہزار گناہ معاف ہوجائیں گے۔

اس روایت میں تو یہ آیا ہے کہ یا تو ہزار نیکیاں ملیں گی، یا ہزار گناہ معاف ہوں گے۔ لیکن دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور ایک ہزار گناہ معاف ہوں گے، یعنی دونوں چیزیں حاصل ہوں گی۔

ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ

۱۴۳۲:- وعن أبي ذر رضي الله عنه: أنّ رسولَ الله ﷺ قالَ: ((يُصْبِحُ عَلَى كُلِّ سُلاَمَى مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ: فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ، وأَمْرٌ بِالمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنِ المُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَيُجْزِئُ مِنْ ذَلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحَى)) (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک پر اس کے ہر جوڑ کی سلامتی کے بدلہ میں روزانہ ایک صدقہ کرنا ضروری ہے (ایک روایت میں آتا ہے انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، اب روزانہ تین سو ساٹھ صدقے کیسے دے گا؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد ہر نیکی ہے) چناں چہ ہر سبحان اللہ صدقہ کا حکم رکھتا ہے، ہر الحمد للہ صدقہ کا حکم رکھتا ہے، ہر لا الٰہ الا اللہ بھی صدقہ ہے، ہر اللہ اکبر صدقہ ہے، بھلی بات کا حکم کرنا صدقہ ہے، بری بات سے روکنا صدقہ ہے، ان سب کی طرف سے وہ دو رکعتیں کافی ہوجائیں گی جو چاشت کے وقت ادا کی جائیں گی (چوں کہ آدمی جب نماز پڑھتا ہے تو سارے جوڑ کام میں لگتے ہیں اس وجہ سے وہ حق ادا ہوجاتا ہے)۔

چار کلمات تین تین مرتبہ

۱۴۳۳:- وعن أم المؤمنين جُوَيْرِيَةَ بنت الحارِث رَضِيَ اللهُ عنها: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خرجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِينَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِيَ فِي مَسْجِدِها، ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ أَنْ أَضْحَى وَهِيَ جَالِسَةٌ، فقالَ: ((مَا زِلْتِ عَلَى الحالِ الَّتِي فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا؟)) قالت: نَعَمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلاثَ

مَرَّاتٍ، لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَا نَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ)). (رواہ مسلم)

وفی روایةٍ لَهُ: ((سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ)).

وفی روایة الترمذی: ((أَلا أُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُولِينَهَا؟ سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ)).

ترجمہ:- حضرت ام المؤمنین جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت (فجر کی نماز کے واسطے) ان کے پاس سے تشریف لے گئے اور یہ اپنی جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاشت کے وقت واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ اپنی جائے نماز پر ہی بیٹھی ہوئی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم اس وقت سے اسی حالت پر بیٹھی ہو جس حالت پر میں تم کو چھوڑ کر گیا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سے جدا ہونے کے بعد میں نے چار کلمات تین تین مرتبہ کہے، تم نے صبح سے ابھی تک جتنی تسبیحات پڑھی ہیں ان کے برابر اگر ان کو رکھا جائے تو یہ ان پر غالب آجائیں اور ان کا وزن بڑھ جائے۔ وہ چار کلمات یہ ہیں: ''سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَا نَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ''

بعض روایتوں میں یہ کلمات اس طرح بھی آئے ہیں: ''سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ،

سُبْحَانَ اللہِ رِضَا نَفْسِہٖ، سُبْحَانَ اللہِ زِنَۃَ عَرْشِہٖ، سُبْحَانَ اللہِ مِدَادَ کَلِمَاتِہٖ'' (دونوں طریقوں سے پڑھ سکتے ہیں)۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا میں تمہیں چند کلمات نہ سکھلاؤں جن کو تم کہتی رہو؟ (پھر یہی کلمات جو اوپر مختصر طور پر آئے تھے ان کو تفصیلاً تین تین مرتبہ پڑھ کر بتلائے)۔

ذکر کرنے والا زندہ، نہ کرنے والا مردہ

۱۴۳۴:- وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قَالَ ((مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لا يَذْكُرُهُ مَثَلُ الحَيِّ وَالمَيِّتِ)). (رواه البخاري)

ورواه مسلم فَقَالَ: ((مَثَلُ البَيْتِ الَّذِي يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ، وَالبَيْتِ الَّذِي لا يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ، مَثَلُ الحَيِّ والمَيِّتِ)).

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو نہیں یاد کرتا، ان کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔

افادات:- یعنی اللہ کو یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے زندہ، زندگی کو ہر آدمی پسند کرتا ہے اس سے محبت رکھتا ہے۔ اور جو آدمی اللہ کو یاد نہیں کرتا وہ ایسا ہے جیسا کہ مردہ، موت سے ہر آدمی بھاگتا ہے، دور رہتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے دل کی زندگی اور موت مراد ہے کہ جو آدمی اللہ کو یاد کرتا ہے اور ذکر کرتا ہے اس کا دل زندہ ہے، اور جو آدمی اللہ کا ذکر نہیں کرتا ہے اس کا دل مردہ ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نفع اور ضرر کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ جو اللہ کو

یاد کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے زندہ، کہ اس کو کوئی آدمی اگر کچھ کرے گا تو اس کو بھگتنا پڑے گا، جیسے زندہ کو کوئی مارے تو وہ بدلہ لے گا، لیکن مرے ہوئے کو کوئی مارے تو وہ انتقام نہیں لے گا۔ تو جو آدمی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اس کے ساتھ کوئی آدمی کوئی غلط معاملہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انتقام لیا جائے گا۔ اور جو اللہ کو یاد نہیں کرتا اس کی طرف سے بدلہ لینے والا کوئی نہیں ہے۔

گمان کے مطابق معاملہ

۱۴۳۵:- وعن أَبي هريرة رضي الله عنه: أَنَّ رسولَ الله ﷺ قَالَ: ((يقول الله تَعَالَى: أنا عِندَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فإِنْ ذَكَرَنِي في نَفْسِهِ، ذَكَرْتُهُ في نَفْسِي، وإِنْ ذَكَرَنِي في مَلَإٍ ذَكرتُهُ في مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ)) (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔ اور جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو جی میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھے کسی جماعت اور مجمع میں یاد کرتا ہے تو جس مجمع میں یاد کیا، میں اس سے بہتر مجمع (یعنی فرشتوں کے مجمع) میں اس کو یاد کرتا ہوں۔

شیطان دھوکہ نہ دے

افادات:- ''بندہ میرے ساتھ جیسا گمان رکھتا ہے میں اس کے ساتھ اسی کے مطابق معاملہ کرتا ہوں'' اس کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ آدمی گناہ کرتا ہے، نافرمانیوں میں مبتلا ہوتا ہے، تو اپنے گناہوں سے ڈرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے

مغفرت اور رحمت کی امید بھی رکھنی چاہیے۔ گناہ اپنی جگہ پر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کو سامنے رکھتے ہوئے مغفرت کی امید رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ مغفرت کا معاملہ کریں گے، لیکن یہ معاملہ گناہ سرزد ہو جانے کے بعد کا ہے۔ اگر کوئی آدمی گناہ کرتا جا رہا ہے اور یہ کہتا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، معاف کر دے گا؛ تو یہ نظریہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ تو شیطانی دھوکہ ہے: "لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْر" شیطان اللہ کے معاملہ میں تم کو دھوکہ نہ دے۔ یہ تو جس سے نادانستہ گناہ ہو گیا، اب اس کو ندامت ہے اور ڈر رہا ہے تو اس کو کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید رکھو۔

چناں چہ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان کا انتقال ہو رہا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان انصاری نوجوان سے پوچھا: تم اپنے آپ کو کس حالت میں پاتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اس وقت اپنے گناہوں سے ڈر بھی رہا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید بھی رکھے ہوئے ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس حالت میں جب کوئی آدمی اس کیفیت میں ہوتا ہے تو جس چیز کی امید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو وہ عطا فرماتے ہیں اور جس چیز سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے امن نصیب فرماتے ہیں۔

کامیابی ہو ہی جائے گی

بعض حضرات فرماتے ہیں: اس سے مراد دعا، بیماری وتندرستی، اور روزی وغیرہ کے دوسرے معاملات ہیں کہ ان میں آدمی اللہ تعالیٰ سے جیسی امید رکھتا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ جیسے دعا کرے تو اس امید کے ساتھ کرے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا ضرور قبول فرمائیں گے، چناں چہ حدیثِ پاک میں بھی آتا ہے کہ دعا

کی قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے دعا کرو تب ہی دعا قبول ہوگی۔اسی وجہ سے حدیثِ پاک میں یہ بھی آیا ہے کہ بعض مرتبہ آدمی یوں کہتا ہے کہ میں نے بہت دعا کی لیکن قبول نہیں ہوتی ،تو اس صورت میں دعا قبول نہیں ہوتی۔ یا روزی کے لیے کوشش کرتے ہوئے یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والے ہیں، پہلے سے نیت میں ڈانواں ڈول نہ ہو،اس لیے کہ جیسی امید رکھو گے ویسا ہی معاملہ ہوگا،لہٰذا پورے یقین کے ساتھ یہ امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور روزی دیں گے،محروم نہیں کریں گے؛تو پھر اللہ تعالیٰ ویسا ہی معاملہ کریں گے۔کوئی اور معاملہ ہو تو یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور کامیاب کریں گے؛ تو کامیابی ہو ہی جائے گی۔

فرشتوں کا مجمع بہتر کیوں؟

’’میں اس سے بہتر مجمع (یعنی فرشتوں کے مجمع) میں اس کو یاد کرتا ہوں‘‘ ویسے تو انسان اشرف المخلوقات ہے، پھر اس میں خواص البشر یعنی انبیاء علیہم السلام تو فرشتوں سے افضل ہی ہیں۔ہاں! خواصِ ملائکہ جیسے حضرت جبرئیل،حضرت میکائیل وغیرہ عام انسانوں سے افضل ہیں،اس وجہ سے ان کے مجمع کو انسانوں سے بہتر کہا گیا۔ یا معصوم ہونے کی بناء پر فرشتوں کو انسانوں کے مقابلہ میں مخصوص فضیلت حاصل ہے،اس وجہ سے اس مجمع کو بہتر کہا گیا ہے۔

اگر کوئی چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اُسے یاد کرے

بہر حال! یہاں تو یہ بتلایا گیا کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو یاد کرتے ہیں؛تو اگر کوئی بندہ یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے یاد کرے تو اس

کا طریقہ یہی ہے۔اسی وجہ سے حدیثِ پاک میں یہ بھی آتا ہے کہ اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو بالشت بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ آگے بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک باع یعنی چار ہاتھ آگے بڑھتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے ساتھ یہ سلوک ہو؛ تو یہ اس کے اختیار میں ہے اور اس کا طریقہ بھی بتلادیا۔ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا معاملہ کریں گے ویسا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ناراضگی کی علامت

اسی لیے بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے باری تعالیٰ سے پوچھا: اے اللہ! آپ بندہ سے راضی ہیں یا ناراض؛ یہ کیسے معلوم ہو؟ تو جواب ملا کہ وہ دیکھ لے کہ اللہ کے فیصلہ پر وہ راضی ہے یا ناراض ہے؟ اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ہم راضی ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ہم سے راضی ہیں۔اور اگر خدانخواستہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ہم ناراض ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہیں۔

مفرِّدون سبقت لے گئے

۱۴۳۶:-وعنه قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((سَبَقَ الْمُفَرِّدُونَ)) قالوا: وَمَا الْمُفَرِّدُونَ؟ يَارسولَ اللهِ قَالَ:((الذَّاكِرُونَ اللهَ كثيراً والذَّاكِرَاتِ)). رواه مسلم

وَرُوِي: ((الْمُفَرِّدُونَ)) بتشديد الراءِ و تخفيفها والمشهُورُ الَّذِي قَالَهُ الجمهُورُ: التَّشْدِيدُ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مفرِّدُون سبقت لے گئے (سب سے آگے نکل گئے) صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مفرِّدُون کون لوگ ہیں؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ مرد اور عورتیں جو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔

تمام اذکار میں سب سے افضل

۱۴۳۷:- وعن جابر - رضی الله عنه - قَالَ: سَمِعْتُ رسُولَ الله ﷺ يقولُ: ((أَفْضَلُ الذِّكْرِ: لا إلهَ إلاَّ اللهُ)). (رواه الترمذی، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: تمام اذکار میں سب سے افضل ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' ہے۔

افادات:- ذکر کے مختلف کلمات جیسے: سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، اوران کے علاوہ دیگر تمام کلمات پر اس کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ اس کو ان سب سے افضل قرار دیا گیا ہے۔

زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہمیشہ تر و تازہ رہے

۱۴۳۸:- وعن عبد الله بن بسر - رضی الله عنه -: أَنَّ رجلاً قَالَ: يَا رسولَ الله! إِنَّ شَرَائِعَ الإِسْلامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ، فَأَخْبِرْنِي بِشَيءٍ أَتَشَبثُ بِهِ قَالَ: ((لا يَزالُ لِسَانُكَ رَطباً مِنْ ذِكْرِ الله)). (رواه الترمذی، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اسلام کے احکام بہت زیادہ ہو گئے ہیں، اس لیے آپ مجھے ایسی کوئی چیز بتلا

دیجئے جس کو میں پکڑلوں (تو وہ دیگر تمام نوافل کی طرف سے کافی ہوجائے) نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہمیشہ تروتازہ رہے۔

افادات:- پوچھنے والے کا مقصد یہ تھا کہ جو فرائض اور واجبات ہیں ان کو تو ہر حال میں ادا کرنا ہی ہے، لیکن ان کے علاوہ نوافل کے قبیل کے بہت سارے کام بتلائے گئے ہیں ان سب کو نبھانا میرے حالات کے پیشِ نظر میرے لئے بڑا مشکل ہے، اس لیے آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتلا دیجئے جس کو میں پابندی سے کیا کروں تو دیگر تمام نوافل کی طرف سے کافی ہوجائے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری زبان برابر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو گے تو ان شاء اللہ تمام نوافل کے ذریعہ جو چیز حاصل کی جاتی ہے وہ تمہیں ذکر کی مداومت پر حاصل ہوجائے گی۔

ذکر پر مداومت سے مقصدِ عبادت حاصل ہوتا ہے

دیکھو! تمام عبادات کی روح اور بنیاد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہے، اور عبادات میں نماز بنیادی حیثیت رکھتی ہے جس کے متعلق قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ نماز کو میری یاد کے واسطے قائم کرو۔ اور دیگر جتنی بھی عبادتیں ہیں ان ساری عبادتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ ان کے ذریعہ آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد جمتی اور پیوست ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار نصیب ہوتا ہے اور جب استحضارِ حق ہوجاتا ہے تو پھر آدمی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانے کا اہتمام کرتا ہے۔ اس لیے آدمی اگر اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مداومت کرتا ہے تو جو مقصد اور روح ہے وہ اس کو حاصل ہوجاتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ کوئی آدمی صرف

ذکر لے کر ہی بیٹھ جائے اور یوں کہے کہ میں نماز نہیں پڑھتا، روزے نہیں رکھتا، میں تو صرف ذکر کر لیتا ہوں۔ اس لیے جو عبادات شریعت کی طرف سے فرض قرار دی گئی ہیں، یا جن کو واجب کا درجہ دیا گیا ہے؛ ان کو تو ہر حال میں انجام دینا ہی ہے، ہاں! نوافل کے باب میں آدمی کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان میں سے جتنا کر سکتا ہو کرے، اور اللہ تعالیٰ کو جس طریقہ سے بھی راضی کر سکتا ہو اور اس کی یاد کو اپنے دل میں بٹھا سکتا ہو اس کا اہتمام کرے۔

جنّت میں کھجور کا ایک درخت

۱۴۳۹:- وعن جابر -رضی اللہ عنہ- عن النبی ﷺ قَالَ: مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ؛ غُرِسَتْ لَهُ نَخْلَةٌ فِی الْجَنَّةِ. (رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ’’سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ‘‘ کہا؛ اس کے لئے جنّت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔

افادات:- ویسے بھی انسان کو جنّت کی جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں وہ اعمال کے بدلہ ہی میں حاصل ہوتی ہیں، اور جنّت کے درخت بھی اذکار کے مختلف کلمات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دئے جاتے ہیں۔ اب یا تو آدمی کے پڑھتے ہی اس کے لئے پودا لگے گا، یا پہلے سے جنت میں پودے لگے ہوئے ہیں، جب کوئی آدمی یہ کلمات پڑھے گا تو ایک پودا اس کے نام پر الاٹ (Allot) کر دیا جاتا ہے۔ دونوں مطلب ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتِ محمدیہ کو پیغام

۱۴۴۰:- وعن ابن مسعود - رضی اللہ عنه - قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((لَقِيتُ إِبْرَاهِيمَ لَيلَةَ أُسْرِيَ بِي، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَقْرِئْ أُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ، عَذْبَةُ الْمَاءِ، وَأَنَّهَا قِيعَانٌ وأَنَّ غِرَاسَهَا: سُبْحَانَ اللهِ، والحَمْدُ للهِ، وَلاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، واللهُ أَكْبَرُ)). (رواه الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: معراج کی رات جب میری ملاقات حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ اپنی امّت کو میری طرف سے سلام کہئے (جب یہ روایت ہم سنیں تو ہمیں جواب میں یوں کہنا چاہیے: ''عَلَی اِبْرَاهِیْمَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهُ'') اوران کو یہ بتلایئے کہ جنّت کی مٹّی بڑی عمدہ ہے، پانی بڑا شیرین ہے، لیکن وہ چٹیل میدان ہے، اس کے پودے ''سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَکْبَرُ'' ہیں۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ جو آدمی ان تسبیحات کو جتنا زیادہ پڑھے گا اسی کے بقدر اس کے لئے جنّت میں پودے لگائے جائیں گے۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسری روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جنّت کی نعمتیں درخت وغیرہ پہلے سے اسی میں موجود ہیں، اور ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مؤمن کو جنّت کا جو درجہ دیا جائے گا وہ اس دنیا سے دس گنا بڑا ہوگا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ جنت میں ایک حصہ تو وہ ہو جس میں باغات وغیرہ پہلے سے تیّار ہیں، اور کچھ حصہ خالی بھی ہو، اب آدمی جوں جوں ذکر کے کلمات پڑھتا جائے گا اسی کے حساب سے اس کے لئے جنت میں پودے لگتے رہیں گے، اور اس خالی حصہ کو بھرنے کا یہی طریقہ ہے۔

اعمال میں بنیاد ذکر اللہ ہی ہے

۱۴۴۱:-عن أبي الدرداءِ-رضي الله عنه-قال قال رسول الله ﷺ:
أَلاَ أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ، وأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ، وأَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ، وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ والفِضَّةِ، وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ أَن تَلْقَوا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوا: بَلَى، قَالَ: ذِكر الله تَعَالَى.

(رواه الترمذي، قال الحاكم أبو عبد الله: إسناده صحيح)

ترجمہ:-حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَیں تم کو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر عمل، اور ایسا عمل جو تمہارے پروردگار کے نزدیک تمہارے لئے سب سے زیادہ پاکیزہ، تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا، تمہارے لئے سونے و چاندی کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے بڑھ کر، اور تم دشمن سے میدانِ جنگ میں ملو، پھر تم ان کی گردن مارو اور وہ تمہاری گردن مارے؛ اس سے بھی بہتر نہ بتلاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: ضرور بتلائیے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

افادات:-اوپر بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی سارے اعمال کی اصل جڑ اور بنیاد ہے، ہاں کبھی وقتی ضرورت کے پیشِ نظر کسی دوسرے عمل کو بہتر بتلایا جاتا ہے، لیکن اصولی طور پر اگر دیکھا جائے تو بنیادی حیثیت ذکر اللہ ہی کو حاصل ہے۔ اور ساری عبادتوں کے ذریعہ مقصود بھی یہی ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنے دل میں جمائے۔

تسبیح، تحمید و تکبیر کی کثرت کا آسان طریقہ

۱۴۴۲:-وعن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه أنَّه دخل مَعَ رسولِ

اللہ ﷺ عَلٰی امْرَأَةٍ وَبَیْنَ یَدَیْهَا نَوًی - أَوْ حَصًی - تُسَبِّحُ بِهِ فَقَالَ: ((أُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ أَیْسَرُ عَلَیْكِ مِنْ هٰذَا - أَوْ أَفْضَلُ -)) فَقَالَ: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی السَّمَاءِ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی الْأَرْضِ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ؛ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ)) (رواه الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت سعد بن أبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک عورت کے یہاں تشریف لے گئے، اس کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں رکھی ہوئی تھیں جن کے ذریعہ وہ عورت گن گن کر تسبیح پڑھ رہی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تجھے ایسی چیز بتلاؤں جو اس سے بھی زیادہ آسان ہے، یا اس سے بہتر ہے (یعنی اس میں زیادہ لمبا چوڑا گننے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی اور مختصر میں معاملہ نمٹ جائے گا) پھر ارشاد فرمایا: سبحان اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہوں) جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں پیدا فرمائی ہیں اس کے برابر، اور ان تمام چیزوں کی تعداد کے برابر جو اللہ نے زمین میں پیدا فرمائی ہیں، اور ان تمام چیزوں کی تعداد کے برابر جو اللہ نے زمین اور آسمان کے درمیان رکھی ہیں، اور ان تمام چیزوں کی تعداد کے برابر جس کو اللہ تعالیٰ آئندہ پیدا کرے گا۔ اور اللہ اکبر (یعنی اللہ کی بڑائی) بھی اسی تعداد کے برابر۔ اور الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ بھی (کہتا ہوں) بھی اسی طرح۔

افادات:- گویا ''عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی السَّمَاءِ، عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی الْأَرْضِ، عَدَدَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ، عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ'' کہہ کر تمام چیزوں کو سمیٹ لیا گیا، اور اسی کے برابر اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تحمید، تکبیر وغیرہ کہی گئی۔ ظاہر ہے کہ کوئی آدمی اگر سبحان اللہ بار بار پڑھے اور اس کو گنے، اس کے مقابلہ میں یہ بالکل آسان طریقہ ہے۔

جنّت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ

۱۴۴۳:وعن أبي موسى-رضي الله عنه-قال: قال لي رسول الله ﷺ: ((ألا أدلك على كنز من كنوز الجنة؟))فقلت: بلى يا رسول الله. قال: ((لا حول ولا قوة إلا بالله)) (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا مَیں تم کو جنّت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتلاؤں؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں؛ اللہ کے رسول! ضرور بتلایئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ.

افادات:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خیبر سے واپسی میں لوگ زور زور سے اللہ کا ذکر، تسبیح، تحمید اور تکبیر وغیرہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ: اس وقت میں اپنے دل میں آہستہ آہستہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' ہی پڑھ رہا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس طرح زیادہ زور لگا کر اپنے آپ کو مشقّت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، جس ذات کو تم پکار رہے ہو، وہ نہ تو بہت دور ہے، اور نہ تو بہرا ہے، بلکہ تمہارے قریب ہے، تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے اور سنتا ہے۔ اس لئے کہ آدمی کو زور سے بولنے کی ضرورت دو میں سے کسی ایک وجہ ہی سے پیش آتی ہے، یا تو جس کو پکارا جارہا ہے وہ دور ہے، اس لیے زور سے پکارا جاتا ہے تاکہ آواز اس تک پہنچے، یا وہ اونچا سنتا ہے تو اس کو سنانے کے لئے زور سے بولنا پڑتا ہے۔

علّامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام کلمات کے ثواب کی مقدار حدیث میں آئی ہے کہ سبحان اللہ پڑھنے کا اتنا ثواب، الحمد للہ پڑھنے کا اتنا ثواب، اللہ

اکبر پڑھنے کا اتنا ثواب، لا الٰہ الا اللہ کا اتنا ثواب ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا کہ سبحان اللہ میزانِ عمل کو بھر دیتا ہے، اور الحمد للہ آسمان اور زمین کے بیچ کی جگہ کو بھر دیتے ہیں، تو سب کلمات کے ثواب کی مقدار حدیثِ پاک میں آئی ہے، لیکن ”لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ“ ایسا کلمہ ہے کہ اس کے متعلق معینہ مقدار کسی حدیث میں نہیں بتلائی گئی کہ اس کے پڑھنے پر کتنا ثواب ملے گا۔ چوں کہ اس کو جنّت کا خزانہ بتلایا ہے اور خزانہ کو ظاہر نہیں کیا جاتا ہے بلکہ چھپایا جاتا ہے، اس لئے اس کے ثواب کی مقدار کسی حدیث میں تعین کے ساتھ نہیں بتائی گئی۔

بَابِ ذِكْرِ اللهِ تَعَالٰى قَائِماً وَقَاعِداً وَمُضْطَجِعاً وَمُحْدِثاً وَجُنُباً وَحَائِضاً اِلَّا الْقُرْآنَ؛ فَلَا يَحِلُّ لِجُنُبٍ وَلَا حَائِضٍ

اس باب میں یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے، بغیر وضو اور بغیر غسل کی حالت میں، حیض کی حالت میں، غرض پاکی وناپاکی ہر حالت میں کر سکتے ہیں، البتہ قرآنِ پاک ایک ایسی چیز ہے کہ جنابت کی حالت ہو، یا عورت حائضہ ہو تو اس وقت تلاوت نہیں کی جاسکتی۔

سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، درود شریف، دعا، استغفار وغیرہ؛ یہ سب ہی ذکر اللہ میں داخل ہیں، اور ان تمام چیزوں کو آدمی باوضو اور بے وضو، غسل کئے ہوئے اور بغیر غسل کے؛ ہر حال میں کر سکتا ہے، اور قرآنِ پاک کی تلاوت بھی ذکر اللہ ہی کی ایک قسم ہے لیکن قرآنِ پاک کی تلاوت بغیر غسل نہیں کی جاسکتی۔

بندوں کی خِلقت کا مقصد

قرآنِ پاک کی آیت ہے: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ. اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَاماً وَّقُعُوْداً وَعَلَى

جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات و دن کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لئے بے شمار نشانیاں ہیں (اب عقل مند کون ہے؟ دنیا والوں کے یہاں عقلمندوں کے مختلف معیار ہیں، لیکن قرآنِ پاک عقل مند ان لوگوں کو کہتا ہے) جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے اور پہلوؤں پر لیٹے لیٹے یاد کرتے ہیں۔ دنیا یوں سمجھتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ پیسہ کمالے، یا کوئی ڈگری حاصل کرلے تو وہ عقلمند ہے، لیکن قرآنِ پاک تو ان ہی لوگوں کو عقلمند کہتا ہے جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، اس لئے کہ بندوں کی خِلقت کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر کرنا ہے، اس کے نتیجہ میں جب اللہ تعالیٰ کی توحید ان کے سامنے آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ یہاں یہ آیت اسی لئے پیش کی ہے کہ کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے ذکر کرنے کا ثبوت قرآنِ پاک سے ہوتا ہے۔

ذکر اللہ کے لیے کوئی قید نہیں

۱۴۴۴:- عن عائشة رَضِيَ اللهُ عنها قالت: كَانَ رسُولُ الله ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ. (رواہُ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

افادات:- دیکھو! تمام عبادتوں کے لیے کچھ شرائط وقیود ہیں، جیسے: نماز پڑھنے کے لیے اوقات متعین کئے گئے ہیں، نوافل کے لیے بھی بعض اوقات ایسے ہیں جن میں نوافل نہیں پڑھ سکتے، پھر اس میں بھی قید لگائی گئی کہ ستر چھپا ہوا ہو، بدن پاک

ہو، کپڑے پاک ہوں، باوضو ہو، جگہ پاک ہو، قبلہ کی طرف منھ ہو۔ مطلب یہ کہ ہر عبادت کو ادا کرنے اور اس کے درست ہونے کے لئے کچھ شرطیں اور قیدیں لگائی گئی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک ایسی عبادت ہے جس کے لئے کوئی شرط اور قید نہیں ہے، بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر سکتے ہیں، چاہے وضو ہو، یا نہ ہو، جنابت کی حالت میں ہو، یا بغیر جنابت کے ہو، چاہے کھڑے ہو، لیٹے ہو، چل رہے ہو، یا بیٹھے ہو؛ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جا سکتا ہے۔

شیطان بچہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا

۱۴۴۵:- عن ابن عباسٍ - رضی الله عنهما - عن النبيِّ ﷺ قَالَ: ((لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ: بِسْمِ الله، اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ، لَمْ يَضُرَّهُ)). (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس (صحبت کے وقت) جائے اور یہ دعا پڑھے: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے۔ اے اللہ! تو ہم کو شیطان سے بچا، اور جو تو ہمیں عطا کرے اس سے بھی شیطان کو دور رکھ۔ اگر اس صحبت کے نتیجہ میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بچہ کا فیصلہ ہوا تو شیطان اس بچہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

افادات:- یہاں تو یہ روایت اسی لئے لائے ہیں کہ آدمی جب بیوی سے صحبت کا ارادہ کرے تو صحبت کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے۔ ویسے تو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے لیکن کچھ حالتیں ایسی ہیں جن میں ذکر کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، جیسے: آدمی قضائے حاجت میں مشغول ہو (یعنی پیشاب پاخانہ کر رہا ہو) تو اس

وقت زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے۔ اسی طرح بیوی سے صحبت کر رہا ہو تو اس وقت بھی زبان سے یہ دعا پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ صحبت کے لیے ستر کھولنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے، اور اگر پڑھنا اس وقت بھول گیا، پھر بعد میں یاد آیا تو زبان ہلائے بغیر دل ہی دل میں ان کلمات کو پڑھ لے۔

شیطان کی محنت کا میدان آدمی کا دل ہے

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ بچّہ پیدا ہونے کے بعد جو روتا ہے وہ دراصل شیطان کے اس کے دل کو چھونے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی بچّہ دنیا میں آتا ہے تو فوراً شیطان پہنچ جاتا ہے اور اس کے دل کو ٹٹولتا ہے، چوں کہ شیطان کی ساری محنت کا محور اور مرکز آدمی کا دل ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے شیطان کو صرف وسوسہ اندازی کی طاقت دی ہے، وہ ڈنڈا لے کر زبردستی ہم سے کوئی کام نہیں کروا سکتا، صرف ہمارے دل میں خیالات ڈال سکتا ہے۔ اور یہ بھی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ جب تک بچّہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس وقت تک چوں کہ اس دنیا کا فرد نہیں بنا ہے، اس لئے ماں کے پیٹ میں رہتے ہوئے اس بچّے کے دل پر شیطان کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔ ہاں! اس کی ماں کے دل پر اثر ڈال سکتا ہے، اس لئے کہ وہ دنیا میں موجود ہے، لیکن بچّہ جب تک پیدا نہیں ہوتا وہاں تک وہ دوسرے عالم میں ہے، جب پیدا ہوگا تو اس دنیا کا حصہ بنے گا اور شیطان کی محنت کا میدان بنے گا، اگرچہ ابھی بچہ ہے اور شریعت کا مکلف نہیں ہے لیکن شیطان اپنے کام اور مشن میں بڑا چوکنا ہے، اس کو آئندہ اسی پر محنت کرنی ہے، اس لیے فوراً پہنچ گیا اور بچہ کے دل کو ٹٹول لیا، جیسے چور کو رات میں جب کہیں چوری کرنی ہوتی ہے تو دن میں جا کر پہلے جگہ دیکھ لیتا ہے اور اس کا برابر جائزہ لے لیتا ہے۔

مَیں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ دوائی بنانے والی کسی کمپنی کے نمائندہ اور ایجنٹ کو جب پتہ چلتا ہے کہ سورت کے فلاں محلہ میں کوئی ڈاکٹر اپنا نیا کلینک (شفاخانہ) کھولنے والا ہے، تو اس کمپنی کا نمائندہ اور ایجنٹ فوراً پہنچ کر ملاقات کرتا ہے، اس لئے کہ اس کی محنت کا میدان کلینک ہی ہے۔ اسی طرح شیطان کی محنت کا میدان آدمی کا دل ہے، جب کوئی بچّہ دنیا میں آتا ہے تو شیطان فوراً پہنچ جاتا ہے اور بچّے کے دل کو ٹٹولتا ہے، اور چوں کہ آج تک بچّے کے قلب کو اس طرح کے کسی اثر سے واسطہ نہیں پڑا تھا، یہ پہلا موقعہ ہے کہ اجنبی اثر اس کے دل پر آیا ہے تو اسی اثر کی وجہ سے بچّے پر ایک طرح کی وحشت طاری ہوتی ہے اور وہ روتا ہے۔

اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت لے کر بھیجا ہے، اور شیطان گمراہی پھیلاتا ہے، تو شیطان کے اس بچہ کے دل ٹٹولنے کے نتیجہ میں جو اثر آیا اس کو دور کرنے کی نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تدبیر بتلائی کہ بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے جو آلائشیں لے کر نکلا ہے ان کو صاف کرنے کے بعد بچہ کے داہنے کان میں اذان کے کلمات (۱) اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہے جائیں، تا کہ شیطان کے اس کے دل کو چھونے کے نتیجہ میں جو اثر آیا ہے وہ ختم ہو جائے۔ شیطان اس کے دل میں اپنا بیج ڈالنا چاہتا تھا لیکن شریعت نے یہ تعلیم دے کر اس کے اثرات کو زائل کر دیا تا کہ آگے چل کر اس کے اثرات باقی نہ رہیں۔ لہٰذا ہمیں ان تعلیمات کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(۱) الدرالمنضود میں ہے کہ: اذان کے بعد اگر سورۂ اخلاص بھی ایک بار پڑھ دی جائے تو وہ بچہ کبھی زنا نہیں کرتا۔

بَابُ مَايَقُوْلُهُ عِنْدَ نَوْمِهِ وَاِسْتِيْقَاظِهِ

سوتے اور بیدار ہوتے وقت کیا پڑھے؟

مسنون دعائیں ہی اللہ تعالیٰ سے جُڑنے کا آسان طریقہ ہے

۱۴۴۶:- عَنْ حُذَيْفَةَ وَأَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَا: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا أَوَى اِلٰى فِرَاشِهِ، قَالَ: بِاسْمِكَ أَللّٰهُمَّ أَحْيَا وَأَمُوْتُ. وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ.

ترجمہ:- حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بستر پر تشریف لے جاتے (یعنی جب لیٹ جاتے) تو یہ دعا پڑھتے: ’’اے اللہ! تیرے ہی نام سے میں زندہ رہتا ہوں اور موت پاتا ہوں۔ اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ کیا، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

افادات:- آدمی پر جو مختلف حالات آتے ہیں ان تمام احوال میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پڑھنے کی دعائیں سکھائی ہیں، گویا ہر حالت میں آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ جہاں آدمی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتا ہے، جیسے: کھانا کھا رہے ہو تو یہ دعا پڑھو، کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو یہ دعا پڑھو، لیٹتے وقت یہ دعا پڑھو، آنکھ کھولتے وقت یہ دعا پڑھو، گھر سے نکل رہے ہو تو یہ دعا پڑھو، گھر میں داخل ہو رہے ہو تو یہ دعا پڑھو، بازار جا رہے ہو تو یہ دعا پڑھو، مسجد میں داخل ہو رہے ہو تو یہ دعا

پڑھو۔ یا ایک وقت سے دوسرے وقت میں کوئی تبدیلی آتی ہے، جیسے: صبح ہو تو یہ دعا پڑھو، شام ہو تو یہ دعا پڑھو، رات ہو تو یہ دعا پڑھو۔

آدمی پر مختلف حالات، مختلف اوقات اور مختلف کیفیتیں طاری ہوتی رہتی ہیں، ہر ہر موقعہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائیں سکھلائی ہیں؛ تاکہ بندہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے جُڑا رہے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد اس کے دل میں بسی رہے، آدمی کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ دعائیں ہی وہ آسان طریقہ ہے جس کے ذریعہ آدمی اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنے دل میں جما سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار پیدا کرسکتا ہے، اور جب استحضار پیدا ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں جم جائے گی، تو پھر یہی چیز آدمی کو گناہوں سے روکنے کا سبب بنے گی۔ اس لیے کہ آدمی جو بھی گناہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غفلت کی وجہ سے کرتا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اگر استحضار ہو تو کبھی وہ گناہ نہیں کرسکتا۔ اسی لئے حدیثِ پاک میں آتا ہے: ''لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، لَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ'' زنا کرنے والا اس حالت میں زنا نہیں کرتا کہ وہ مؤمن ہو، یعنی اگر اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار ہو تو وہ کبھی بھی زنا نہیں کرسکتا۔ ایسے ہی اگر اس کے دل میں استحضار ہو تو وہ چوری نہیں کرسکتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اگر دل میں جم جائے تو وہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے باز رکھنے کا ذریعہ بنتی ہے، اسی لئے شریعت کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد جم جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار پیدا ہوجائے، اور عبادتیں بھی اسی لیے رکھی گئی ہیں، اور اسی کے پیشِ نظر دعاؤں کے مختلف طریقے بتلائے گئے ہیں اور ذکر اللہ کے اہتمام کی تاکید کی گئی ہے۔

بَابُ فَضْلِ حِلَقِ الذِّكْرِ وَالنَّدْبِ اِلٰى مُلَازِمَتِها وَالنَّهِيِ عَنْ مُفَارِقَتِها لِغَيْرِ عُذْرٍ

ذکر کے حلقوں کی فضیلت

اجتماعی طور پر اللہ کی یاد

اگر کچھ لوگ مل کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں تو اس کی کیا فضیلت ہے، اور قرآن وحدیث میں ایسے حلقوں میں شرکت کو اور اس کے لازم پکڑنے کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے، اور بلا عذر اس کو چھوڑنے سے منع کیا گیا ہے۔

"وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ" اے نبی! آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھئے جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس عمل سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، اور آپ اپنی نگاہوں کو ان سے ذرا بھی آگے نہ رکھئے۔

دیکھئے! اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا اور ان کی صحبت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے جو صبح وشام اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں یعنی ذکر کا خوب اہتمام کرتے ہیں۔

کچھ حضرات کامل کر اللہ کی یاد میں مشغول ہونا پسندیدہ عمل ہے، اس کے نتیجہ میں آدمی کی طبیعت میں نشاط، تازگی اور ہمت پیدا ہوتی ہے، اور جب کئی لوگ مل کر اللہ کی یاد میں مشغول ہوں گے تو ان کے قلوب کو ذکر کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن انوار سے مالا مال کیا جاتا ہے ان انوار کا انعکاس ایک دوسرے پر پڑے گا جس کے نتیجہ میں دلوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور فائدہ پہنچتا ہے۔

ذکر کے حلقوں کے متلاشی فرشتے اور ان کی کارگزاری

۱۴۴۷:-وعن أبي هريرة-رضي الله عنه-، قال: قال رسول اللهﷺ: ((إِنَّ للهِ تَعَالَى مَلائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذا وَجَدُوا قَوْماً يَذْكُرُونَ اللهَ-عزوجل-تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ، فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِم إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ -وَهُوَ أَعْلَم-: مَا يقولُ عِبَادي؟ قَالَ: يقولون: يُسَبِّحُونَكَ، ويُكَبِّرُونَكَ، وَيَحْمَدُونَكَ، ويُمَجِّدُونَكَ، فيقول: هَلْ رَأَوْنِي؟ فيقولونَ: لا واللهِ! مَا رَأَوْكَ. فيقولُ: كَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي؟! قَالَ: يقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً، وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيداً وأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحاً. فَيقُولُ: فماذا يَسْأَلونَ؟ قَالَ: يقُولُونَ: يَسْأَلُونَكَ الجَنَّةَ. قَالَ: يقولُ: وَهل رَأَوْها؟ قَالَ: يقولون: لا واللهِ يَارَبِّ مَا رَأَوْهَا. قَالَ: يقول: فَكيفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يقولون: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصاً وأشَدَّ لَهَا طَلَباً، وأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً. قَالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ؟ قَالَ: يقولون: يَتَعَوَّذُونَ مِنَ النَّارِ، قَالَ: فيقولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يقولون: لا واللهِ مَا رَأَوْهَا. فيقولُ: كَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟! قَالَ: يقولون: لَوْ رَأَوْهَا كانوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَاراً، وأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً. قَالَ: فيقولُ: فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي

قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ ، قَالَ : يقولُ مَلَكٌ مِنَ المَلائِكَةِ : فِيهِمْ فُلانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ ، قَالَ : هُمُ الجُلَسَاءُ لا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ)). (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو راستوں میں گھومتے رہتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں (بعض فرشتے تو وہ ہیں جو نامۂ اعمال لکھنے کے لئے اور نگرانی کے لیے ہر ایک کے ساتھ مقرر ہیں، ان کے علاوہ فرشتوں کی ایک جماعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص اسی مقصد کے لئے مقرر کی گئی ہے کہ جہاں کہیں کچھ لوگ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں ان کو تلاش کرتے رہیں) چناں چہ جب وہ فرشتے ایسے لوگوں کو پالیتے ہیں جو اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں (کہ تم جس چیز کی تلاش میں نکلے ہو اور جس مقصد کے لئے گھوم پھر رہے ہو وہ یہاں موجود ہے، لہٰذا) تمہارے مطلوب کی طرف آجاؤ۔ چناں چہ وہ فرشتے ان ذکر کرنے والوں کو آسمانِ دنیا تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں (ذکر کرنے والے جب تک ذکر میں مشغول رہتے ہیں وہاں تک یہ سلسلہ رہتا ہے، اس کے بعد جب یہ فرشتے اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کے لئے پیش ہوتے ہیں، تو) باری تعالیٰ کی طرف سے پوچھا جاتا ہے حالاں کہ اللہ تعالیٰ تو سب جانتے ہیں (لیکن اس سوال سے فرشتوں کے سامنے ان بندوں کا اعزاز واکرام اور ان کے کارناموں کو اور زیادہ اجاگر کرنا مقصود ہوتا ہے) میرے بندے کیا کہتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: تیرے بندے تیری پاکی بیان کرتے ہیں، تیری کبریائی اور بڑائی بیان کرتے ہیں، تیری حمد وثنا اور تعریف بیان کرتے ہیں، اور تیری بزرگی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں سے پوچھا جاتا ہے (کہ وہ لوگ میری پاکی بیان کرنے، میری بزرگی اور بڑائی بیان کرنے میں اس طرح سے جو مشغول ہیں تو) کیا انھوں نے مجھے

دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں اللہ کی قسم! انہوں نے آپ کو دیکھا تو نہیں۔ باری تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوتا ہے: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کا حال کیا ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر تجھے دیکھ لیتے تو ان کی عبادت میں اور زیادہ شدت آجاتی، تیری بزرگی کو بیان کرنے میں وہ اور زیادہ مبالغہ سے کام لیتے، اور بہت کثرت سے تیری پاکی بیان کرتے (مطلب یہ ہے کہ اس وقت ان کے عمل کی جو کیفیت ہے، آپ کو دیکھنے کے بعد تو اس میں اور زیادہ ترقی ہوجاتی) پھر باری تعالیٰ فرشتوں سے سوال کرتے ہیں: وہ لوگ کیا مانگتے ہیں؟ (ان کی ڈیمانڈ کیا ہے؟) فرشتے عرض کرتے ہیں: جنّت کا سوال کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ کی طرف سے پوچھا جاتا ہے: کیا ان لوگوں نے جنّت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: انہوں نے جنّت کو دیکھا تو نہیں ہے۔ باری تعالیٰ کی طرف سے پوچھا جاتا ہے: اگر وہ جنّت کو دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر جنّت کو دیکھ لیتے تو اور زیادہ اس کی حرص کرتے، اور کثرت سے اس کا سوال کرتے، اس کی طرف ان کی رغبت اور خواہش بہت زیادہ ہوتی۔ پھر باری تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ چاہ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ جہنّم سے پناہ مانگ رہے تھے۔ باری تعالیٰ پوچھتے ہیں: کیا انہوں نے جہنّم کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: جہنّم کو دیکھا تو نہیں ہے۔ باری تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوتا ہے: اگر وہ جہنّم کو دیکھ لیے تو ان کا کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر جہنّم کو دیکھ لیں تب تو اس سے بہت بھاگیں گے اور اس سے خوب ڈریں گے (جبکہ دیکھا نہیں ہے تب یہ کیفیت ہے تو اگر دیکھ لیں تب تو اور زیادہ اضافہ و ترقی ہوجائے گی)۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے فرشتو! میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان تمام کو معاف کردیا (جب باری تعالیٰ کی طرف سے ان کے متعلق یہ اعلان ہوتا ہے تو ان فرشتوں میں سے) ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: (باری تعالیٰ) ان میں ایک آدمی ایسا بھی ہے (جس کا مقصد ذکر کے حلقے میں شریک ہونا نہیں ہے بلکہ) وہ تو کسی دوسرے کام کے لئے

آیا تھا (فرشتہ یہ بات اس لئے عرض کرتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان فرشتوں سے ان بندوں کے حالات پوچھے گویا ان کو گواہ بنایا جارہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا فیصلہ کیا جارہا ہے، اور گواہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ جو حقیقتِ حال ہو وہ پوری پوری بیان کردے، اس لئے حقیقتِ حال کے اظہار کے طور پر یہ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ ایک آدمی ایسا ہے جس کا مقصد ذکر کرنا نہیں تھا) باری تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا: یہ ایسے ہم نشین ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں ہوتا (جو بھی ان کے پاس آکر بیٹھ جائے گا، چاہے جو بھی نیت لے کر آیا ہو، اس کی نیت اس کے ساتھ، مگر ان کے پاس بیٹھنے کے نتیجہ میں وہ بھی نوازدیا جائے گا دنیا والوں کا تو معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی چیز پر کسی کو انعام دینا ہوتا ہے تو اس کی خوب تحقیقات ہوتی ہیں کہ آدمی برابر ہے یا نہیں۔ لیکن یہاں تو جو قانون میں نہیں آتا اس کو بھی نوازا جاتا ہے)۔

افادات:- اس روایت میں پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذکر کرنے والوں کے عمل کے بارے میں اتنا زیادہ اہتمام کیا گیا کہ وہ مالک الملک، آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا، جس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے؛ وہ بھی کتنی زیادہ توجہ کے ساتھ فرشتوں سے پوچھ رہا ہے کہ تم کہاں سے آرہے ہو؟ وہ لوگ کیا کررہے تھے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اگر کوئی آکر ہمیں بتائے کہ میں فلاں بزرگ کی خدمت میں گیا تھا، یا فلاں وزیر کے پاس گیا تھا؛ وہ آپ کا حال پوچھ رہے تھے، اتنا سننے کے بعد آدمی پھولا نہیں سماتا اور ایسا خوش ہوتا ہے کہ اچھا! انہوں نے میرا حال دریافت کیا تھا؟ اور یہاں تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں سے ذکر کرنے والوں کے متعلق پوچھ رہے ہیں، اب اس سے بڑی نعمت اور اس سے بڑا اعزاز واکرام ذکر کرنے والوں کا اور کیا ہوسکتا ہے!۔

یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا

وفی روایة لمسلمٍ: عن أبی هریرة -رضی الله عنه- عن النبیِّ ﷺ قَالَ: ((إن للهِ مَلاَئِکَةً سَیَّارَةً فُضُلاً یَتَتَبَّعُونَ مَجَالِسَ الذِّکْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا مَجْلِساً فِیهِ ذِکْرٌ، قَعَدُوا مَعَهُمْ، وَحَفَّ بَعْضُهُمْ بَعْضاً بِأَجْنِحَتِهِمْ حَتَّى یَمْلَؤُوا مَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ السَّمَاءِ الدُّنْیَا، فإِذَا تَفَرَّقُوا عَرَجُوا وَصَعِدُوا إِلَى السَّمَاءِ، فَیَسْأَلُهُمُ اللهُ -عزوجل- وَهُوَ أَعْلَمُ -: مِنْ أَیْنَ جِئْتُمْ؟ فَیَقُولُونَ: جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبادٍ لَكَ فی الأَرْضِ: یُسَبِّحُونَكَ، ویُکَبِّرُونَكَ، وَیُهَلِّلُونَكَ، وَیَحْمَدُونَكَ، وَیَسْأَلُونَكَ. قَالَ: وَمَاذا یَسْأَلُونِی؟ قالوا: یَسْأَلُونَكَ جَنَّتَكَ. قَالَ: وَهَلْ رَأَوْا جَنَّتِی؟ قالوا: لا، أَیْ رَبِّ. قَالَ: فکیفَ لَوْ رَأَوْا جَنَّتی؟! قالوا: ویستجیرونك. قَالَ: وَمِمَّ یَسْتَجِیرُونِی؟ قالوا: مِنْ نَارِكَ یَا رَبِّ. قَالَ: وَهَلْ رَأَوْا نَاری؟ قالوا: لا، قَالَ: فَکَیْفَ لَوْ رَأَوْا نَارِی؟! قالوا: وَیَسْتَغفِرُونكَ؟ فیقولُ: قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، وَأَعْطَیْتُهُمْ مَا سَأَلُوا، وَأَجَرْتُهُمْ مِمَّا اسْتَجَارُوا. قَالَ: فیقولون: ربِّ فیهِمْ فُلانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ إِنَّمَا مَرَّ، فَجَلَسَ مَعَهُمْ. فیقُولُ: ولهُ غَفَرْتُ، هُمُ القَوْمُ لاَ یَشْقَى بِهِمْ جَلِیسُهُمْ)).

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کچھ زائد فرشتے ہیں جو گھومتے رہتے ہیں اور ذکر کی مجلسوں کو وہ تلاشتے رہتے ہیں۔ جب کسی ایسی مجلس کو پالیتے ہیں کہ جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے (حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مجلسیں ہیں جن میں ذکر کی ساری ہی اقسام شامل ہیں جو پہلے گزر چکیں) تو ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کو اپنے پروں کے ذریعہ

ڈھانپ لیتے ہیں یہاں تک کہ ذکر کی مجلس کی جگہ سے لے کر آسمان تک کے حصہ کو بھر دیتے ہیں (ساری فضاء میں فرشتے ہی فرشتے ہوتے ہیں۔ ان کو بیٹھنے کے لئے ہماری طرح جگہ کی ضرورت نہیں ہے) جب یہ ذکر کرنے والے اپنے ذکر سے فارغ ہو کر منتشر ہو جاتے ہیں (اپنے اپنے گھروں پر چلے جاتے ہیں) تو یہ فرشتے بھی جو ان کو گھیرے ہوئے تھے آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں (جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو) اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے کے باوجود سوال کرتے ہیں: تم کہاں سے آرہے ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے اللہ! ہم تیرے کچھ ایسے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو زمین پر تیری تسبیح بیان کررہے تھے، تیری پاکی بیان کررہے تھے، تیری بڑائی بیان کررہے تھے، لا الٰہ الا اللہ پڑھ رہے تھے، تیری حمد وثنا بیان کررہے تھے، اور تجھ سے دعائیں کررہے تھے (معلوم ہوا کہ دعا کی مجلس بھی اس میں داخل ہے) باری تعالیٰ پوچھتے ہیں: وہ کیا دعا مانگ رہے تھے؟ فرشتے فرماتے ہیں: جنّت مانگتے ہیں۔ باری تعالیٰ پوچھتے ہیں: کیا ان لوگوں نے میری جنّت دیکھی ہے؟ فرشتے کہیں گے: نہیں۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے: اگر وہ میری جنّت کو دیکھ لیتے؟ پھر فرشتے عرض کرتے ہیں: باری تعالیٰ! یہ تیرے بندے پناہ چاہ رہے تھے۔ پوچھا: کس چیز سے پناہ چاہ رہے تھے؟ فرشتوں نے کہا: اے رب تیری جہنّم سے۔ فرمایا: کیا انھوں نے میری جہنّم دیکھی ہے؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: اگر میری جہنّم دیکھ لیتے؟ پھر فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، استغفار کرتے ہیں۔ اس پر باری تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا، وہ جس چیز کا سوال کرتے ہیں ان کو میں نے دیدی، اور جس چیز سے پناہ مانگ رہے ہیں ان کو اس سے پناہ دیدی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے باری تعالیٰ! اس مجلس میں تیرا ایک گنہگار بندہ بھی تھا جو وہاں سے گزر رہا تھا (وہ تو بس ایسے ہی ان کے پاس بیٹھ گیا تھا) باری تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اس کو بھی معاف کر دیا، یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا (جس چیز سے ان

کو نوازا جاتا ہے ان کے ساتھ دوسرے بھی اسی سے نوازے جاتے ہیں)۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

۱۴۴۸:-وعنه وعن أَبي سعيدٍ رضی اللہ عنہما قالا: قَالَ رسولُ الله ﷺ: ((لايَقْعُدُ قَومٌ يَذكُرونَ اللهَ-عزوجل-إلاَّ حَفَّتْهُمُ المَلائِكَةُ وغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ،وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ)).(رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کچھ لوگ اللہ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں تو فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینہ اور طمانینت نازل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان فرشتوں میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔

افادات:- اللہ تعالیٰ ان کو اپنے یہاں یاد کرتے ہیں اس سے بڑی چیز اور کیا ہوگی؟ بندہ جہاں ذاکر ہوتا ہے وہیں اللہ کا مذکور بھی بن جاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا مذکور ہو جانا بہت اونچی چیز ہے: ع **''ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے''**
اور جب اللہ تعالیٰ کا مذکور ہوگا تو آپ اندازہ لگائیے کہ وہ کیا دنیا کی کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتا ہے؟ اس لیے جو آدمی یہ چاہے کہ اپنے آپ کو ہر قسم کی بلا، مصائب اور آفات سے بچائے، اس کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے۔جب وہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی اسی وقت اس کو یاد کر رہے ہوں گے۔

تین آدمیوں کا عمل اور اس پر فیصلہ

۱۴۴۹:-وعن أَبي واقدٍ الحارث بن عوف-رضي الله عنه-: أنَّ رسولَ

الله ﷺ بَیْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِی الْمَسْجِدِ، وَالنَّاسُ مَعَهُ، إِذْ أَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَی رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَذَهَبَ وَاحِدٌ؛ فَوَقَفَا عَلَی رَسُولِ اللهِ - ﷺ - . فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَی فُرْجَةً فِی الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا، وَأَمَّا الآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ، وَأَمَّا الثَّالِثُ فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا. فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللهِ - ﷺ - ، قَالَ: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ: أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللهِ فَآوَاهُ اللهُ إِلَيْهِ. وَأَمَّا الآخَرُ فَاسْتَحْيَى فَاسْتَحْيَى اللهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الآخَرُ، فَأَعْرَضَ، فَأَعْرَضَ اللهُ عَنْهُ)). (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:۔ حضرت حارث بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے، اور آپ کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حلقہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، عین اس وقت تین آدمی آئے۔ ان میں کے دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں شریک ہونے کے لئے آگے بڑھے، اور ایک مجلس میں شریک نہیں ہوا، آگے چلا گیا۔ وہ دو آکر وہاں کھڑے رہ گئے، پھر ان دو میں سے ایک آدمی نے دیکھا کہ جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں ان کے درمیان بیچ میں جگہ خالی ہے تو وہ اندر گھس کر اس جگہ پر بیٹھ گیا، اور دوسرا پیچھے ہی بیٹھ گیا۔ اور تیسرا تو چل پڑا، مجلس میں شریک ہی نہیں ہوا (یہ سب منظر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ رہے تھے لیکن چوں کہ آپ کچھ گفتگو فرمارہے تھے اس لیے دورانِ گفتگو ان کے متعلق کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بات سے فارغ ہو گئے تو ارشاد فرمایا: ان تین آدمیوں کے متعلق تمہیں کچھ نہ بتلاؤں؟ ایک (جو اندر آ گیا اس) نے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ دوسرا شرمایا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے شرم کی (یعنی اس کو معاف کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اندر تو نہیں گھسا، لیکن مجلس میں شریک ہو گیا اور پیچھے ہی بیٹھ گیا) اور تیسرے نے منھ موڑا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منھ موڑ لیا۔

بڑی سعادت

۱۴۵۰:-وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قَالَ: خرج معاوية رضي الله عنه عَلَى حَلْقَةٍ في المَسْجِدِ، فَقَالَ: مَا أَجْلَسَكُمْ؟ قالوا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ. قَالَ: آللّٰهِ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلاَّ ذاكَ؟ قالوا: مَا أَجْلَسَنَا إِلاَّ ذَاكَ، قَالَ: أما إِنِّي لَمْ اسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ، وَمَا كَانَ أَحَدٌ بِمَنْزِلَتِي مِنْ رَسولِ اللهِ ﷺ أَقَلَّ عَنْهُ حديثاً مِنِّي: إِنَّ رَسُولَ الله ﷺ خَرَجَ عَلَى حَلْقَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ: ((مَا أَجْلَسَكُمْ؟)) قالوا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ وَنَحْمَدُهُ عَلَى مَا هَدَانَا لِلإِسْلاَمِ، وَمَنَّ بِهِ عَلَيْنَا قَالَ: ((آللّٰهِ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلاَّ ذَاكَ؟)) قالوا: واللهِ مَا أَجْلَسَنَا إِلاَّ ذَاكَ. قَالَ: ((أَمَا إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ، ولكِنَّهُ أَتَانِي جِبرِيلُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ اللهَ يُبَاهِي بِكُمُ المَلاَئِكَةَ)). (رواه مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابُوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں ایک حلقہ پر سے گزرے، تو ان سے پوچھا: تم کو یہاں کونسی چیز نے بٹھایا ہے؟ (یہاں کیوں بیٹھے ہو؟) انہوں نے کہا: ہم تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھے ہیں (ہمارا یہ حلقہ ذکر کا حلقہ ہے) اس پر حضرت معاویہؓ نے ان سے پوچھا: اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ اسی چیز نے تم کو یہاں بٹھایا ہے؟ (اور کوئی مقصد وغرض تو نہیں ہے) انہوں نے کہا: صرف اسی چیز نے ہم کو یہاں بٹھایا ہے۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے فرمایا: میں نے تم سے جو قسم لی وہ تم پر بدگمانی کی وجہ سے نہیں لی (یعنی میں نے تم سے قسم اس لیے نہیں لی کہ مجھے تمہارے اس جواب پر شبہ اور تردد تھا، اور مجھے تم سے کوئی بدگمانی تھی کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، بلکہ میں

نے جو قسم لی ہے وہ دراصل نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں لی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسا ہی معاملہ کیا تھا، اس لئے میں نے بھی اسی طریقہ کو اختیار کیا) اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میرے جیسے رتبے والا اور کوئی نہیں (دراصل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصی تعلق یہ تھا کہ ان کی بہن حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں تھیں، گویا یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادرِ نسبتی تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا رشتہ ہے جس کی وجہ سے آدمی کے ساتھ خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ اور آج کل تو یہ اتنا بڑا ابن رشتہ بن گیا ہے کہ اس کا درجہ سگے بھائی سے بھی بڑھ گیا ہے۔ تو ایک بات تو یہ ہوئی) اور پھر یہ کہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیثیں بھی کم بیان کرنے والا ہوں (یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایتیں بھی میں زیادہ بیان نہیں کرتا، گویا اس باب میں بھی مَیں بڑا محتاط ہوں۔ بعض حضراتِ صحابہ کو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سننے کا موقع تو بہت ملا اور ان کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات محفوظ بھی تھے، لیکن وہ اس ڈر سے بیان نہیں کرتے تھے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو لوگوں تک پہنچانے میں ہم سے کوئی کوتاہی نہ ہو جائے جس کی وجہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس وعید کے ہم مستحق ہو جائیں کہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا؛ وہ اپنا ٹھکانہ جہنّم میں بنالے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہی کہنا چاہتے ہیں کہ اس ڈر سے مَیں حدیث بھی بہت کم بیان کرتا ہوں، لیکن آج تمہارا یہ منظر میں نے دیکھا تو مجھے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ ارشاد اور طرزِ عمل یاد آ گیا کہ) ایک مرتبہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ایک حلقے پر سے گزرے جو مسجدِ نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہی سوال کیا تھا کہ: تم کو کون سی چیز نے یہاں بٹھایا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھے ہیں، اور یہاں بیٹھ کر اس بات پر اللہ تعالیٰ کی

حمد وثنا کررہے ہیں کہ اس نے ہم کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اسلام جیسی نعمت سے ہمیں نوازا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دوبارہ پوچھا تھا: کیا اللہ کی قسم کھا کر کہو گے کہ اسی چیز نے تم کو یہاں بٹھایا ہے (یعنی اسی لئے بیٹھے ہو، کوئی اور غرض نہیں ہے) ان حضراتِ صحابہؓ نے عرض کیا تھا کہ: ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اسی چیز نے ہمیں یہاں بٹھایا ہے (ہماری اور کوئی غرض ومقصد نہیں ہے) اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: میں نے تم سے کسی بدگمانی کی وجہ سے قسم نہیں لی، بلکہ ابھی حضرتِ جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے مجھے بتلایا کہ: اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے فرشتوں پر فخر کررہے ہیں (گویا فخر یہ انداز میں فرشتوں سے فرمارہے ہیں کہ دیکھو میرے بندے مجھے یاد کررہے ہیں)

افادات:- اس سے بڑا عمل اور کیا ہوگا کہ بندہ کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے بطورِ فخر بیان کریں؟ یہ تو بہت اونچا مقام ہے، اس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو ذکر کرنے، اور ذکر کی مجالس کو قائم کرنے کی توفیق دیدے ان کے لئے یہ بڑی سعادت اور خوش قسمتی کی بات ہے، ان کو اس چیز کو بہت غنیمت سمجھنا چاہیے، اور جہاں کہیں بھی ایسی مجلسیں قائم ہوں، اگر شریعت کے اصول کے مطابق ہوں، اور بدعت وخرافات سے پاک ہوں؛ تو پھر آدمی ان سے دور نہ رہے، بلکہ ان میں شرکت کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق وسعادت عطا فرمائے

بَابُ الذِّكْرِ عِنْدَ الصَّبَاحِ وَالْمَسَاءِ

صبح اور شام اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرنا

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ.

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا.

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ.

فِيْ بُيُوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ.

نیا عنوان قائم کیا ہے: صبح اور شام اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرنا۔

ذکر میں کچھ کلمات تو خالص ذکر ہی کے شمار ہوتے ہیں، جیسے: سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر۔ اور کچھ دعائیہ کلمات ہیں، وہ بھی ذکر ہی میں داخل ہیں۔ شروع میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے مطابق قرآنِ کریم کی چند آیتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں صبح وشام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی تاکید آئی ہے۔

ذکر کے چند طریقے

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيفَةً﴾ اپنے

پروردگار کو اپنے جی میں یعنی دل میں یاد کرو گڑگڑا کر اور ڈر کے ساتھ۔

دل میں یاد کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آدمی زبان کو بالکل حرکت نہ دے صرف دل ہی میں اللہ تعالیٰ کا استحضار کرے؛ جس کو ذکرِ قلبی کہا جاتا ہے۔ گویا زبان کو تالو سے لگا کر ایسا تصور باندھ کر بیٹھے کہ دل اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہے؛ یہ بھی ذکر کا ایک طریقہ ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دل سے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے، اور ساتھ ہی زبان کو بھی حرکت دے؛ یہی اعلیٰ طریقہ ہے کہ زبان و دل دونوں کو اللہ کی یاد میں مشغول ہوں

اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی کا دل تو حاضر نہ ہو، صرف زبان سے اللہ کو یاد کرے، یہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔ اگر چہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر ❁ ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

زبان پر تو سبحان اللہ ہے، اور دل میں گائے اور گدھے کے خیالات ہیں، یعنی دنیا کی چیزیں گھوم پھر رہی ہیں؛ ایسی تسبیح کب اپنا اثر رکھتی ہے۔ لیکن حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں ایک ترمیم فرمائی ہے:-

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر ❁ ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

زبان پر تو سبحان اللہ اور دل میں گائے اور گدھے کے خیالات ہیں، ایسی تسبیح بھی اپنا اثر ضرور رکھتی ہے۔

اللہ کا پاک نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے؛ اثر رکھتا ہے

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے آپ بیتی میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے اور حضرت کی مجلس میں حضرت کی زبان سے بھی کئی مرتبہ سنا کہ: ایک مرتبہ حضرت مولانا یحییٰ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں موجود تھے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی رخصت ہو چکی تھی۔ تو حضرت نے پوچھا: بھائی! یہاں کون ہے؟ حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں عرض کیا: میں یحییٰ ہوں۔ پھر پوچھا: اور کون ہے؟ جواب دیا: الیاس ہے (یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ کے چھوٹے بھائی) اور کوئی نہیں ہے۔ اس وقت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے جوش سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا پاک نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے، اپنا اثر رکھتا ہے۔

بعض مرتبہ لوگ یہ سوچ کر ذکر چھوڑ دیتے ہیں کہ دل اِدھر اُدھر کے خیالات میں مشغول رہتا ہے، ایسے ذکر سے کیا فائدہ ہوگا۔ ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ جب دنیا کی معمولی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ ان کا تصور کرنے اور نام لینے سے آدمی کے منہ میں پانی آجاتا ہے، جیسے: املی اور لیموں کا نام لینے سے منہ میں پانی آجاتا ہے؛ تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام جب زبان پر آئے گا تو اس کا اثر دل پر نہیں آئے گا؟

﴿تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً﴾ گڑگڑا کر اور ڈر کے ساتھ۔ ذکر کے وقت یہی دونوں کیفیتیں ہونی چاہئیں۔ ایک تو گڑگڑاتے ہوئے آہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف انابت ہو۔ گویا دل پر اللہ کی یاد کا اثر ہو۔ اور ساتھ ہی ساتھ اللہ کا ڈر بھی ہو۔

ذکرِ جہری درمیانی آواز سے ہی بتایا جاتا ہے

﴿وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ایک شکل تو یہ ہے کہ آدمی دل ہی دل میں آہستہ آہستہ اللہ کا ذکر کرے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ زور سے تو ذکر کرے، لیکن ایسا چلّا کر کہ خود کا گلا بھی پھاڑ رہا ہے اور سننے والوں کے کان میں بھی شگاف پڑ رہے ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی سنایا تھا کہ غزوۂ خیبر سے واپسی میں کچھ لوگ زور زور سے تسبیح وغیرہ پڑھ رہے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ: اس وقت میں اپنے دل میں آہستہ آہستہ ''لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' پڑھ رہا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس طرح زیادہ زور لگا کر اپنے آپ کو مشقّت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، جس ذات کو تم پکار رہے ہو، وہ نہ تو بہت دور ہے، اور نہ تو بہرا ہے، بلکہ تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے اور سنتا ہے۔ تو بہت زور سے ذکر کرنے کے نتیجہ میں آدمی خود اپنے اوپر بھی زحمت ڈالتا ہے، اس لیے اس کو پسند نہیں کیا گیا۔ ہمارے سلسلہ میں جو ذکرِ جہری بتایا جاتا ہے اس میں بھی درمیانی جہر ہی بتایا جاتا ہے؛ اور اسی کو ﴿وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کہا گیا ہے کہ جو آواز بہت زور کی ہوتی ہے اس سے ذرا کم آواز ہو، جس کو درمیانی آواز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

غافلوں میں سے نہ بنو

﴿بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ صبح اور شام۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے فرمایا ہے:

قَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ: اَلْاٰصَالُ جَمْعُ اَصِيْلٍ، وَهُوَ مَابَيْنَ الْعَصْرِ وَالْمغرب. ''آصال'' عربی میں جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد ''اَصِیل'' ہے، عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کو کہتے ہیں۔ یہاں تو اس آیت کو اس لئے لائے کہ اس میں صبح وشام اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرنے کی تاکید آئی ہے۔ ﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اور غافلوں میں سے نہ بنو۔ اگر صبح اور شام دو وقتوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرلیا جائے تو ان شاء اللہ غافلوں میں شمار نہیں ہوگا۔ ویسے تو یہی حکم ہے کہ آدمی ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا استحضار رکھے لیکن شروع اور اخیر کے دونوں سرے اگر ملا لئے جائیں تو پھر درمیانی وقت میں اگر تھوڑی بہت

غفلت ہو بھی گئی تو معاف ہو جائے گی۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا﴾ اس آیت میں تو صبح وشام کی اور زیادہ صراحت ہے۔ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرو سورج کے طلوع ہونے سے پہلے (یعنی صبح صادق کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے) اور سورج کے غروب ہونے کے پہلے (یعنی شام کو عصر کے بعد غروبِ آفتاب سے پہلے)۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ﴾ شام وصبح اپنے پروردگار کی حمد وثنا اور تسبیح بیان کرو۔ ''اَلْعَشِيِّ مَابَيْنَ زَوَالِ الشَّمْسِ وَغُرُوبِهَا'' زوال سے لے کر غروبِ آفتاب تک یعنی ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے وہاں سے لے کر شام تک کے وقت کو ''عشی'' کہا جاتا ہے۔

مؤمن کی شان بھی یہی ہونی چاہیے

﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾ ایسے گھروں میں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان کا ادب اور لحاظ رکھا جائے اور جس میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے، ان گھروں میں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں ایسے لوگ جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ یعنی وہ لوگ اگر تجارت میں مشغول ہوتے ہیں تب بھی ان کا دل اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے دو حضرات کے متعلق روایتوں میں آیا ہے کہ ان میں سے ایک لوہار تھے جن کا حال یہ تھا کہ جب وہ لوہے کو گرم کرنے کے بعد اپنا ہتھوڑا اور گھن مارنے کے لئے اٹھاتے تھے، اور اذان کی آواز سنتے تھے تو اتنا بھی نہیں

کہ ایک ہتھوڑا مار کر کام بند کرتے، بلکہ اس ہتھوڑے کو پیچھے ہی چھوڑ دیتے تھے۔ اور دوسرے تاجر تھے، جب وہ تولنے کے لئے ترازو میں سامان رکھتے اور پلڑا جھکنے والا ہوتا اور اذان کی آواز سن لیتے تو ترازو کو یوں ہی چھوڑ دیتے تھے اور نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ انہی کے متعلق قرآن نے ''رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ '' کہا ہے کہ کسی چیز کا خریدنا اور بیچنا ان کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کی اجازت دی ہے کہ آدمی حلال روزی کمانے کے واسطے مختلف طریقے اختیار کرے، یا اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بھی خرید و فروخت کرنی پڑتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ان چیزوں میں ایسا مشغول کر دے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گھر میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کیا کرتے تھے؟ حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: گھر کے مختلف کاموں میں مدد فرمایا کرتے تھے، لیکن جب اذان کی آواز سنتے تھے تو فوراً اُٹھ جاتے تھے۔ گویا مؤمن کی شان بھی یہی ہونی چاہیے کہ اپنے کام کاج میں مشغول رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل نہ ہو، جہاں اللہ کا بلاوا آجائے کہ فوراً ان چیزوں کو چھوڑ کر اُدھر متوجہ ہو جائے۔ اس آیت میں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کا تذکرہ آیا ہے اسی مناسبت سے اس آیت کو یہاں لائے ہیں۔

حالات سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ظاہری اعتبار سے اللہ کے ذکر میں ہوتا ہے اور دل کہیں اور ہوتا ہے جیسا کہ اوپر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا شعر پیش کیا تھا۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ میں نے ایک آدمی کو منیٰ کے بازار میں دیکھا کہ ہزاروں کی خرید وفروخت کر رہا ہے، لیکن ایک لمحہ کے لئے بھی میں نے اس کے دل کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں پایا۔ گویا وہ تجارت میں مشغول تھا لیکن اس کا دل اللہ کی یاد میں مشغول تھا۔ اور دوسرے آدمی کو دیکھا کہ کعبہ کا غلاف پکڑے ہوئے رو رہا تھا لیکن ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا دل اللہ کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس لئے کسی کی ظاہری حالت کو دیکھ کر باطن کے متعلق کوئی حکم لگانے کا حق شریعت نے ہمیں نہیں دیا ہے، دل کے اندر کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے۔ کوئی آدمی تاجر ہے اس بنیاد پر دنیادار ہونے کا حکم لگا دینا، اور ایک آدمی تسبیح لے کر مسجد میں بیٹھا رہتا ہے تو اس بنیاد پر دین دار ہونے کا حکم لگا دینا؛ اس کا حق ہمیں نہیں ہے، سب کے حالات سے اللہ تعالیٰ ہی بخوبی واقف ہے۔

ہر چیز اللہ کی یاد میں لگی ہوئی ہے

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ﴾ ہم نے پہاڑوں کو حضرت داود علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے ساتھ شام وصبح اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بطورِ معجزہ یہ چیز عطا فرمائی تھی۔ ویسے تو قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہے لیکن تم اس کو نہیں سمجھتے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ پانی جو بہہ رہا ہے وہ بھی اللہ کی یاد میں مشغول ہے، جب وہ ذکر کرنا بند کر دیتا ہے تو اس کا بہنا بند ہو جاتا ہے اور سڑنا شروع ہو جاتا ہے اسی طرح کپڑا

جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہوتا ہے وہاں تک صاف شفاف رہتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت میں پڑ جاتا ہے میلا ہو جاتا ہے۔ بہرحال! ہر چیز اللہ کی یاد میں لگی ہوئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو جو چیز عطا فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ جب وہ زبور پڑھتے تھے تو تمام مخلوقات بھی باقاعدہ حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرنے میں شریک ہو جاتی تھی۔

اجتماعی ذکر کا ثبوت

حضرت داود علیہ السلام پر جو کتاب نازل کی گئی تھی اس کا نام زبور ہے اور زبور میں شریعت کے حلال وحرام کے احکام نہیں تھے، بلکہ زبور کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی آیتیں تھی، گویا پوری زبور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے بھری ہوئی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ درخت چرند پرند سب کو بھی حکم دیا تھا کہ حضرت داود علیہ السلام جب زبور کی تلاوت کریں تو ان کے ساتھ حمد وثنا اور تسبیح میں وہ بھی مشغول ہو جایا کریں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے اجتماعی ذکر کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں صبح وشام کا وقت بھی بتا دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کے لئے بہترین اوقات صبح وشام کے ہیں۔

کوئی اس سے اچھا عمل لے کر نہیں آئے گا

۱۴۵۱:- وعن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ:

((مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ وَحِينَ يُمْسِي: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، مِئَةَ مَرَّةٍ، لَمْ يَأْتِ أَحَدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ، إِلَّا أَحَدٌ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ أَوْ زَادَ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی صبح اور شام کے وقت "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" سو مرتبہ کہے تو قیامت کے روز کوئی آدمی اس سے اچھا عمل لے کر نہیں آئے گا، مگر وہ آدمی جس نے اسی جیسی تسبیح پڑھی ہو یا اس سے زیادہ پڑھی ہو۔

افادات:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس تسبیح کے لئے کوئی تحدید نہیں ہے، جتنی زیادہ پڑھی جائے گی اس کے حق میں بہتر ہے۔ اب صبح کی پڑھی جانے والی تسبیحات کے کلمات حدیثِ پاک میں مختلف وارد ہوئے ہیں، یہاں "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" آیا ہے۔ بعض روایتوں میں "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ" آیا ہے لہٰذا آدمی ان میں سے جو بھی پڑھنا چاہے پڑھ لے، اس فضیلت پر عمل ہو جائے گا۔

پوری رات حفاظت کی جائے گی

۱۴۵۲:- وعنه، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا لَقِيتُ مِنْ عَقْرَبٍ لَدَغَتْنِي الْبَارِحَةَ! قَالَ: ((أَمَا لَوْ قُلْتَ حِينَ أَمْسَيْتَ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ: لَمْ تَضُرَّكَ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! گزشتہ رات ایک بچھو نے مجھے ڈس لیا جس سے میں نے بڑی تکلیف اُٹھائی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر شام کے وقت تو نے یہ کلمات کہہ دئے ہوتے: "میں اللہ کی پناہ حاصل کرتا ہوں اس کے تام کلمات کے ذریعہ ان تمام چیزوں کے شر سے جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے"؛ تو وہ بچھو تجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتا۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی آدمی نے شام کو یہ دعا پڑھ لی تو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری رات اس کی حفاظت کی جائے گی، کوئی چیز اس کو نقصان نہیں پہنچائے گی یعنی بچھو اور دوسرے زہریلے جانوروں کے اثرات سے محفوظ رہے گا ''مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ'' میں جب جانور وغیرہ آ گئے تو انسان بھی آ جائیں گے۔

یقین میں مضبوطی پیدا کرنے والی دعائیں

۱۴۵۳:- وعنه عن النبيّ ﷺ أنَّه كَانَ يقولُ إِذَا أَصْبَحَ: ((اللّٰهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَإِلَيْكَ النُّشُورُ)) وإذا أمسَى. قَالَ: ((اللّٰهُمَّ بِكَ أَمْسَيْنَا وبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوتُ وَإِلَيْكَ النُّشُورُ))

(رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب صبح ہوتی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ پڑھتے تھے: اے اللہ! تیری ہی قدرت اور طاقت دینے سے ہم نے صبح کی، اور تیری ہی قدرت اور طاقت دینے سے ہم شام کریں گے، اور تیری ہی قدرت سے ہم زندہ ہیں، اور تیری ہی قدرت سے ہم موت پائیں گے، اور تیری ہی طرف زندہ ہو کر دوبارہ لوٹنا ہے۔ اور جب شام ہوتی تو پڑھتے تھے: اے اللہ! تیری ہی قدرت اور طاقت دینے سے ہم نے شام کی، اور تیری ہی قدرت سے ہم زندہ ہیں، اور تیری ہی قدرت سے ہم موت پائیں گے، اور تیری ہی طرف زندہ ہو کر دوبارہ لوٹنا ہے۔

افادات:- پہلے بھی بتلایا تھا کہ مختلف اوقات میں مختلف اذکار اور دعائیں بتلائی گئی ہیں جن کے ذریعہ بندہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ جوڑا جاتا ہے کہ ہر وقت آدمی کی توجہ اور رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، آدمی ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔ مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ قدرت والا سمجھے تو اللہ تعالیٰ کو سمجھے۔ رجوع

کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف کرے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کرے؛ یہ ساری دعائیں ایمان ویقین میں مضبوطی پیدا کرنے والی ہیں۔

۱۴۵۴:-وعنه أنَّ أَبَا بكرٍ الصديق رضي الله عنه قالَ: يَارسول الله! مُرْنِي بِكَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ إِذَا أَصْبَحْتُ وإذا أَمْسَيْتُ. قَالَ: ((قُلْ: اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاواتِ والأَرْضِ عَالِمَ الغَيْبِ والشَّهَادَةِ، رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكَهُ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ، أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ)) قَالَ: ((قُلْهَا إِذَا أَصْبَحْتَ، وإِذَا أَمْسَيْتَ، وإِذَا أَخَذْتَ مَضْجَعَكَ))

(رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن صحيح))

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کچھ ایسے کلمات کا حکم دیجئے جن کو میں صبح اور شام کہتا رہوں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کلمات کہو: اے اللہ! جو زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے، موجود اور غائب ساری چیزوں کا جاننے والا ہے، ہر چیز کا پروردگار اور اس کا مالک وآقا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے علاوہ اور کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تیری پناہ حاصل کرتا ہوں اپنے نفس کے شر سے (کہ میرا نفس مجھے خواہشات اور نافرمانی میں مبتلا نہ کردے) اور شیطان کے شر سے، اور تیرے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے (یا شیطان کو میرے کام میں شریک ہونے سے) یہ فرما کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب صبح ہو تب بھی، جب شام ہو تب بھی اور جب اپنے بستر پر پہنچو اس وقت بھی؛ یہ کلمات کہہ لیا کرو۔

ہر چیز کے شر سے محفوظ رہنے کے نسخے

۱۴۵۵:-وعن ابن مسعودٍ -رضي الله عنه- قَالَ: كَانَ نبيُّ الله ﷺ إِذَا

أَمسَى قَالَ: ((أَمسَينَا وأَمسَى المُلكُ لله، والحَمدُ لله، لا إلهَ إلاَّ اللهُ وَحدَهُ لاَ شَريكَ لَهُ)) قَالَ الراوي: أَرَاهُ قَالَ فِيهِنَّ: ((لَهُ المُلكُ وَلَهُ الحَمدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيءٍ قَدِير، رَبِّ أَسأَلُكَ خَيرَ مَا فِي هذِهِ اللَّيلَةِ وَخَيرَ مَا بَعدَهَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِن شَرِّ مَا فِي هذِهِ اللَّيلَةِ وَشَرِّ مَا بَعدَهَا، رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الكَسَلِ، وَسُوءِ الكِبَرِ، رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِن عَذَابٍ فِي النَّارِ، وَعَذَابٍ فِي القَبرِ)) وَإِذَا أَصبَحَ قَالَ ذَلِكَ أَيضاً ((أَصبَحنَا وأَصبَحَ المُلكُ لله)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب شام کرتے تو یہ پڑھتے: ہم نے شام کی، اور ساری کائنات نے شام کی جس پر اللہ ہی کی ملکیت ہے، اور تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے، اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ساتھ میں یہ کلمات بھی کہے: ''اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے میرے رب! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان تمام بھلائیوں کا جو اس رات میں ہیں، اور اس کے بعد کی ساری بھلائیوں کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس رات میں جو شر اور برائی ہے اس سے، اور اس کے بعد جو شر اور برائی ہوسکتی ہے اس سے بھی۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سستی سے (کہ حقوق کی ادائیگی میں، تیری عبادت واطاعت میں سستی آجائے) اور بڑھاپے کی برائی سے (یعنی جس بڑھاپے کے نتیجہ میں اللہ کے حکم پورا کرنے کے قابل نہ رہوں) اے اللہ! میں تیری پناہ حاصل کرتا ہوں جہنم کے عذاب سے، اور قبر کے عذاب سے۔ اور جب صبح کرتے تھے تب بھی یہی کلمات کہتے تھے، لیکن ''أَمسَينَا وَأَمسَى المُلكُ لِله'' کے بجائے ''أَصبَحنَا وَأَصبَحَ المُلكُ لِله'' کہتے تھے۔

افادات:- ان کلمات کے پڑھنے کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اذکار اور دعائیں بتلائی ہیں ان کی ظاہری برکات بھی ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی ہر قسم کے شر اور برائیوں سے محفوظ رہتا ہے، چاہے درندوں کی ہو، یا انسان وجن کی ہو۔ آج کل لوگ یہ شکایت بہت کرتے ہیں کہ باہر کا اثر ہو گیا، یا کسی نے کچھ کرا دیا، یہ ہوا اور فلاں ہوا۔ بھائیو! ان چیزوں کا اہتمام کرلو تو ان شاء اللہ ہر چیز کے شر اور برائی سے محفوظ رہو گے۔

۱۴۵۶:- وعن عبد الله بن خُبَيْب (بضم الخاء المعجمة) رضي الله عنه قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ الله ﷺ: ((اقْرَأْ: قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، والمُعَوِّذَتَيْنِ حِينَ تُمْسِي وَحِينَ تُصْبِحُ، ثَلاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ))

(رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب شام ہو جائے تب بھی اور جب صبح ہو جائے تب بھی "قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ (یعنی سورۂ اخلاص) اور معوذتین (یعنی قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ) تین تین مرتبہ پڑھ لیا کرو؛ تمہارے لئے ہر چیز کی طرف سے کافی ہو جائیں گی۔

افادات:- لیجئے! اگر آپ کو اوپر والی دعائیں یاد نہ ہوں تو بالکل آسان نسخہ آ گیا، تمام دعاؤں کے بدلہ میں یہی ایک عمل کافی ہو جائے گا، یا ہر مصیبت سے حفاظت کے لئے یہ عمل کافی ہو جائے گا۔ اس لیے اگر کسی کو کوئی اور دعائیں یاد نہ ہوں تو سورۂ اخلاص اور معوذتین تو ہر ایک کو یاد ہی ہوتی ہیں، صبح اور شام تین تین مرتبہ پڑھنے کا اہتمام کر لینا چاہیے، ان شاء اللہ ہر طرح سے حفاظت ہوگی۔

کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی

۱۴۵۷:- وعن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((مَا مِنْ عَبْدٍ يَقُولُ فِي صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَمَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ: بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ العَلِيمُ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، إِلَّا لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ)). (رواہ أبو داود والترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بندہ ہر دن کی صبح کو اور ہر رات کی شام کو تین مرتبہ یہ پڑھ لیا کرے: اس اللہ کے پاک نام سے جس کے ساتھ زمین وآسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی؛ وہی سننے والا جاننے والا ہے؛ تو کوئی چیز اس کو نقصان نہیں پہنچائے گی (وہ ہر طرح کی آفت وبلا مصیبت وبیماری وغیرہ سے محفوظ رہے گا)۔

افادات:- اس روایت کے راوی حضرت عثمانؓ کے صاحب زادے اَبان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ پر فالج کا اثر تھا، جب انہوں نے یہ روایت بیان کی تو سننے والا ان کو تعجب سے دیکھنے لگا، گویا آپ یہ روایت بیان فرمارہے ہیں اور آپ پر ہی یہ بیماری کا حملہ ہوا؟ تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو مقدر فرما رکھا ہو وہ تو ہو کر ہی رہتی ہے ہوا یوں کہ جس دن مجھ پر فالج کا حملہ ہوا میں اس دن صبح میں یہ دعا پڑھنا بھول گیا تھا۔

افسوس! ہم نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا اور......

بہر حال! ہمیں ان دعاؤں کا پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، اسی میں ہماری دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں ہیں، یہ دعائیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے والی ہیں

اور جب اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا استحضار دل میں قائم ہوگا تو اس کی برکات سے ہم متمتع ہوں گے؛ لیکن افسوس کہ ہم نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا۔

آج کل تو مزاج یہ بن گیا ہے کہ صبح میں جب تک سماچار نہ سن لیں، ریڈیو اور ٹی وی کھول نہ لیں، صبح کا اخبار دیکھ نہ لیں؛ وہاں تک چین نہیں آتا۔ ہمارا عجیب معاملہ ہوگیا ہے کہ تسبیحات و معمولات بعد میں ادا کریں گے، پہلے اخبار دیکھیں گے، حالاں کہ سب جانتے ہیں کہ اخبارات میں کیا ہوتا ہے، اگر پڑھنا ہے تو پہلے یہ سب کچھ کرلو اس کے بعد اخبار کو ہاتھ لگاؤ۔ اپنا مزاج ایسا بنالو کہ جب تک معمولات پورے نہ ہوجائیں اور سب تسبیحات ودعاؤں سے فارغ نہ ہوجائیں وہاں تک دوسری چیزوں میں اپنے آپ کو مشغول ہی نہ کرو۔ یہ جو مزاج بنتا جارہا ہے کہ جب اخبار ہاتھ میں آ گیا تو سب چھوڑ کر اسی میں لگ جاتے ہیں، اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جو تسبیح رہ جاتی ہے وہ رہ ہی جاتی ہے۔ اس لئے بھائی ذرا صبر کیجئے، اپنے نفس پر کنٹرول کیجئے اور اپنا مزاج ایسا بنائیے کہ جب تک کہ ان سارے معمولات سے فارغ نہ ہوجائیں گے وہاں تک اور کوئی کام نہیں کریں گے۔ اشراق تک بیٹھنے کی فضیلت اس لیے بھی ہے کہ اگر مسجد ہی میں رہو گے تو سارے معمولات بھی مکمل ہوجائیں گے۔

صبح سونے کا مزاج؛ بڑی مصیبت

اب آج کل پوری دنیا میں عمومی طور پر صبح کو سونے کا مزاج ہوگیا ہے، یہ بھی بڑی مصیبت ہے۔ جیسے امریکہ نے نیو ورلڈ آرڈر جاری کیا ہے، وہ لوگ گلوبلائزیشن چاہتے ہیں، ایک نئی تہذیب جاری کرنا چاہتے ہیں کہ پوری دنیا کی عمومیت ایک ہی طرح سے رہے، سب لوگوں کے مزاج اس طرح کے بنادیئے جائیں کہ چاہے وہ مسلمان ہو

یا ہندو، یہودی ہو یا عیسائی؛ سب کا ایک ہی ٹائم ٹیبل ہونا چاہیے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اسی کا ایک حصہ ہے کہ سب لوگ جب صبح اُٹھیں تو اخبار ہی دیکھیں، ٹی وی ہی دیکھیں، پھر سو جائیں اور دیر سے اُٹھ کر ناشتہ کریں؛ یہ سب اسی نئی تہذیب کا اثر ہے۔

حالاں کہ اسلام میں صبح کے وقت سونے کی خاص ممانعت آئی ہے، اس وقت سونا آدمی کی روزی میں بے برکتی کا باعث ہوتا ہے، فجر کی نماز کے بعد سے لے کر طلوعِ آفتاب تک سونے کو خصوصی طور پر منع لکھا ہے، بلکہ دنیا کی باتیں کرنا، دوسرے کسی کام میں مشغول ہونا، اخبار دیکھنا، ریڈیو سننا؛ اس طرح کے کسی بھی کام سے منع ہی فرمایا گیا ہے، اس وقت کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھنا چاہیے۔ اس لئے ایسا مزاج بنایا جائے، اور اگر کسی وجہ سے سونا ہی ہو تو کم از کم اشراق کے بعد سوئے۔

بیعت ہونے والوں کو خاص طور سے کہتا ہوں

جو لوگ مجھ سے بیعت ہوتے ہیں مَیں ان کو خاص طور سے کہتا ہوں کہ آپ لوگ اگر اتنا اہتمام کرلیں کہ صبح میں فجر کی اذان ہوتے ہی مسجد چلے جائیں اور اشراق تک وہیں رہیں؛ تو جتنے معمولات بتائے جاتے ہیں، قرآنِ پاک کی تلاوت، تسبیحات، الحزب الاعظم، درود شریف وغیرہ؛ سب ہی آسانی سے پورے ہو جائیں گے۔ اور شام کی تسبیحات کو عصر کے بعد جب تک پورا نہ کرلیں؛ مسجد سے نہ نکلیں۔ لیکن عجیب مصیبت ہے کہ سلام پھیرتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان پیچھے سے کھینچتا ہو، فوراً اُٹھ کر باہر نکل جاتے ہیں، حالاں کہ باہر کوئی کام نہیں ہوتا، مسجد ہی کے باہر بے کار کھڑے ہو رہتے ہیں، لیکن مسجد کے اندر ٹکنا مشکل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ نصیب فرمائے اور ان باتوں پر اہتمام سے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بَابُ مَا يَقُوْلُهُ عِنْدَ النَّوْمِ؟

سوتے وقت کے مسنون اذکار

حقیقی عقل مند

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُوْلِي الْأَلْبَابِ. اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَاماً وَّقُعُوْداً وَعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ. رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

اس سلسلہ میں پہلے تو قرآنِ پاک کی آیت لائے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ (عقل والے کون ہیں؟) جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے لیٹے) یاد کرتے ہیں۔ گویا ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور سوتے وقت بھی بعض اذکار بتلائے گئے ہیں کہ فلاں دعا لیٹ کر پڑھے۔ بہرحال! اللہ کے وہ بندے جو ہمیشہ اور ہر حالت میں کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں، ان ہی کو اس آیت میں ''اولوا الالباب'' یعنی عقل مند کہا گیا ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ انسان کی پیدائش ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور یاد کرنے کے لئے وجود میں آئی ہے، اب جو آدمی اپنے پیدا کئے جانے کے مقصد کو جتنا زیادہ پورا کرے گا اُتنا عقلمند کہلائے گا۔ جیسے ایک آدمی کمانے کے لئے

بیرون ملک جاتا ہے، تو وہ جتنا زیادہ سے زیادہ وقت کمانے میں لگائے گا اس کو اتنا ہی بڑا عقلمند کہیں گے کہ جس مقصد اور کام کے لئے آیا ہے اسی میں اپنا وقت لگا رہا ہے۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ بندوں کا بھی دنیا میں آنے کا جو مقصد ہے، اور جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اگر کوئی بندہ زیادہ سے زیادہ وقت اسی کام میں لگائے گا تو وہ اتنا ہی زیادہ سمجھدار کہلائے گا۔

سوتے وقت کی دعا

۱۴۵۸:- وَعَنْ حُذَيْفَةَ وَأَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ، قَالَ: ((بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ أَحْيَا وَأَمُوتُ)). (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تھے یا لیٹ جاتے تھے (لفظ ''اویٰ'' کے دونوں معنیٰ کر سکتے ہیں: پناہ حاصل کرنا، اپنے بستر پر پہنچنا) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے: اے اللہ! میں تیرے ہی نام کے ساتھ زندہ ہوں اور تیرے ہی نام کے ساتھ میری موت آئے گی، اسی پر میں مروں گا۔

افادات:- گویا آدمی کی زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے نام ہی کے ساتھ ہونی چاہیے۔ سوتے وقت جو دعا عموماً پڑھی جاتی ہے: اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْيَا، وہ بھی ثابت ہے اور یہ بھی ہے۔

سوتے وقت کا عمل

۱۴۵۹:- وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَهُ وَلِفَاطِمَةَ رضی اللہ عنہا إِذَا أَوَيْتُمَا إِلَى فِرَاشِكُمَا أَوْ إِذَا أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا فَكَبِّرَا ثَلَاثاً وَّثَلَاثِيْنَ وَسَبِّحَا ثَلَاثاً

وَّثَلَاثِيْنَ وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: اَلتَّسْبِيْحُ أَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: أَلتَّكْبِيْرُ أَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ.

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب تم اپنا بستر پکڑلو (یعنی جب بستر پر لیٹ جاؤ) تو تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو، اور تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو، اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ کہو۔ ایک روایت میں ہے کہ چونتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو۔

افادات:- طبرانی کی روایت میں ہے کہ کوئی بھی ایک کلمہ چونتیس مرتبہ کہہ لو۔ تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر۔ یا چونتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور اللہ اکبر۔ یا سبحان اللہ اور اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ، اور الحمد للہ چونتیس مرتبہ؛ ہر طرح سے مقصد حاصل ہوجائے گا۔

یہی ''تسبیحاتِ فاطمی'' بھی کہلاتی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خادم طلب کرنے پر خصوصیت سے ان کے گھر جا کر حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کو تلقین فرمائی تھی، جیسا کہ اوپر مفصل قصہ گزر چکا ہے۔ ان تسبیحات کا ان کے یہاں اتنا زیادہ اہتمام تھا کہ پوری زندگی برابر اس کا اہتمام فرماتے رہے، حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگِ صفّین کے موقعہ پر بھی میں نے ان کو نہیں چھوڑا۔

سونے کی ایک اور دعا

۱۴۶۰:- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِذَا أَوَى أَحَدُكُمْ إِلَى فِرَاشِهِ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهُ بِدَاخِلَةِ إِزَارِهِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ مَا خَلَفَهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِيْ

فَارْحَمْهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی اپنے بستر پر جائے تو اس کو اپنی لنگی کے اندرونی حصہ سے جھاڑ لے اس لئے کہ اس کو معلوم نہیں کہ اس بستر کو چھوڑ جانے کے بعد اس پر کیا کیا چیز آئی ہے۔ پھر یہ دعا پڑھے: اے اللہ! میں تیرا نام لے کر اپنے پہلو کو بستر پر رکھ رہا ہوں، اور تیرے نام ہی کے ساتھ اس کو اُٹھاؤں گا۔ اے اللہ! اگر تو میری روح کو اپنے پاس روکے رکھے تو اس کے ساتھ رحم اور مہربانی کا معاملہ کرنا، اور اگر (میری زندگی مقدر ہے اور) میری روح (نیند کی حالت میں تیرے دربار میں جو پہنچی تھی اس) کو تو چھوڑ دے؛ تو اس کی اسی طرح حفاظت کیجیو جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

افادات:- پہلے زمانہ میں سلی ہوئی لنگی نہیں ہوتی تھی، بلکہ جیسے احرام کی چادر ہوتی ہے ویسی ہی کھلی چادر ہوا کرتی تھی۔ گویا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک کے پاس الگ سے کپڑا ہو، اس لیے لنگی کے اندرونی حصہ سے جو زائد ہی ہوتا ہے اسی سے اپنا بستر جھاڑ لینا چاہیے۔ آج کل تو رومال، چادر وغیرہ زائد کپڑے ہوتے ہیں، اس زمانے میں ان لوگوں کے پاس پہننے کے لئے پورا لباس بھی نہیں ہوا کرتا تھا، نیچے لنگی ہوتی تو اوپر اوڑھنے کی چادر نہیں ہوتی، جب ایسا حال تھا تو پھر زائد کپڑے کا تصور کہاں کیا جا سکتا ہے، اسی لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسی تدبیر بتلادی کہ ستر چھپانے کے لئے جو کم سے کم درجہ ہے وہ تو ہر ایک پہنے ہوئے ہی ہوگا، اسی سے جھاڑ لیا جائے۔ باقی یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ اسی سے جھاڑنا ضروری ہے، رومال ہو تو رومال سے بھی جھاڑ سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ بستر کو جھاڑنے کا کوئی بھی طریقہ اختیار کر لینا چاہیے، اس لئے کہ معلوم نہیں کہ تمہارے بستر کو چھوڑ جانے کے بعد اس بستر پر کیا کیا چیز پہنچی، گرد و غبار اور کوڑا کرکٹ آیا ہو، یا کوئی جانور بھی آ سکتا ہے، خاص کر اُس زمانے میں تو ان کے پاس چراغ اور روشنی کا انتظام بھی نہیں ہوتا تھا، اگر بستر

پر کوئی زہریلا جانور آ گیا ہو تو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس لئے جھاڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

کیا یہ قابلِ اعتراض ہے؟

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات کے یہاں عام طور پر بستر کو کھلا چھوڑ کر جانے کا رواج تھا تب ہی تو جھاڑنے کی بات فرمائی۔ اگر بستر کو بند کر کے جانے کا رواج ہوتا تو اس تاکید کی نوبت ہی نہ آتی۔ بعض جگہوں پر بستر لگے رہتے ہیں، چارپائی بچھی رہتی ہے تو اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بچھی کیوں رکھتے ہو۔ عام طور پر دیہاتوں میں تو یہ رواج ہی ہوتا ہے کہ چارپائی کو کھڑی کر دیتے ہیں، بستر بھی لپیٹ دیتے ہیں، لیکن شہروں میں بچھے ہوئے رکھنے کا رواج ہے جس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں؛ تو ہم اسی روایت سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ بستروں کو کھلا رکھنے کی بھی اجازت ہے، یہ کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں ہے۔

”اے اللہ! اگر تو میری روح کو اپنے پاس روکے رکھے تو اس کے ساتھ رحم اور مہربانی کا معاملہ کرنا“ یہ دراصل قرآنِ پاک کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا﴾ جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو قبض کر لیتے ہیں اور جس کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا تو نیند کی حالت میں اس کی روح اللہ کے وہاں پہنچتی ہے ﴿فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ﴾ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ نیند کی حالت میں روح وہاں پہنچی اور نیند ہی کی حالت میں اس کی موت مقدر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اپنے پاس روکے رکھتے ہیں، اور جس کی موت مقدر نہیں ہے اس کو چھٹی مل جاتی ہے تو پھر دوبارہ بیدار ہو کر اپنے کام کاج میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس دعا کے الفاظ میں

یوں کہا گیا ہے: ''اِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا'' اے اللہ! جب میں سو جاؤں اور اس وقت میری روح تیرے دربار میں پہنچے اور تیرے یہاں اسی حالت میں میری موت مقدر ہے اور تو میری روح کو وہاں روک لے (یعنی میری موت ہو جائے) تو اس کے ساتھ رحمت اور مہربانی کا معاملہ کرنا۔ بہرحال! سوتے وقت یہ دعا بھی پڑھی جائے۔

ایک عمل یہ بھی ہے

۱۴۶۱:- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ نَفَثَ فِيْ يَدَيْهِ، وَقَرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ بِهِمَا جَسَدَهُ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَأَ فِيْهِمَا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، وَقُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَقُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

قَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ: (النَّفْثُ) نَفْخٌ لَطِيْفٌ بِلَا رِيْقٍ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بستر پر تشریف لے جاتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں پر دم کرتے تھے اور معوذات پڑھتے تھے (معوذات سے مراد جیسا کہ دوسری روایت میں ہے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، اور قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' یہ تین سورتیں ہیں) اور پھر ہاتھوں پر دم کر کے ہاتھوں کو اپنے پورے جسم پر پھیر دیتے تھے۔

دوسری روایت بخاری ومسلم میں ہے کہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو بستر پر تشریف لے جاتے تھے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جمع کر کے ان میں دم کرتے تھے، پھر ان ہتھیلیوں پر یہ سورتیں ''قُلْ

هُوَ اللهُ أَحَدٌ، قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، اور قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ‘‘ پڑھتے تھے، پھر آپ اپنی ہتھیلیوں کو جسم پر پھیرتے تھے، ہاتھ پھیرنے کی شروعات سر، چہرے اور اگلے حصہ سے فرماتے تھے، اس کے بعد پچھلے حصہ پر پھیرتے تھے، اور جسم کے اگلے حصہ پر تین مرتبہ ایسا کرتے تھے۔

افادات:- دیکھئے! اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دم پہلے کیا گیا پھر پڑھا گیا۔ ویسے یہ بھی ہے کہ آپ پہلے پڑھ کر اس کے بعد دم کرتے تھے، اسی لئے اکثر حضرات نے اسی طریقہ کو زیادہ راجح قرار دیا ہے، لیکن بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر پہلے بھی دم کرلیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، اس کے بعد پڑھ کر ہاتھوں کو بدن پر پھیر لیا جائے۔ اور ہاتھ پھیرنے کی بھی باقاعدہ ایک ترتیب ہے کہ ہاتھوں پر دم کرکے پہلے سر پر، پھر چہرے پر، پھر جسم کے اگلے حصہ پر، اس کے بعد جسم کے پچھلے حصہ پر پھیرا جائے۔ سوتے وقت کے جواذ کار واعمال ہیں ان میں یہ بھی ایک عمل ہے، اس لیے اس عمل کو بھی کرلینا چاہیے۔

تو ایمان پر موت آئی

۱۴۶۲:- وعن البراءِ بنِ عازبٍ رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ رسولُ الله ﷺ: ((إِذَا أَتَيتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وَضُوءكَ لِلصَّلاَةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الأَيْمنِ، وَقُلْ: اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوضْتُ أَمْرِي إِليكَ، وأَلْجَأْتُ ظَهرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرهْبَةً إِليكَ، لا مَلْجَأَ وَلاَ مَنْجَا مِنْكَ إِلاَّ إِليكَ، آمَنْتُ بِكِتابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، فإِنْ مِتَّ مِتَّ عَلَى الفِطْرَةِ، وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَقُولُ)) متفق عَلَيْهِ.

ترجمہ:- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ

سے ارشاد فرمایا: جب تم اپنے بستر پر جاؤ (یعنی سونے کا ارادہ کرو) تو ایسا وضو کرلو جیسا تم نماز کے لئے وضو کرتے ہو، اس کے بعد اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ، پھر یہ دعا پڑھو: اے اللہ! میں نے تیری فرمانبرداری اختیار کرلی (میں تیرے سامنے پورے طور پر مطیع وفرمانبردار ہوگیا) اور میں نے اپنا سارا معاملہ تیرے حوالے کردیا۔ اور میں نے اپنی پشت کو تیری پناہ میں دے دیا تیری رحمت کی امید کرتے ہوئے اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہوئے، نہ تو جائے پناہ ہے اور نہ تو نجات کی جگہ ہے تجھ سے مگر تیری ہی طرف۔ اے اللہ! میں ایمان لایا اس کتاب پر جو تو نے نازل کی، اور تیرے اس نبی پر جس کو تو نے بھیجا۔ ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے اگر تم سو گئے اور اسی حال میں موت آگئی تو ایمان اور فطرت پر موت آئی۔ اور یہ کلمات تمہاری زبان سے آخر میں نکلنے چاہئیں۔

افادات:- اگر پہلے سے وضو ہے تو کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہیں ہے تو کرلینا چاہیے، گویا سونے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی باوضو سوئے، اس کو نیند ایسی حالت میں آئے کہ اس کا وضو ہو، اسی لئے اگر کوئی آدمی وضو کر کے لیٹا لیکن نیند آنے سے پہلے اس کا وضو ٹوٹ گیا تو بہتر یہ ہے کہ دوبارہ وضو کرلے، تاکہ مستحب پر عمل ہوجائے۔ پھر شروع نیند میں دائیں کروٹ پر لیٹنا بھی آداب میں سے ہے، بعد میں نیند کے دوران آدمی کروٹ بدل دے، یا چیت لیٹ جائے؛ تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں ہے، ہاں! اوندھا نہ لیٹے۔ اوندھا لیٹنے سے منع کیا گیا ہے، بہتر یہی ہے کہ شروعات دائیں کروٹ سے ہونی چاہیے۔

اگر سکون حاصل کرنا چاہے

''وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ'' میں نے سارا معاملہ تیرے حوالے کردیا۔ گویا دن بھر اپنے کام کاج میں لگ کر روزی کمانے اور اپنی ضروریات کے لئے ساری دوڑ

دھوپ کے بعد بھی شام کو آدمی کی بے چینی ختم نہیں ہوتی، اس بے چینی کو ختم کرنے کا علاج یہی ہے کہ آدمی اپنا معاملہ یہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دے:-

سپردم بہ تو مایۂ خویش را ❁ تو دانی حسابِ کم و بیش را

اے اللہ! مجھ سے جو کچھ ہوا وہ میں نے کیا، اب میں نے اپنا سارا حال تیرے سامنے ہی پیش کر دیا؛ اب تو ہی جانے۔ جب تک کہ یہ کیفیت پیدا نہیں ہوگی وہاں تک ہمیں سکون نہیں آ سکتا۔ آدمی اگر سکون حاصل کرنا چاہے تو اس کا یہی طریقہ ہے، ورنہ ٹینشن ہی ٹینشن ہے۔ آج کل لوگ ٹینشن میں رہتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ان تعلیمات کی طرف دھیان نہیں ہے، اس لیے آدمی کو چاہیے کہ شریعت کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق کمانے اور اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی مقدور بھر کوشش کرے، پھر اخیر میں معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی......

''لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ'' اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی آدمی بچنا چاہے تو اللہ ہی کی ذات میں اس کے لئے پناہ ہے، اور کہیں پناہ نہیں۔ اللہ کے عذاب سے بچانے کے لئے دنیا کی کوئی طاقت پناہ نہیں دے سکتی، اللہ ہی کی پناہ میں آدمی آئے تب ہی اپنے آپ کو بچا سکتا ہے:-

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی	میرے جرمِ خانہ خراب کو، ترے عفوِ بندہ نواز میں

جالینوس نے ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا: اگر آسمان کو کمان فرض کر لیا جائے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو تیر کا چلانے والا، زمین نشانہ پر ہو اور مصائب کے تیر اوپر سے آ رہے ہوں؛ تو اب پناہ کی جگہ کہاں ہوگی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب

میں فرمایا: تیر چلانے والے کے پہلو ہی میں کھڑے ہو جاؤ تو پناہ مل جائے گی۔ معلوم ہوا کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرے گا تب ہی اس کو نجات ملے گی۔ ''وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَقُوْلُ'' یہ کلمات تمہاری زبان سے آخر میں نکلنے چاہئیں اس سے معلوم ہوا کہ درمیان میں کوئی بات چیت کر لی تو دوبارہ پھر سے یہ دعا پڑھ لی جائے۔ اور صرف کلمات ہی نہیں بلکہ ان کا مطلب سمجھتے ہوئے تفویض وتسلیم کی کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرتے ہوئے اگر اس دعا کا اہتمام کرے گا تو ان شاء اللہ اس کی برکات بھی حاصل ہوں گی۔

بستر پر جا کر نعمتوں کو سوچو

۱۴۶۳:- وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَوىٰ إِلىٰ فِرَاشِهِ قَالَ: أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہماری تمام ضرورتوں کے لئے کافی ہو گیا اور ہمیں پناہ دی، بہت سے ایسے ہیں جن کی ضرورتوں کا کوئی پورا کرنے والا نہیں، اور ان کو پناہ دینے والا بھی کوئی نہیں۔

افادات:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں اپنے اوپر ہیں آدمی ان کو خوب سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کون کون سی نعمت عطا فرمائی ہے، دنیا میں بہت سے بندے ایسے ہیں جن کو یہ نعمتیں میسر نہیں ہیں، اس لیے آدمی ان باتوں کو سوچ کر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرے۔

سوتے وقت کی ایک دعا اور ادب

۱۴۶۴:- وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْقُدَ

وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ)

وَرَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ مِنْ رِوَايَةِ حَفْصَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَفِيْهِ: أَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُهٗ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

ترجمہ:- حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سونے کا ارادہ کرتے تھے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے تھے پھر یہ دعا پڑھتے تھے: اے اللہ! جس روز تو اپنے بندوں کو دوبارہ پیدا کرے گا اس روز اپنے عذاب سے مجھے بچائیو۔

دوسری روایت میں ہے کہ یہ دعا تین مرتبہ پڑھتے تھے۔

افادات:- گویا آدمی کو ہر وقت اللہ کے عذاب سے بھی ڈرتے رہنا چاہیے اور اس کا استحضار رکھنا چاہیے۔ سونے کے آداب میں یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک تو وضو کا اہتمام کرے، دوسرے کچھ اذکار بتلائے ان کا اہتمام کرے، تیسرا دائیں کروٹ پر لیٹے چوتھا دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھے۔ سونے کے آداب میں اتنا ہی ہے۔

کیا قبلہ رخ سونا ادب ہے؟

اب سوتے وقت قبلے کی طرف رخ کرنا؛ تو کسی روایت میں صراحۃً نہیں آیا ہے، البتہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے اخیر میں ایک باب قائم کیا ہے کہ: قبر میں مردے کا رخ قبلہ کی طرف کیا جاتا ہے، گویا انہوں نے اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ نیند بھی موت ہی کی طرح ہے، اس لیے اگر آسانی سے قبلہ کی طرف رخ ہو سکتا ہو تو کرلے۔ ورنہ اصل آداب میں تو اتنا ہی ہے کہ دائیں کروٹ پر دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر لیٹ جائے اور پھر یہ سب دعائیں پڑھ لے جو اوپر بتلائی گئی ہیں۔

كِتَابُ الدَّعْوَات

دعاؤں کا بیان

بَابُ الأمر بالدعاء وفضله وبيان جمل من أدعيته ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول مختلف دعاؤں کی فضیلت اور ان کا حکم

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ.

وَقَالَ تَعَالٰى: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ.

وَقَالَ تَعَالٰى: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ.

وَقَالَ تَعَالٰى: أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السوءَ.

کس سے مانگے؟

نیا عنوان ''کتاب الدعوات'' قائم کیا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو مختلف دعائیں منقول ہیں ان کو اس عنوان کے تحت پیش کریں گے۔

''دعوات'' دعوۃٌ کی جمع ہے۔ دعوۃٌ کا مطلب ہے ''پکارنا اور مانگنا'' صرف پکارنے کے لئے بھی دعوۃٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور کسی سے اپنی حاجت مانگنے کو دعا کہتے

ہیں۔اور جب دعا کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے ''کسی سے اپنی حاجت مانگنا'' دعا کے سلسلہ میں قرآن وحدیث میں مستقل ہدایات موجود ہیں یہ بھی مختلف عبادتوں میں سے ایک اہم عبادت ہے کہ آدمی اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگے۔اسی لئے دعا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے نہیں کی جاسکتی۔

دعا امّتِ محمدیہ کی خصوصیت ہے

قرآنِ پاک کی آیت پیش کی ہے: ''وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ أَسْتَجِبْ لَکُمْ ''، تمہارے رب نے حکم دیا کہ تم مجھ سے مانگو، میں تمہاری مانگ پوری کروں گا۔

دعا بھی امّتِ محمدیہ کا امتیاز اور خصوصیت ہے۔حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: اگلی امتوں میں صرف حضراتِ انبیاء علیہم السلام ہی کو حکم دیا جاتا تھا کہ تم دعا کرو؛ میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا، ان کے امتیوں کو دعا مانگنے کا حق نہیں تھا، لیکن امّتِ محمدیہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سبھی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: مجھ سے مانگو؛ میں تمہاری مانگ پوری کروں گا اور تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔گویا دعا امّتِ محمدیہ کی خصوصیت اور امتیاز ہے جو اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے مقابلہ میں اس کو عطا فرمایا ہے۔

قبولیتِ دعا کی بنیادی شرط

دعا کے سلسلہ میں کچھ آداب ہیں جن کی رعایت کے ساتھ دعا کی جاتی ہے تو وہ دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوا کرتی ہے۔ویسے اللہ تبارک وتعالیٰ دعا کو قبول کرنے کے لئے آداب کا محتاج نہیں ہے، اگر کسی نے ان آداب کی رعایت کئے بغیر بھی دعا کی

اور اللہ تعالیٰ چاہے تو اس دعا کو قبول کر کر سکتے ہیں، شیطان جیسی شخصیت نے بھی جب دعا کی کہ: مجھے قیامت تک مہلت دی جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت عطا فرمادی، تاہم دعا کے قبول ہونے کے لئے قرآن وحدیث سے کچھ آداب وشرائط معلوم ہوتے ہیں، اور ان میں سب سے بنیادی ادب اور شرط یہ ہے کہ آدمی اپنا کھانا، پینا اور لباس حلال رکھے۔ احادیث میں بھی آیا ہے کہ کوئی آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعا قبول ہو تو اس کو چاہیے کہ حلال روزی کا اہتمام کرے، نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر اس کی تاکید فرمائی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جو سفر کی حالت میں ہوتے ہیں، اس وجہ سے چاہیے تو یہ تھا کہ ان کی دعا ضرور قبول ہوتی خاص طور پر جبکہ وہ پراگندہ حال اور پراگندہ بال ہوتے ہیں اور اللہ کے سامنے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگتے ہیں، لیکن چوں کہ ان کا کھانا، پینا اور لباس حرام ہوتا ہے اس لئے ان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ حرام غذا دعا کی قبولیت سے رکاوٹ بنتی ہے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں حلال اور حرام کے معاملہ میں جو بے احتیاطیاں ہو رہی ہیں وہ سب لوگ جانتے ہیں، آپسی معاملات میں شریعت کے احکام کے مطابق حلال کا جیسا اہتمام ہونا چاہیے وہ پورے طور پر نہیں ہوتا، اسی لئے دعا کی قبولیت کے اندر بھی رکاوٹ رہتی ہے۔

دعا مانگنے کا طریقہ

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ'' تم اپنے رب کو گڑگڑا کر (آہ وزاری اور عاجزی کے ساتھ اپنی محتاجگی ظاہر کرتے ہوئے) آہستہ آہستہ پکارو؛ بیشک اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ آدمی جن الفاظ میں دعا کر رہا ہے اس میں احتیاج کی شکل بھی

ہونی چاہیے، آدمی اپنا لہجہ، اپنی ہیئت اور شکل وصورت بھی ایسی بنائے اور دل بھی ادھر ہی متوجہ ہو۔ اسی لئے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ غافل دل کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔ اوراس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا میں آہستگی مطلوب اور پسندیدہ ہے، اسی لئے جہری دعا کے مقابلہ میں سرّی دعا کو فضیلت دی گئی ہے۔ ہاں! اگر لوگوں کی تعلیم کی غرض سے، یا کسی خاص وقتی مصلحت کے پیشِ نظر دعا میں جہر اختیار کیا جائے تو جائز ہے، لیکن پسندیدہ یہی ہے کہ آدمی سراً دعا کا اہتمام کرے۔

''إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ'' بیشک اللہ تعالیٰ (دعا کے معاملہ میں) حد سے آگے بڑھنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ یعنی کوئی ایسی چیز مانگ لینا جو نا جائز اور حرام ہو، یا آدمی اپنی حیثیت سے بڑھ کر کوئی مخصوص قید لگا کر دعا کرے، جیسے: عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے بیٹے دعا مانگ رہے تھے: اے اللہ! مجھے جنّت کے داہنے حصے میں سفید محل عطا فرما۔ انہوں نے سنا تو کہا: بیٹا! اللہ تعالیٰ سے جنّت مانگو (ابوداود شریف) معلوم ہوا کہ کسی طرح کی قید لگا کر مانگنا پسندیدہ نہیں ہے۔

دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾

اے نبی! جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں (کہ میں ان سے قریب ہوں یا دور؟ تو بتلا دیجئے کہ) مَیں تو قریب ہوں، دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے مانگتا ہے۔ دراصل کچھ دیہات کے رہنے والوں نے آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ ہمیں بتلائیے ہمارا رب ہم سے قریب ہے تاکہ ہم آہستہ سے دعا کریں، یا دور ہے تو زور سے پکاریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت سے بھی بعض

حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ دعا آہستہ ہونی چاہیے، یہی پسندیدہ اور افضل ہے۔

مضطر کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے

﴿أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ﴾ وہ ذات کون ہے جو مضطر کی دعا کو قبول کرتی ہے جب کہ وہ دعا کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتی ہے۔ ''مضطر'' یعنی بے بس، جس کے سارے سہارے ختم ہو گئے ہوں، سارے اسباب و وسائل کی طرف سے وہ مایوس ہو چکا ہو، اس کی نگاہوں میں کوئی امید و توقع باقی نہ رہی ہو، ساری امیدوں سے کٹ کر جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اضطراری کیفیت کے ساتھ دعا کرتا ہے؛ تو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

دعا عبادت ہی ہے

۱۴۶۵:- عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النبی ﷺ قَالَ: الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ.

ترجمہ:- حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعا عبادت ہی ہے۔

افادات:- دعا بھی عبادت کی ایک قسم ہے، عبادت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عبدیت اور عاجزی کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح دعا کے موقعہ پر بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے بندے کی اپنی احتیاج اور عجز کو ظاہر کرنے کی وہی کیفیت ہوتی ہے تو عبادت کا جو مقصود ہے وہی دعا میں بھی پایا جاتا ہے۔

جامع کلمات اختیار کرنا پسندیدہ ہے

۱۴۶۶:- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ

يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَاءِ وَيَدَعُ مَاسِوَى ذٰلِكَ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع دعاؤں کو (یعنی جن میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں) پسند فرماتے تھے، اور ان کے علاوہ باقی دعاؤں کو چھوڑ دیتے تھے۔

افادات:- چناں چہ آگے بھی اسی نوع کی دعائیں پیش کریں گے جو جامع کلمات کے ذریعہ مانگی گئی ہیں اور احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعاؤں میں آدمی کو ایسی ہی دعاؤں کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے جن میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں اور وہ بنیادی ضرورتوں کو شامل ہوں۔

بڑی جامع دعا

۱۴۶۷:- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: أَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

زَادَ مُسْلِمٌ فِي رِوَايَتِهِ قَالَ: وَكَانَ أَنَسٌ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ بِدَعْوَةٍ دَعَا بِهَا وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ بِدُعَاءٍ دَعَا بِهَا فِيْهِ.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ زیادہ تر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا یہ ہوا کرتی تھی: اے اللہ! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما، اور آگ کے عذاب سے ہماری حفاظت فرما۔

مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایک ہی دعا کرنا چاہتے تھے تو صرف یہی دعا کر لیتے تھے: "أَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ"، اور جب لمبی دعا کرتے تھے تو اس میں اس دعا کو بھی ضرور شامل

کرلیتے تھے۔

افادات:- اس دعا میں دنیا اور آخرت میں بھلائیوں کا جو سوال کیا گیا ہے، اس کی تشریح اور تفسیر کے سلسلہ میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی وہ ساری نعمتیں جو آدمی کو مطلوب ہوا کرتی ہیں وہ سب اس میں شامل ہیں، جیسے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں مشغولی، علمِ نافع، عملِ صالح، نیک بیوی، فرماں بردار اولاد، کشادہ مکان، برکت والی روزی وغیرہ؛ یہ ساری چیزیں دنیا کی بھلائی کے اندر شامل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا کی بھلائی میں نیک بیوی کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ اور آخرت کی بھلائیوں میں سب سے بڑی چیز جنّت ہے، آدمی کو اگر جنّت مل جائے اور جہنّم کے عذاب سے وہ بچالیا جائے؛ تو آخرت کی ساری نعمتیں اس کو حاصل ہوجائیں گی۔ اس لیے یہ بڑی جامع دعا ہے جس میں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

ہدایت، تقویٰ، پاکیزگی، غنیٰ

۱۴۶۸:- وَعَنِ ابنِ مسعُودٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَقُولُ: أَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ أَسۡئَلُكَ الۡھُدَیٰ وَالتُّقَی وَالۡعَفَافَ والۡغِنیٰ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت اور گناہوں سے بچنے، اور پاکیزگی، اور مالداری کا سوال کرتا ہوں۔

افادات:- اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نصیب ہوجائے تو ظاہر ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں کوئی کمی باقی نہیں رہتی۔ اس

لیے اس دعا میں ''اَلْھُدیٰ'' فرمایا۔

اور اگر آدمی کو گناہوں سے حفاظت نصیب ہو جائے تو بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لیے ''اَلتُّقٰی'' فرمایا۔

اور ہر طرح کی برائیوں سے بچنے کے لیے ''اَلْعَفَافَ'' فرمایا۔ اس لیے کہ پاکیزگی کا اطلاق گناہوں سے بچنے پر بھی ہوتا ہے، اور لوگوں سے سوال کرنے سے آدمی کے بچنے پر بھی ہوتا ہے۔

جامع دعا

۱۴۶۹:- وَعَنْ طَارِقِ بْنِ أَشْيَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ إِذَا أَسْلَمَ عَلَّمَهُ النبی ﷺ الصَّلَاةَ ثُمَّ أَمَرَهُ أَنْ يَدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي، وَارْحَمْنِي، وَاهْدِنِي، وَعَافِنِي، وَارْزُقْنِي.

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ عَنْ طَارِقٍ أَنَّهُ سَمِعَ النبی ﷺ وَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! كَيْفَ أَقُولُ حِينَ أَسْئَلُ رَبِّي؟ قَالَ: قُلْ: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي، وَارْحَمْنِي، وَعَافِنِي، وَارْزُقْنِي، فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ تَجْمَعُ لَكَ دُنْيَاكَ وَآخِرَتَكَ.

ترجمہ:- حضرت طارق بن اُشیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اسلام قبول کرتا تھا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو نماز کا طریقہ سکھاتے تھے، پھر اس کو یہ حکم فرماتے تھے کہ وہ ان کلمات سے دعا کرے: اے اللہ! تو میرے گناہوں کو معاف کردے، اور مجھ پر رحم کر، اور مجھے راہِ راست دکھلا، اور مجھے عافیت نصیب فرما، اور مجھے روزی دے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت طارق فرماتے ہیں کہ میں سن رہا تھا کہ ایک آدمی نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! جب میں اللہ سے مانگوں تو کس طرح مانگوں؟

تو پھر حضورِ اکرم ﷺ نے اس کو یہ طریقہ بتلایا: تو یوں کہہ: اے اللہ! تو میرے گناہوں کو معاف کر دے، مجھ پر رحم کر، مجھے عافیت عطا فرما اور مجھے روزی دے؛ یہ ایسے کلمات ہیں جن میں دنیا اور آخرت کی سب بھلائیاں آ گئیں۔

افادات:- مغفرت و رحمت؛ آخرت سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں، اور عافیت و روزی؛ دنیا سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔ اور ''عافیت'' یعنی دلی طور پر اطمینان نصیب ہو، ذہنی طور پر چین و سکون اور بے فکری ہو، اور کسی مشقت کے بغیر نعمتیں حاصل ہو جائیں؛ اسی کو عافیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ گویا عافیت کا اطلاق دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیوں پر ہوتا ہے۔

مانگی تھی تلے کو، مل گئی اوپر کو

ہمارے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے: پیارو! اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی چیز مانگو تو کہو کہ عافیت کے ساتھ عطا فرما۔ اور پھر ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ:-

ایک آدمی سفر کر رہا تھا، سواری کے لیے کوئی جانور نہیں تھا اس لئے پیدل سفر کر رہا تھا۔ جب چلتے چلتے تھک گیا تو دعا کرنے لگا: اے اللہ! سواری دیدے، گھوڑا دیدے، گھوڑی دیدے۔ بار بار یہی دعا کرتا رہا، جب دیکھا کہ نہ گھوڑا مل رہا اور نہ گھوڑی مل رہی ہے، اور تھکن کا زیادہ احساس ہونے لگا تو بے چین ہو کر کہنے لگا: اے اللہ! گھوڑی کا بچہ ہی دیدے۔ خیر! پھر وہ تھکا ہارا راحت و آرام حاصل کرنے اور کچھ سستانے کے لیے ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں اس کے قریب سے ایک سپاہی ایک گھوڑی پر سوار جا رہا تھا، اس کی وہ گھوڑی حاملہ تھی۔ اتفاق کی بات کہ وہیں اس کی

گھوڑی کو بچہ پیدا ہوا۔ پیدا شدہ چھوٹا سا بچہ تھا، اس کو چلانا تو مناسب نہیں تھا، اس لیے اس سپاہی نے اس آدمی کو ایک ڈنڈا مار کر کہا: چل اُٹھ! اور اُس کے کندھے پر اس بچہ کو ڈالا اور کہا: اس کو لے کر میرے ساتھ آگے آگے چل۔ اب یہ کہنے لگا کہ: اے اللہ! مانگی تھی تلے کو، مل گئی اوپر کو۔ یعنی گھوڑی کا بچّہ مل تو گیا لیکن معاملہ الٹا ہو گیا کہ نیچے کے بجائے اوپر کو ملا، اگر نیچے ملا ہوتا تو میں سوار ہوتا، یہاں تو وہ مجھ پر سوار ہے۔ بہر حال! کوئی بھی چیز مانگی جائے تو عافیت کے ساتھ مانگی جائے۔

دلوں کو پھیرنے والے

۱۴۷۰:- وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے؛ ہمارے دلوں کو تو اپنی اطاعت اور فرماں برداری کی طرف پھیر دے۔

افادات:- آدمی کا دل خود اس کے اپنے اختیار میں بھی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتے ہیں اس طرح تصرف فرماتے ہیں، اس لئے آدمی کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کے لئے بھی توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہیے جس کا طریقہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں بتلا دیا۔

اللہ کی پناہ چاہو

۱۴۷۱:- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ جَهْدِ

الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ، وَسُوْءِ الْقَضَاءِ، وَشَمَاتَةِ الْأَعداءِ. (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: آزمائش کی سختی سے (یعنی مصیبت اور وہ بھی ایسی سخت جس کا برداشت کرنا مشکل ہوجائے) اور بدبختی کے پانے سے، اور تقدیر کی تکلیفوں سے، اور دشمنوں کے خوشیاں منانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو (یہ دعا ضرور کرتے رہنا چاہیے)۔

افادات:- ''جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرْكِ الشَّقَاءِ'' ان دونوں جملوں کے متعلق شرّاح فرماتے ہیں کہ: آدمی کے لئے ایسے حالات پیدا ہوجائیں جن کا برداشت کرنا اس کے لئے دشوار ہو؛ اسی کو ''جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرْكِ الشَّقَاءِ'' تعبیر کیا گیا ہے۔

''جَهْدِ الْبَلَاءِ'' کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا گیا ہے: ''كَثْرَةُ الْعَيَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ'' اولاد زیادہ ہو، اور مال کم ہو؛ یہ بھی ''جَهْدِ الْبَلَاءِ'' ہی کی ایک شکل ہے۔

دین دنیا اور آخرت کی جامع دعا

۱۴۷۲:- وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِيْ، وَأَصْلِحْ لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ، وَأَصْلِحْ لِيْ اٰخِرَتِيَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَادِيْ، وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! تو میرے لئے میرے دین کو درست کردے جو میرے سارے معاملات کی بنیاد ہے اور تو میرے لئے میری دنیا کو درست کردے جس میں میری موجودہ زندگی ہے۔ اور

میرے لئے میری آخرت کو درست کردے جس میں مجھے موت کے بعد پہنچنا ہے۔ اور میرے لئے میری زندگی کو ہر بھلائی میں زیادتی کا اور موت کو ہر برائی سے بچاؤ کا ذریعہ بنا۔

افادات:- یعنی سارے معاملات کا خلاصہ اور جڑ دین ہے، اگر دین کسی کو حاصل ہوگیا تو گویا دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں اس کے ہاتھ آگئیں، اس لیے تو دین کو درست کردے۔ اور میری زندگی میں مجھے زیادہ سے زیادہ نیکی کرنے کی توفیق عطا ہو، اور میری موت میرے لئے ہر برائی سے حفاظت کا ذریعہ بن جائے۔ یہ دعا بھی نہایت جامع ہے، اس کے مانگنے کا بھی خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

میرے حالات ٹھیک کردے

۱۴۷۳:- وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قُلْ: أَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَسَدِّدْنِيْ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالسَّدَادَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ دعا کیا کرو: اے اللہ! مجھے سیدھا راستہ دکھلا، اور میری رہنمائی فرما، اور میرے حالات ٹھیک کردے۔

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں

۱۴۷۴:- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں عاجز و درماندہ ہونے سے (یعنی ایسا بے بس ہوجاؤں کہ کوئی کام کرنے کے قابل نہ رہوں) اور سُستی سے (بہت سی مرتبہ آدمی سستی کی وجہ سے نیک کاموں سے محروم رہتا ہے) اور بزدلی سے (آدمی کے اندر شجاعت اور جرأت ہوتو بہت سے نیک کاموں میں سبقت کرتا ہے، اور اگر مزاج میں بزدلی ہوتو اس صورت میں وہ بات نہیں رہتی۔ ویسے بزدلی ہی بعض مرتبہ میدانِ جنگ میں بھی پیچھے ہٹنے کا سبب بنتی ہے، اور میدانِ جنگ میں پیچھے ہٹنا کبیرہ گناہ ہے) اور بہت زیادہ بڑھاپے سے (بڑھاپا اس حد تک آجائے کہ دیکھنے، سننے، چلنے، پکڑنے کی صلاحیت متأثر یا ختم ہوجائے، دماغ بھی پورے طور پر کام نہ کرے، اسی کو سٹھیا جانے والی عمر کہتے ہیں جس میں آدمی کے قویٰ کام نہیں کرتے، اس سے بھی پناہ مانگی گئی۔ بعض روایت میں اسی کو ''أَرْذَلِ الْعُمُر'' کہا گیا ہے) اور کنجوسی سے (یعنی مال سے متعلق جو حقوق ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے کو ''بخل'' سے تعبیر کیا جاتا ہے) اور قبر کے عذاب سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور زندگی کے فتنے سے (زندگی میں جو حالات آدمی کو پیش آتے ہیں جس کے نتیجہ میں بہت سی مرتبہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، یا کسی آزمائش میں پھنس جاتا ہے؛ یہ سب زندگی کے فتنے کہلاتے ہیں۔ اور موت کے فتنے سے (موت کے وقت شیطان آکر گمراہ کرکے ایمان سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے؛ یہ موت کا فتنہ ہے۔ ان دونوں فتنوں سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں)۔

ایک روایت میں ہے: قرض کے بوجھ اور لوگوں کے مسلّط ہوجانے سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں (یعنی قرضہ کا ایسا بوجھ بن جائے جس کا اٹھانا ناقابلِ برداشت ہو اور اس کی ادائیگی ناممکن ہوجائے؛ اس سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ اور لوگوں کا غلبہ یہ ہے کہ لوگ

ایسے مسلّط ہوجائیں کہ صحیح طریقہ پر چلنے ہی نہ دیں، اپنی ہی باتوں پر اصرار کریں؛ اس سے بھی پناہ چاہی گئی ہے)۔

امت کے افضل ترین فرد کو سکھائی گئی دعا

۱۴۷۵:-وَعَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: عَلِّمْنِيْ دُعَاءً أَدْعُوْ بِهِ فِيْ صَلَاتِيْ، قَالَ: ((قُلْ: اللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْماً كَثِيْراً، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِيْ، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)) (متفق عَلَيْهِ)

وفي رواية: ((وفي بيتي)) وَرُوِيَ: ((ظلماً كثيراً)) ورُوِي: ((كبيراً)) بالثاء المثلثة وبالباء الموحدة؛ فينبغي أنْ يجمع بينهما فيقال: كثيراً كبيراً.

ترجمہ:- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی کوئی دعا سکھلایئے جو میں نماز میں پڑھا کروں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ دعا پڑھو: اے اللہ! میں نے گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے، اور گناہوں کو صرف تو ہی معاف کرسکتا ہے، لہٰذا تو محض اپنے فضل سے میرے گناہوں کو معاف کردے اور مجھ پر رحم فرما، تو ہی گناہوں کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

افادات:- اس روایت سے معلوم ہوا کہ آدمی کو ہمیشہ اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا چاہیے، اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد پوری امت میں اور صحابہ کی جماعت میں بھی جو افضل ترین فرد ہیں جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کوئی دعا سیکھنے کی درخواست کی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہی دعا سکھلائی۔ لہٰذا ہمیں تو اور زیادہ

اپنے گناہوں سے ڈرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے

۱۴۷۶:-وعن أبی موسیٰ-رضی اللہ عنہ-عن النّبیّ صلی اللہ علیہ وسلم: أنّہ کانَ یدعُو بھٰذا الدُّعاءِ: ((أَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی خَطِیئَتِی وَجَھْلِی، وإسرافِی فی أمرِی، وَمَا أنتَ أَعْلَمُ بِہِ مِنِّی، أَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی جِدِّی وَھَزْلِی؛ وَخَطَئِی وَعَمْدِی؛ وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِی، أَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِہِ مِنِّی، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، وَأَنْتَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ))(متفق عَلَیْہِ)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! جو کام میں نے نادانستہ طور پر (بھول سے) کئے اور جو نادانی میں ہوگئے؛ ان سب کو معاف کردے۔ اور میں اپنے جس معاملہ میں حد سے آگے بڑھا ہوں اس کو بھی معاف کردے (اسراف کا معنیٰ یہ ہے کہ شریعت نے جس کام کے لیے جو حدود مقرر کئے ہیں ان کی رعایت نہ کرنا) اور میرے ان گناہوں کو (بھی معاف کردے) جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ اے اللہ! تو میرے ان گناہوں کو بھی معاف کردے جو میں نے حقیقت میں کئے اور جو میں نے مذاق کے طور پر کئے، اور جو گناہ نادانستہ طور پر ہوئے، اور جو گناہ دانستہ طور پر کئے، یہ سارے ہی گناہ مجھ سے سرزد ہوئے ہیں۔ اے اللہ! معاف فرما میرے وہ تمام گناہ جو میں نے پہلے کئے، اور جو میں نے بعد میں کئے، اور جو گناہ میں نے چھپ کر کئے، اور جو میں نے علانیہ اور کھل کر کئے، اور وہ تمام گناہ جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے؛ تو ہی نیکی کی توفیق دے کر آگے بڑھانے والا ہے، اور توفیق چھین کر پیچھے رکھنے والا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آدمی نیکی بھی کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کے توفیق نہ دینے سے نیکی سے محروم رہتا ہے) اور تو ہر

چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

نہ کئے کی سزا سے پناہ

۱۴۷۷:-وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُعَائِهِ: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ.(رواہ مسلم)

ترجمہ:-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ان کاموں کے شر سے جو میں نے کئے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں ان کاموں کے شر سے جو میں نے نہیں کئے (یعنی جو کام نہیں کئے پھر بھی اس کی سزا بھگتنی پڑے؛ اس سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں)۔

کچھ اہم دعائیں

۱۴۷۸:-وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَفُجَائَةِ نِقْمَتِكَ، وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ.(رواہ مسلم)

ترجمہ:-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں تیری نعمت کے چھن جانے سے (یعنی تیری جو نعمت میرے پاس ہے وہ کہیں چھن نہ جائے) اور تیری دی ہوئی عافیت کے ہٹ جانے سے، اور تیری سزا کے اچانک آجانے سے، اور تیری ہر طرح کی ناراضگی سے۔

۱۴۷۹:-وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ. أَللّٰهُمَّ آتِ

نَفْسِیْ تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا. أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا. (رواه مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت زید بن اُرقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! مَیں تیری پناہ چاہتا ہوں عاجزی اور درماندگی سے (یعنی کوئی کام کرنے جیسا ہو اور نہ کرسکوں۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسی کمزوری ہے کہ جس کے نتیجہ میں آدمی بہت سی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے) اور سستی سے (سستی بھی بہت سے نیک کاموں کو انجام دینے میں رکاوٹ بن جاتی ہے) اور کنجوسی سے (جو حقوق مالی طور پر آدمی پر واجب ہوتے ہیں ان کی ادائیگی میں آدمی کے لئے مال کی محبت رکاوٹ بن جاتی ہے) اور سٹھیا جانے والی عمر سے (یعنی عمر کی وہ منزل جس میں جا کر آدمی کے قویٰ جواب دیدیتے ہیں اور عقل بھی جیسا کام کرنا چاہیے نہیں کرتی۔ بوڑھا آدمی بچّوں جیسا ہوجاتا ہے) اور قبر کے عذاب سے (اس لئے کہ یہی آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قبر کا تذکرہ کرتے تھے بہت روتے تھے، کسی نے پوچھا: آپ آخرت کے تذکرہ پر بھی اتنا نہیں روتے جتنا قبر کے تذکرہ پر روتے ہیں، کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں پہلی منزل ہے، اگر آدمی وہاں سے عافیت کے ساتھ پار ہوگیا تو آگے کی منزلیں آسان ہیں اور اگر وہیں پکڑ دھکڑ ہوگئی تو آگے کا معاملہ اور زیادہ مشکل ہے) اے اللہ! تو میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما (یعنی گناہوں سے بچنے کے اہتمام کی صفت مجھ میں پیدا فرما) اور اس کو ہر قسم کی برائیوں اور گندگیوں اور برے اخلاق سے پاک کر، اس لئے کہ تو ہی ہے وہ بہترین ذات ہے جو اس کو پاک کرسکتی ہے، اور تو ہی اس کا مالک اور مولیٰ ہے۔ اے اللہ میں تیری

پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے (یعنی جس پر عمل کی توفیق نہ ہو) اور ایسے دل سے جس میں خشوع اور اللہ کا خوف اور ڈر نہ ہو، اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہوتا ہو (مطلب یہ ہے کہ نفس میں حرص و لالچ اتنی ہو کہ ضرورت سے زائد اپنے پاس موجود ہے، اس کے باوجود اس کی لالچ کی کوئی انتہا نہیں، یہ چیز ہلاکت کا ذریعہ بنتی ہے) اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔

۱۴۸۰:- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما **أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ** ﷺ **كَانَ يَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ، وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ.**

زَادَ بَعْضُ الرُّوَاةِ: وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ. (متفق علیه)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں نے تیرے سامنے سپر ڈال دی (یعنی میں نے اپنے آپ کو تیرا فرماں بردار بنادیا کہ جو حکم تو کرے اسی پر چلوں گا) اور میں تجھ ہی پر ایمان لایا اور تجھ ہی پر میں نے بھروسہ و اعتماد کیا، اور اپنے تمام معاملات میں تیری ہی طرف رجوع کیا (اپنے تمام کاموں کے سلسلہ میں تیرے علاوہ کسی اور پر میری نظر نہیں ہے) اور اپنے دشمن کے ساتھ بھی تیری (مدد) ہی کے ذریعہ مقابلہ کیا، اور تیرے ہی سامنے اپنا فیصلہ پیش کیا (کوئی پیچیدہ معاملہ اگر درپیش ہو تو اس کو حل کرنے کے لئے قرآن اور حدیث ہی کو سامنے رکھوں گا) اے اللہ! تو معاف کردے میرے ان گناہوں کو جو میں نے پہلے کئے، اور جو میں نے بعد میں کئے، اور جو میں نے چھپ کر کئے، اور جو میں نے کھل کر کئے۔ اے اللہ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اور گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں مگر تیرے ہی عطا کرنے سے۔

جہنم اور اس کے فتنوں، مالداری وفقیری کے فتنوں سے پناہ

۱۴۸۱:- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَدْعُوْ بِھٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ: أَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ الْغِنٰی وَالْفَقْرِ.

(رواہ ابوداود والترمذی وقال: حدیث حسن صحیح. وھٰذا لفظ ابی داود)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ذریعہ سے بھی دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! آگ کے فتنے سے، جہنم کے عذاب سے اور مالداری اور فقر کی برائی سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

افادات:- جو چیزیں جہنم میں لے جانے والی ہیں ان کو جہنم کا فتنہ قرار دیا ہے۔ ایک تو خود جہنم سے بھی پناہ چاہی گئی اور جہنم کے فتنے یعنی وہ باتیں یا وہ حرکتیں اور کرتوت جو جہنم تک لے جانے والے ہیں ان سے بھی پناہ چاہی گئی۔

مالداری کے نتیجے میں آدمی میں گھمنڈ پیدا ہو جائے، طبیعت میں کبر آجائے اور وہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے، خود پسندی میں مبتلا ہو جائے، جو مالی حقوق مال کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے؛ یہ سب مال کے فتنے ہیں ان سے بھی پناہ چاہی گئی۔

اور فقیری کی برائی سے بھی پناہ چاہی گئی۔ فقیری کے نتیجے میں بہت سی مرتبہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے، خیانت کا مرتکب ہوتا ہے، رشوت لینے لگتا ہے، چوری کرنے پر آمادہ ہوتا ہے، اور معلوم نہیں کن کن برائیوں میں پھنس جاتا ہے۔ اور فقیری کی وجہ سے بعض مرتبہ وہ آدمی ان کے ساتھ حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہے؛ یہ سب فقیری کی برائیاں ہیں جن سے پناہ چاہی گئی ہے۔

برے اخلاق، برے اعمال اور بری خواہشات سے پناہ

۱۴۸۲:- وَعَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنْ عَمِّهِ وَهُوَ قُطْبَةُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ، وَالْأَعْمَالِ، وَالْأَهْوَاءِ. (رواه الترمذی وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت قُطبہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! برے اخلاق، برے اعمال اور بری خواہشات سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

افادات:- قلب خوبیوں یا برائیوں کی جن صفات سے متصف ہوتا ہے، اگر وہ خوبیاں ہیں تو ''اچھے اخلاق'' کہلاتی ہیں، اگر اور وہ برائیاں ہیں ''برے اخلاق'' کہلاتی ہیں۔ جیسے: تواضع، دنیا سے بے رغبتی وغیرہ دل کی اچھی صفات میں سے ہیں۔ تکبر، حسد، بغض؛ یہ دل کی برائیوں میں سے ہیں۔ اور صرف تکبر ہی آدمی کو بہت ساری دوسری برائیوں میں ڈال دیتا ہے، اسی کے نتیجہ میں آدمی دوسروں کے حقوق ادا نہیں کرتا دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اسی کی وجہ سے غصہ کرتا ہے اور لوگوں کے حق مارتا ہے۔ اسی طرح سے ایک برائی شہوت ہے جس کے نتیجہ میں آدمی زنا اور دوسری برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ تو قلب (دل) کی صفات کو ''اخلاق'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور جو کام اعضاء سے سرزد ہوتے ہیں، جیسے: چوری، زنا، رشوت لینا، جوا کھیلنا، شراب پینا؛ یہ سب برے اعمال ہیں۔ گویا اس دعا میں برے اخلاق، برے اعمال اور دل میں جو بری خواہشات اور تمنائیں پیدا ہوتی ہیں ان تینوں سے پناہ چاہی گئی ہے۔

اعضاء کے شرور سے پناہ

۱۴۸۳:- وَعَنْ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! عَلِّمْنِيْ

دُعَاءً. قَالَ قُلْ: أَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ، وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ، وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ، وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ، وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ. (رواہ ابوداود والترمذی وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت شکل بن حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی دعا سکھلائیے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا یہ دعا پڑھو: اے اللہ! میں اپنے کان کے شر سے، اپنی آنکھ کے شر، اپنی زبان کے شر سے، اپنے دل کے شر سے اور اپنی منی کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

افادات:- ”کان کا شر“ یعنی کان کے ذریعہ میں ایسی چیزیں سنوں جن کے سننے سے منع کیا گیا ہے، جیسے: گانا، گالیاں، غیبت، تہمت وغیرہ۔ کان سے جس طرح اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہوسکتی ہے، اسی طرح کان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں بھی مبتلا ہوجاتا ہے، تو کان کے ذریعہ سے جو نافرمانیاں وجود میں آتی ہیں وہ کان کا شر ہے جس سے پناہ چاہی گئی ہے۔

”آنکھ کا شر“ یعنی جن چیزوں کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، جیسے: نامحرم کو دیکھنا، اسی طرح کی اور بھی جو برائیاں ہوسکتی ہیں تو وہ سب آنکھ کا شر ہے۔ اگر کوئی آدمی آنکھوں سے ایسے کام کرے گا تو گویا اس کی برائی اور شر میں مبتلا ہے۔

”منی کا شر“ بول کر شرمگاہ مراد لی گئی ہے، اسی لئے کہ آدمی کے اندر مادّۂ منویہ جب جمع ہوتا ہے تبھی خواہشات اُبھرتی ہیں، اور یہی چیز آدمی کو بدکاری اور زنا میں مبتلا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

دیکھو! ان دعاؤں کے ذریعہ سے ہمیں اس بات کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو اعضاء عطا فرمائے ہیں ان کو ہمیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و

فرماں برداری میں استعمال کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں سے بچانا ہے۔ لہٰذا جہاں عملی طور پر آدمی اس کا اہتمام کرے، وہیں اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کا بھی اہتمام کرے کہ اے اللہ! تیرے دئے ہوئے ان اعضاء اور نعمتوں کو تیری فرماں برداری میں استعمال کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرما اور تیری نافرمانی میں استعمال کرنے سے ہماری حفاظت فرما۔

بیماریوں سے پناہ

۱۴۸۴:- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ، وَالْجُنُوْنِ، وَالْجُذَامِ، وَسَيِّئِ الْأَسْقَامِ. (رواہ ابوداود باسناد صحیح)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں برص (یعنی سفید داغ کی بیماری) سے اور پاگل پن سے، اور جذام سے، اور تمام ہی بری بیماریوں سے۔

افادات:- جذام کو گجراتی میں (rkti*piti) کہتے ہیں، یہ ایک طرح کا سوداوی مادّہ ہوتا ہے جو جسم میں پھیل جاتا ہے جس کے نتیجہ میں اعضاء بگڑنے اور جھڑنے لگتے ہیں۔

برے ساتھی اور بری خصلت سے پناہ

۱۴۸۵:- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُوْعِ، فَإِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيْعُ. وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ، فَإِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بھوک سے، اس لئے کہ وہ بہت برا ساتھی ہے (جو آدمی کے ساتھ بستر میں لیٹے اس کو ''ضَجِیْعٌ'' کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آدمی جب بھوکا ہوگا تو بھوک بستر میں بھی ساتھ رہے گی اور ایسی رہے گی کہ اس کی نیند بھی اڑا دے گی) اور اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خیانت سے، اس لئے کہ وہ بڑی بری خصلت ہے (جو آدمی کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے)۔

روزی کی آسانی اور ادائیگیٔ قرض کے لیے مؤثر دعا

۱۴۸۶:- وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ مُكَاتَباً جَاءَهُ فَقَالَ: إِنِّي عَجِزْتُ عَنْ كِتَابَتِي، فَأَعِنِّي. قَالَ: أَلاَ أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيهِنَّ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم؟ لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلٍ دَيْناً، أَدَّاهُ اللهُ عَنْكَ. قُلْ: أَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلاَلِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ. (رواه الترمذي وقال حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مکاتب غلام ان کے پاس آیا اور عرض کیا: میں نے اپنے آقا کے ساتھ کتابت کا معاملہ کیا ہے، لیکن اس رقم کی ادائیگی سے میں عاجز ہوں؛ آپ میری مدد کیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا: میں تم کو ایسے کلمات نہ سکھلاؤں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے سکھلائے ہیں؟ اگر تمہارے اوپر پہاڑ کے برابر قرضہ ہوگا تب بھی اللہ تعالیٰ اُتار دے گا۔ تم یہ کہا کرو: اے اللہ! تو اپنی حلال روزی کے ذریعہ حرام کی طرف سے مجھے کافی ہوجا، اور تو اپنے فضل کے ذریعہ تیرے علاوہ اور لوگوں کی طرف سے مجھے کافی ہوجا (یعنی تیرا فضل ایسا شاملِ حال فرمادے کہ مجھے کسی اور کی ضرورت نہ رہے)۔

افادات:- پہلے بھی بتلایا تھا کہ پہلے زمانہ میں غلام ہوا کرتے تھے، اور

بعض غلاموں کو ان کے آقایوں کہہ دیا کرتے تھے کہ تم اتنے پیسے ادا کردو تو میں تمہیں آزاد کردیتا ہوں، اس معاملہ کو عربی میں ''عقدِ کتابت'' کہتے ہیں، اور ایسے غلام کو ''مکاتَب'' کہتے تھے، اور جو رقم ادا کرنی ہوتی تھی وہ ''بدلِ کتابت'' کہلاتی تھی۔

یہ بڑی مؤثر دعا ہے، ہمارے اکابر اس کا اہتمام کرتے تھے۔ لوگ عام طور پر قرض کی یا روزی کے معاملہ کی شکایتیں کرتے رہتے ہیں تو ان کو بتایا جاتا ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد سات مرتبہ اس کو پڑھنے کا اہتمام کرے، ان شاء اللہ قرضے سے بھی حفاظت ہوگی۔ جو قرض ہوگا وہ بھی ادا ہوجائے گا۔ اور روزی کا معاملہ بھی آسان ہوجائے گا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دو دعائیں

۱۴۸۷:- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَ أَبَاهُ حُصَيْناً كَلِمَتَيْنِ يَدْعُوْ بِهِمَا: أَللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ، وَأَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ.

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے والد حضرت حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو دعائیں سکھلائیں کہ ان کو مانگتے رہنا: اے اللہ! میرے دل میں میری ہدایت ڈال دے (یعنی مجھے ایسے کاموں کی توفیق عطا فرما کہ اس کے نتیجہ میں میں سیدھے راستے پر چلتا رہوں؛ اسی کو الہام سے تعبیر کیا ہے) اور میرے نفس کے شر سے تو میری حفاظت فرما۔

اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو

۱۴۸۸:- وَعَنْ أَبِي الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ:

يَارَسُوْلَ اللهِ! عَلِّمْنِيْ شَيْئاً أَسْئَلُهُ اللهَ تَعَالٰى. قَالَ سَلُوْا اللهَ الْعَافِيَةَ. فَمَكَثْتُ أَيَّاماً، ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! عَلِّمْنِيْ شَيْئاً أَسْئَلُهُ اللهَ تَعَالٰى. قَالَ لِيْ: يَاعَبَّاسُ يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللهِ! سَلُوْا الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت ابوالفضل عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی دعا سکھلا دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ سے وہی مانگتا رہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ چند دن تک میں ٹھہرا رہا، پھر حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی دعا سکھلائیے کہ میں اللہ تعالیٰ سے وہی مانگتا رہوں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کے رسول کے چچا عباس! اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کے متعلق عافیت ہی مانگو۔

افادات:- گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو دو مرتبہ یہی دعا تلقین فرمائی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ عافیت کتنی اہم چیز ہے۔ پہلے بھی بتلایا تھا کہ ہر قسم کا سکون واطمینان، اور ہر برائی، بیماری اور مصیبت سے حفاظت کے لیے لفظِ ''عافیت'' بولا جاتا ہے؛ بلکہ لفظِ ''عافیت'' دنیا اور آخرت کی تمام نعمتوں کو شامل ہے۔

میرے دل کو اپنے دین پر جمائے رکھ

۱۴۸۹:- وَعَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ لِأُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ! مَا كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا كَانَ عِنْدَكِ؟ قَالَتْ: كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِهِ: يَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ. (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اے ام المؤمنین! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آپ کے یہاں رات گزارتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیادہ تر دعا کیا ہوتی تھی؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر دعا یہ ہوتی تھی: اے دلوں کو اُلٹ پُلٹ کرنے والے؛ میرے دل کو اپنے دین پر جمائے رکھ۔

افادات:- جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا دل ہے لیکن وہ انسان کے اختیار میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی دل میں پیدا ہوتا ہے اور پھر آدمی اسی کے مطابق کرتا ہے۔ جب دل کی یہ کیفیت ہے، اور دل میں آنے والی تبدلیاں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اور اسی کے نتیجہ میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایمان سے ہٹ کر کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے؛ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ دعا سکھائی کہ: اے دلوں کو پھیرنے والے! سب لوگوں کے دل تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہیں؛ تو میرے دل کو اپنے دین پر جمائے رکھ۔ گویا دین پر جمنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق، اسی کے حکم اور ارادہ سے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے اس کی اسی شان اور قدرت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ دعا مانگی جائے۔

محبت کا سوال

۱۴۹۰:- وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ علیہ السلام: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ، وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ، أَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ، وَأَهْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ. (رواه الترمذي وقال حديث حسن)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت داود علیہ السلام کی دعاؤں میں ایک دعا یہ تھی: اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت

مانگتا ہوں (اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا دل میں پیدا ہونا بھی اللہ ہی کے حکم سے ہے، اس لئے یہ بھی اسی سے مانگی جائے) اور جو لوگ تجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت بھی میں تجھ سے مانگتا ہوں (معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے لوگوں کے ساتھ محبت کرنی بھی چاہیے اور مانگنی بھی چاہیے) اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسے عمل کا جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے (ایسے تمام نیک اعمال جن کی خاصیت یہ ہے کہ اگر اخلاص کے ساتھ کئے جائیں تو ان کے نتیجہ میں آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے ان کا بھی میں تجھ ہی سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے ان کی توفیق دیدے) اے اللہ! تو تیری محبت کو میرے نزدیک میری جان اور میرے گھر والوں اور ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ محبوب کر دے (ایک آدمی کے دل میں اپنی جان، اپنے اہل وعیال، اور گرمی کے زمانہ میں ٹھنڈے پانی کی محبت زیادہ ہوتی ہے؛ لیکن یہ دعا مانگی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ اپنی محبت ہمارے دل میں ڈال دے)۔

دعا میں "یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ" بھی کہا کرو

۱۴۹۱:-وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَلِظُّوْا بِيَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. (رواه الترمذی، ورواه النسائی من رواية ربيعة بن عامر الصحابی، وقال الحاكم حديث صحيح الاسناد)

(أَلِظُّوْا) بِكَسْرِ اللَّامِ وَتَشْدِيْدِ الظَّاءِ الْمُعْجَمَةِ مَعْنَاهُ: اِلْزَمُوْا هٰذِهِ الدَّعْوَةَ وَأَكْثِرُوْا مِنْهَا.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یاذالجلال والاکرام کو لازم پکڑو (یعنی جب دعا مانگو تو کثرت سے اس کو کہا کرو)۔

افادات:- ہم جب دعا مانگتے ہیں تو اس میں "اَللّٰھُمَّ، یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن، یَااَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْن" وغیرہ الفاظ کہتے ہیں، تو اس روایت میں بتایا گیا کہ

''یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ'' بھی کہو، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور دعا کو قبولیت کے قریب کرنے والے الفاظ ہیں۔

جامع ترین دعا

۱۴۹۲:- وَعَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ دَعَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِدُعَاءٍ كَثِيْرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئاً. قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ! دَعَوْتَ بِدُعَاءٍ كَثِيْرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئاً. فَقَالَ: أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَجْمَعُ ذٰلِكَ كُلَّهُ؟ تَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَاسَئَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم، وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ.

(رواه الترمذی وقال حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ساری دعائیں مانگیں (یعنی پوری زندگی میں بے شمار دعائیں مانگی اور امّت کو سکھلائیں) ان میں سے بہت کچھ ہم نے یاد نہیں رکھا۔ ایک مرتبہ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے بہت ساری دعائیں فرمائی ہیں جو ہم نے یاد نہیں رکھیں، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم کو ایک ایسی دعا نہ بتلاؤں جو ان ساری دعاؤں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے (یعنی ایک دعا ایسی بتلا دیتا ہوں کہ میں نے اپنی ساری زندگی میں جتنی بھی دعائیں مانگیں وہ سب اس میں آجاتی ہیں) تم یہ دعا کیا کرو: اے اللہ! میں تجھ سے وہ تمام خیر اور بھلائی مانگتا ہوں جو تجھ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مانگی، اور ان تمام شر اور برائی سے پناہ چاہتا ہوں جن سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ چاہی، اور تجھ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے، اور سارے معاملات تیرے ہی اختیار میں ہیں، اور کوئی آدمی گناہ سے بچ نہیں سکتا اور نیکی کی طاقت حاصل نہیں ہو سکتی مگر تیرے ہی حکم سے۔

افادات:- یہ ایک ایسی جامع دعا ہے جو ساری دعاؤں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اس لیے اگر انہیں الفاظ میں جو اصل عربی میں ہیں یاد کرلی جائے تو بہت اچھا؛ ورنہ اردو میں چاہے تو یہ کہے: اے اللہ! حضورِ اکرم ﷺ نے جتنی بھی خیر اور بھلائی تجھ سے مانگی ہے ہم اس کا تجھ سے سوال کرتے ہیں اور حضورِ اکرم ﷺ نے جن شر و رو برائیوں سے پناہ چاہی ہے، ہم ان تمام سے پناہ چاہتے ہیں۔

ایک دعا

۱۴۹۳:- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ، وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ.

(رواہ الحاکم ابو عبد اللہ: وقال حدیث صحیح علیٰ شرط مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی تھی: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان تمام چیزوں کا جو تیری رحمت کو واجب کرنے والی ہیں (یعنی وہ تمام اعمال جن کے نتیجہ میں تیری رحمت حاصل ہوتی ہے ان کی مجھے توفیق عطا فرما) اور وہ تمام اعمال جو تیری مغفرت کو لازم کرنے والے ہیں اور (اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں) ہر گناہ سے حفاظت کا، اور ہر نیکی میں سے حصہ پانے کا اور (اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں) جنّت حاصل کر کے کامیابی پانے کا، اور جہنم سے بچ کر نجات پانے کا۔

بَابُ فَضْلِ الدُّعَآءِ بِظَهْرِ الْغَيْب

غائبانہ دعا کی فضیلت

کسی بندۂ مؤمن کا اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرنے میں اس کی موجودگی میں دعا کرنے کے مقابلہ میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے، کسی کے سامنے تو ہوسکتا ہے کہ دل نہ چاہتا ہو لیکن اس کو خوش کرنے کے لئے کہہ دیا ہو، لیکن جبکہ وہ موجود نہیں ہے اس وقت جب دعا کی جائے گی؛ تو ظاہر ہے اس میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہ قبول بھی ہوتی ہے۔

آیاتِ قرآنیہ

سورۂ حشر میں جہاں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کا تذکرہ کیا ہے اس کے بعد فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ﴾ اور وہ لوگ جو اُن (یعنی مہاجرین وانصار) کے بعد آئے وہ اپنی دعاؤں میں یوں کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو معاف کردے، اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی معاف کردے جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے تھے (اور دنیا سے رخصت ہوگئے)۔

﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ اے نبی! آپ اپنے گناہ کے لئے معافی چاہیے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لئے بھی معافی چاہیے۔
باری تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے یہ دعا کی تھی:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ اے میرے رب! تو مجھے معاف کردے اور میرے والدین کو بھی اور تمام ایمان والوں کو بھی جس دن حساب ہوگا۔

معلوم ہوا کہ جو دعا مؤمنین مردوں اور عورتوں کے لئے کی جاتی ہے وہ سب چوں کہ غائب ہی ہوتے ہیں اس لئے وہ دعا قبول ہوتی ہے۔

قبولیت دعا کا گُر

۱۴۹۴:- وعن أبی الدرداء -رضی الله عنه-: أنّه سَمِعَ رسولَ اللهِ ﷺ یقول: ((مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ یدعُو لأَخِیهِ بِظَهْرِ الغَیْبِ إلاَّ قَالَ المَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب کوئی مسلمان بندہ اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرتا ہے تو ایک فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے بھی اتنا ہی نصیب ہو۔

۱۴۹۵:- وعنه: أنَّ رسُولَ الله ﷺ کَانَ یقول: ((دَعْوَةُ المَرْءِ المُسْلِمِ لأَخیهِ بِظَهْرِ الغَیْبِ مُسْتَجَابَةٌ، عِنْدَ رَأسِهِ مَلَكٌ مُوَکَّلٌ کُلَّمَا دَعَا لأَخِیهِ بِخَیْرٍ قَالَ المَلَكُ المُوَکَّلُ بِهِ: آمِینَ، وَلَكَ بِمِثْلٍ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: مسلمان بھائی کی اپنے مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا قبول ہوتی ہے۔ایک فرشتہ اس کے پاس ہی مقرر رہتا ہے، جب بھی وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے کسی بھلائی کی دعا کرتا ہے تو وہ مقرر فرشتہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ تیری اس دعا کو قبول کرلے، اور تجھے بھی یہی چیز نصیب ہوجائے۔

افادات:- اسی لئے اسلاف میں سے بہت سے حضرات کا معمول تھا کہ

جب ان کی اپنی کوئی حاجت ہوتی تھی تو وہ اپنے ان بھائیوں کے لئے دعا کیا کرتے تھے جو انہیں جیسی حاجت والے ہوتے تھے، مثلاً: اگر کوئی آدمی بیمار ہے تو یہ دعا کرے: اے اللہ! تمام بیماروں کو تندرستی دے؛ تو ایک فرشتہ دعا کرے گا کہ: تمہیں بھی یہی چیز حاصل ہوجائے۔ اس طرح فرشتہ کی دعا خود اپنی بیماری کی شفا کے لئے حاصل ہوجائے گی۔ کوئی آدمی مقروض ہے تو دعا کرے: اے اللہ! تمام مقروضوں کے قرضے اتار دے۔ کوئی آدمی بے گھر ہے تو وہ دعا کرے: اے اللہ! جتنے بھی بے گھر ہیں ان سب کو گھر عطا فرما۔ کسی کے کاروبار میں برکت نہیں ہورہی ہے تو وہ دعا کرے: اے اللہ! سب کے کاروبار میں برکت عطا فرما؛ تو ایک فرشتہ کہے گا: ''وَلَكَ بِمِثْلٍ'' تمہارے حق میں بھی ایسا ہی ہو۔

اپنی غرض کا تقاضہ بھی یہی تھا

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ پوری امّت کے لئے کثرت سے دعاؤں کا اہتمام کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے کتنا زیادہ حاصل ہوتا ہوگا۔ یہ تو ہم لوگ اپنی تنگ نظری کی وجہ سے دعاؤں میں اس چیز کا اہتمام نہیں کرتے، ورنہ اپنی غرض کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ ایسی دعا مانگتے، تاکہ کم سے کم فرشتہ کی دعا حاصل ہوجاتی اور ہمارے ضرورتیں پوری ہوجاتیں۔ اسی لئے تمام اہل اللہ اور ان میں بھی جس کا جتنا اونچا مقام ہوتا ہے وہ اپنی ذات کے مقابلہ میں امّت کے لئے زیادہ سے زیادہ دعاؤں کا اہتمام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے۔

بَابٌ فِيْ مَسَائِلِ مِنَ الدُّعاء

دعا کے چند مسائل

احسان کا بڑا بدلہ

۱۴۹۶:-وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللهُ خَيْراً، فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَآءِ.

(رواه الترمذی وقال حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے ساتھ کسی طرح کی بھلائی کا سلوک کیا گیا، پھر اس نے اس بھلائی کرنے والے کو جواب میں کہا: (جَزَاكَ اللهُ خَيْراً) اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا بدلہ دے؛ تو اس نے بھلائی کرنے والے کو بدلہ دینے میں بہت مبالغہ سے کام لیا (یعنی بہت بڑا بدلہ دیا)۔

افادات:- اس لئے کہ یہ جملہ کہنے والا گویا یوں کہنا چاہتا ہے کہ آپ نے میرے ساتھ جو احسان کیا، میں تو اس کا بدلہ دینے سے قاصر ہوں، اب میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی آپ کے اس احسان کا اچھا بدلہ عطا فرمائے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بدلہ دیا جائے گا وہ بہت بڑا بدلہ ہوگا۔ اگر یہ خود دیتا تو ویسا بدلہ نہیں دے سکتا تھا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا۔ اس لئے واقعہ یہ ہے جو آدمی احسان کرنے والے کو دعا کے طور پر یہ الفاظ کہتا ہے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اس کے احسان کا بہت بڑا بدلہ دیا۔

بہت کچھ دیا جس نے دل سے دعا دی

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ جو مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم تھے اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء میں تھے، حضرت قاری سیّد صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ و شیخ تھے، حضرت قاری صاحب کو انہیں سے اجازت حاصل تھی۔ میرٹھ کے رہنے والے ایک صاحب جو حضرت کے پاس آیا جایا کرتے تھے جو شاعر بھی تھے، ان کا تخلص تسکینؔ میرٹھی تھا، انہوں نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ مکاتیب جو خود انہی کے نام تھے اس کو ''مکاتیبِ اسعد'' کے نام سے جمع کیا ہے، اسی ضمن میں انہوں نے اپنا ایک شعر بھی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ جب میں نے حضرت کے سامنے اپنا یہ شعر پیش کیا تو حضرت نے اس کو بہت پسند فرمایا، اس میں اسی مضمون کو بیان کیا ہے:-

گدا کو بھی اہلِ کرم کم نہ سمجھیں ٭ بہت کچھ دیا جس نے دل سے دعا دی

ظاہر ہے کسی فقیر کے ساتھ کوئی احسان و بھلائی کا معاملہ کیا جاتا ہے تو وہ اپنی طرف سے اور تو کچھ نہیں دے سکتا لیکن دعا تو دے سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے جو آدمی اپنے احسان کرنے والے کو جواب میں یہ جملہ کہتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رہا ہے کہ: اے اللہ! اس نے میرے ساتھ جو احسان کیا ہے اب تو ہی اس کا بدلہ دیدے۔ اگر وہ اپنی طرف سے کوئی بڑے سے بڑا بدلہ دیتا تب بھی اس دعا کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بدلہ دیا جائے گا وہ اس کی طرف سے دئے جانے والے بدلے کے مقابلہ میں بہت بڑھ کر ہے جیسے: جب کوئی آدمی ہدیہ دے تو آداب میں سے یہ ہے کہ آپ بھی جواب میں اس کو

اپنی حیثیت کے مطابق کچھ ہدیہ پیش کیجئے، اور ساتھ ہی ساتھ دعا بھی دیدیجئے۔ اس لئے بہت ضروری ہے کہ جب کسی کی طرف سے کوئی احسان کا معاملہ کیا جائے تو اس کو ''جَزَاكَ اللهُ خَيْراً'' کے الفاظ سے دعا دینی چاہیے۔

اولاد واموال کے لیے بددعامت کرو

۱۴۹۷:- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَا تَدْعُوْا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، وَلَا تَدْعُوْا عَلَى أَوْلَادِكُمْ، وَلَا تَدْعُوْا عَلَى أَمْوَالِكُمْ، لَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللهِ سَاعَةً يُسْئَلُ فِيْهَا عَطَاءً فَيَسْتَجِيْبَ لَكُمْ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے لئے بددعا نہ کرو، اور اپنی اولاد کے لئے بھی بددعا نہ کرو، اور اپنے اموال پر بھی بددعا نہ کرو، کہیں وہ دعا اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی گھڑی میں واقع نہ ہوجائے جس میں اللہ تعالیٰ سے جو چیز بھی مانگی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لئے قبول کر لیتے ہیں۔

افادات:- بعض اوقات اور گھڑیاں ایسی ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی ہوتی ہیں، بندوں کو ان کا پتہ نہیں ہوتا کہ یہ قبولیت کی گھڑی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ ان گھڑیوں میں جو بھی مانگا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ دیدیا جاتا ہے۔

بعض مرتبہ آدمی حالات سے پریشان ہوکر ایسے کچھ جملے اپنی زبان سے نکال دیتا ہے جو بددعا کے ہوتے ہیں، خاص کر عورتوں کی ایسی عادت زیادہ ہی ہوتی ہے، بات بات پر کہتی ہیں: ''میں مر کیوں نہیں جاتی۔ میں مرجاؤں، زمین میں گڑ جاؤں'' وغیرہ؛ تو اس روایت میں کہا گیا ہے کہ اپنے لئے بددعا نہ کرو۔

اولاد کی طرف سے پریشانی کی کوئی بات ہوتی ہے تو بہت سی مرتبہ ناراض ہو کر کہتی ہیں: ''تو مر جائے، قبر میں گڑ جائے، تیرا ایسا ہو جائے؛ وغیرہ''۔ تو فرمایا کہ اپنی اولاد کے لئے بھی بددعا نہ کرو۔

''اور اپنے اموال پر بھی بددعا نہ کرو'' جیسے: سواری کا گھوڑا ہے، یا گائے بھینس کی طرف سے تکلیف کی کوئی بات پہنچی تو زبان سے بددعا کا جملہ نکل جاتا ہے، جیسے: یہ ختم بھی نہیں ہو جاتا، وغیرہ۔ اپنے کاروبار میں کبھی ایسا کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو آدمی اسی کے متعلق بددعا کرنے لگتا ہے کہ یہ کاروبار بھی میرے لئے بڑی مصیبت ہے، اس سے جان بھی نہیں چھوٹتی۔ جب یہ ہاتھ سے چلا جائے گا تو پتہ چلے گا کہ یہ مصیبت تھی یا اور کچھ تھا۔

بہر حال! تو یہ تین چیزیں ہوئیں، اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے، اور اپنے اموال کے لئے بددعا نہ کرو۔

......پھر آدمی زندگی بھر روتا پھرتا ہے

اور عام طور پر جب آدمی اپنے لئے، یا اپنی اولاد کے لئے، یا اپنے مال کے لئے بددعا کرتا ہے تو اگر چہ زبان سے تو ایسا بولتا ہو، لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس کا دل نہیں چاہ رہا ہوتا ہے کہ ایسا ہو ہی جائے۔ دراصل وہ اپنا غیظ وغضب اور ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے اپنی زبان سے ایسے جملے نکالتا ہے، حقیقت میں بددعا مقصود نہیں ہوتی، بلکہ دل کی بھڑاس نکالنی مقصود ہوتی ہے، لیکن دل کی بھڑاس کو بددعا کی شکل میں نکالتا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر چہ آپ کا دل تو نہیں چاہتا کہ ایسا ہو جائے لیکن وقت کے جس حصہ میں یہ جملہ آپ کی زبان سے نکلا وہ گھڑی اللہ تعالیٰ کے یہاں

ان گھڑیوں میں سے تھی کہ اس میں جو بھی مانگا جائے اللہ تعالیٰ کے یہاں سے وہ دیدیا جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کا جملہ قبول کرلیا جاتا ہے اور اسی کے مطابق ہوجاتا ہے؛ تو پھر آدمی زندگی بھر روتا پھرتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ رمضان میں ایک جگہ پر لکھا ہے کہ: رمضان المبارک میں روزے کی حالت میں بعض مرتبہ عورتیں ناراض ہوکر ایسا جملہ بولتی ہیں اور جب اسی طرح ہوجاتا ہے تو پھر زندگی بھر روتی پھرتی ہیں۔ بہرحال! اس میں دعا سے تعلق رکھنے والا ایک ادب بتلایا گیا ہے، آدمی کو اس کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

بددعا کی مثال گیند (Ball) جیسی ہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ آدمی بددعا کا مزاج ہی کیوں بنائے۔ بعض لوگوں کا مزاج ہی بات بات میں بددعا دینے کا ہوتا ہے، بلکہ اس طرح سے وہ لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں کہ تمہارے لئے بددعا کردوں گا۔ حالاں کہ ایک بات یاد رہے کہ بددعا لعنت ہے، اور لعنت یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا۔ اس کے متعلق حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی پر لعنت اور بددعا کرتا ہے تو وہ بددعا آسمان پر جاتی ہے، لیکن آسمان پر جانے کے لئے اس کو جگہ نہیں دی جاتی، وہاں سے واپس بھیج دی جاتی ہے، تو وہ جس کے لئے کی گئی ہے اس کے پاس پہنچتی ہے، اگر وہ اس کا حقدار ہوتا ہے تب تو ٹھیک ہے، اس کو لگ جاتی ہے، ورنہ پھر وہ اپنے لئے جگہ تلاش کرتی ہے، اور جب اس کو کوئی جگہ نہیں ملتی تو جس نے وہ لعنت اور بددعا کی ہے اسی پر پڑ جاتی ہے۔

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے محدث اور عالم گزرے ہیں، بہت بڑے بزرگ بھی تھے، انہیں کے حوالہ سے ہمارے حضرت مفتی

صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ: بددعا اور لعنت کی مثال گیند (Ball) جیسی ہے، اس کو آپ نے کسی جگہ پھینک کر مارا، اب اگر وہ جگہ نرم ہے اور اپنے اندر اس گیند کو کیچ کر لیتی ہے؛ تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر وہ جگہ ایسی نہیں ہے جو اس گیند کو اپنے اندر جذب کر سکے، بلکہ وہ جگہ سخت ہے تو پھر وہ گیند دوبارہ لوٹ کر جس نے پھینکی ہے اسی کی طرف آجاتی ہے۔ بددعا اور لعنت کا حال ایسا ہی ہے۔

اسی لئے عام طور پر ایسے لوگ جن کی عادت اپنی زبان سے بددعائیہ جملے نکالنے کی ہوتی ہے وہ زندگی بھر پریشان ہی رہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے لئے بھی بددعا کے جملے نکالتے ہیں جو بددعا کے حقدار نہیں ہوتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوٹ کر ان کے اوپر ہی آتی ہے، اور انہیں کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔

اسلاف اور بزرگوں کا طریقہ یہی رہا ہے

بہر حال! یہ بڑی خطرناک چیز ہے، اس لئے مزاج ہی ایسا بنایا جائے کہ آدمی کسی کے لئے بددعا کرے ہی نہیں۔ جیسے: ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصہ سنایا تھا کہ:

ایک بزرگ کشتی میں جا رہے تھے، اسی کشتی میں کچھ لوگ شراب پی رہے تھے اور شراب پینے والوں کو جب نشہ چڑھتا ہے تو وہ لوگ کسی کو تماشا بنا لیتے ہیں، سر پر ٹپلیاں مار مار کر اس سے دل لگی کرتے ہیں، جس کو سر پٹیا کہتے ہیں۔ اب وہ بزرگ بیچارے کشتی میں سوار تھے تو شرابیوں نے انہیں کو سر پٹیا بنا کر ان کے ساتھ مذاق کا معاملہ شروع کر دیا۔ ان لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ ان کا مقام اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا ہے۔ جب ان کے ساتھ یہ معاملہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا کہ ان لوگوں کو سزا دی جانی چاہیے، ان کو بھی اس کا احساس ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ: اے اللہ! تو

جس طرح ان لوگوں کو ہلاک کرسکتا ہے وہیں ان کو بری حرکتوں سے توبہ کی توفیق بھی تو عطا فرما سکتا ہے؛ اس لیے اے اللہ! میں تو تجھ سے یہی درخواست کرتا ہوں کہ تو ان سب کو توبہ کی توفیق عطا فرما دے۔ چناں چہ ان کی دعا کی برکت سے وہ سب لوگ اللہ والے بن گئے۔ معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنی زبان سے اگر کچھ کہنا ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے کچھ منظور ہی کروانا ہے تو کوئی بری بات کیوں منظور کروائے، اچھی بات منظور کروالو؛ تاکہ ان کا کام بن جائے اور اپنا بھی بن جائے۔ ہمارے اسلاف اور بزرگوں کا طریقہ یہی رہا ہے۔

سجدہ کی حالت میں کثرت سے دعا مانگا کرو

۱۴۹۸:- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَآءَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، اس لیے اس حالت میں کثرت سے دعا مانگا کرو۔

افادات:- اب سوال ہوتا ہے کہ نماز کے سجدہ میں دعا مانگی جاسکتی ہے؟ تو سمجھ لینا چاہیے کہ نمازیں دو طرح کی ہیں، ایک فرائض اور دوسری نوافل۔ فرائض میں تو جو تسبیحات بتلائی گئی ہیں انہیں کا اہتمام کیا جائے، خاص کر امام تو وہی پڑھے، کیونکہ امام کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ نماز میں اتنا طول نہ دے جس کی وجہ سے مصلیوں کو دشواری پیدا ہو، البتہ نوافل کے سجدوں میں ماثور دعاؤں کی اجازت ہے۔ اگر کوئی ایسی دعا جو لوگوں کے کلام سے مشابہ ہو، یعنی قرآن وحدیث میں نہ آئی ہو، بلکہ ایسی چیز ہو جو لوگوں سے مانگی جاسکتی ہو، وہ مانگ لی تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ معلوم

ہوا کہ نوافل کے سجدوں میں ماثور دعائیں مانگی جاسکتی ہیں۔

ہر ایک کی دعا قبول ہوتی ہے

۱۴۹۹:- وعنه: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ يَقُولُ: قَدْ دَعَوْتُ رَبِّي، فَلَمْ يَسْتَجِبْ لِي)) (متفق عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ جلد بازی سے کام نہ لے (جلد بازی کا مطلب یہ ہے کہ) وہ کہتا ہے کہ میں نے تو بہت دعا کی لیکن میری دعا قبول نہیں ہوتی (اپنی طرف سے یہ طے کر لینا کہ اس دعا کا اثر دو چار دن میں ظاہر ہونا ہی چاہیے؛ یہی جلد بازی ہے)۔

وفي روايةٍ لمسلمٍ: ((لَا يَزَالُ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ، أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ، مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ. قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الْإِسْتِعْجَالُ؟ قَالَ: ((يقول: قَدْ دَعَوْتُ، وَقَدْ دَعَوْتُ، فَلَمْ أَرَ يَسْتَجِبُ لِي، فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذَلِكَ، وَيَدَعُ الدُّعَاءَ.))

ایک اور روایت میں ہے: بندہ کی دعا برابر قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ کسی گناہ، یا قطعِ رحمی کی دعا نہیں کرتا (بس اتنی شرط ہے کہ) جلد بازی سے کام نہ لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! جلد بازی کا کیا مطلب ہے؟ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (وضاحت فرماتے ہوئے) ارشاد فرمایا: (جلد بازی کا مطلب یہ ہے کہ) آدمی یوں کہنے لگے کہ: میں نے تو دعا کی اور خوب کی، لیکن میں دیکھ نہیں رہا ہوں کہ میری دعا قبول ہو رہی ہو۔ گویا یہ کہہ کر وہ حسرت وافسوس کا اظہار کرے اور دعا کرنا چھوڑ دے۔

افادات:- اور ظاہر ہے کہ اگر آدمی دعا کرنا ہی چھوڑ دے گا تو نقصان خود

اسی کا ہوگا، نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ اور اس کی عظمتِ شان میں کوئی نقصان ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے بندے کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے۔

اثر چالیس سال کے بعد ظاہر ہوا

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہر دعا قبول کی جاتی ہے لیکن بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اس دعا کا اثر دیر میں ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی تھی: ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ اس دعا پر حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی تھی۔ تو دعا مانگنے والے بھی نبی تھے اور آمین کہنے والے بھی نبی تھے، اور باری تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ کہہ دیا گیا: ﴿قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا﴾ تمہاری دعا قبول کر لی گئی، لیکن اس کا اثر چالیس سال کے بعد ظاہر ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دعا قبول بھی ہو جاتی ہے لیکن ہم یوں سمجھتے ہیں کہ آج ہی اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے، تب ہی وہ دعا قبول ہوئی، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں مصلحتیں ہیں، وہ ہماری مصلحتوں کو ہم سے بہتر جانتا ہے۔ جب بندہ کوئی چیز مانگتا ہے اور اس چیز کا دیا جانا اس کے حق میں خلافِ مصلحت ہوتا ہے، تو اگرچہ بندہ یوں سمجھ رہا ہوتا ہے کہ مل جائے تو فائدہ ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اس کے لئے اس میں فائدہ نہیں ہے؛ تو اللہ تعالیٰ وہ چیز فوراً نہیں دیتے، اسی کو شیخ سعدیؒ نے گلستاں میں کہا ہے: ''پدر را عسل بسیار است، ولیکن پسر گرمی دار است''۔ باپ کے پاس شہد تو بہت ہے، لیکن بیٹے کے مزاج میں گرمی ہے، اور شہد کی خاصیت بھی گرم ہے، اب بیٹا مانگتا ہے لیکن باپ کے پاس ہونے کے باوجود بھی نہیں دیتا، اس لیے کہ وہ

سمجھتا ہے کہ اگر دے دوں گا تو اس کو نقصان ہوگا۔

اُو مصلحتِ تو از تو بہتر می داند

اسی طرح ہم جو کچھ بھی مانگتے ہیں اس کے بارے میں ہمارا ایمان ویقین ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں ہے، اور اللہ تعالیٰ بخیل بھی نہیں ہے، بلکہ سخیوں کا سخی ہے، اس نے ہمیں زندگی، اعضاء اور دنیا کی بہت ساری نعمتیں بغیر مانگے عطا فرمائی ہیں اور وہ ایسی ذات ہے جو مانگنے سے خوش ہوتا ہے اور نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے۔ دنیا والوں کا حال تو یہ ہے کہ کیسا ہی محبت رکھنے والا ہو، باپ بھی جب بیٹے کی طرف سے فرمائشیں بہت بڑھ جاتی ہیں تو ناراضگی کا اظہار کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ تو ایسی ذات ہے کہ مانگنے سے خوش ہوتی ہے۔ اب جس ذات کا حال ایسا ہو کہ اس کے خزانے بھرے ہوئے ہوں، اور وہ سخیوں کا سخی ہو، اور مانگنے سے خوش ہوتا ہو؛ پھر بھی ہمارے مانگنے کے باوجود فوراً نہ دے رہا ہو؛ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ہماری مصلحت اسی میں ہے کہ وہ چیز ہمیں نہ ملے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے:-

آں کس کہ ترا تونگر نمی گرداند ❁ اُو مصلحتِ تو از تو بہتر می داند

وہ ذات جو تجھے مالدار نہیں بناتی، وہ تیری مصلحت تجھ سے بہتر جانتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تیری بھلائی اسی میں ہے کہ یہ چیز تجھے نہ دی جائے اس لیے نہیں دے رہی ہے۔

در بند آں مباش......

بہرحال! بندے کا یہ کہنا کہ میں نے تو بہت دعائیں مانگیں لیکن قبول نہیں ہوئیں، نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک طرح کی شکایت اور جلد بازی ہے، اور جلد بازی کرنے پر اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا قبول نہیں کی جاتی۔ اس لیے دعا کی قبولیت

کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی مانگتا رہے۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

حافظ! وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس ❁ در بندِ آں مباش کہ شنید یا نہ شنید

حافظ! تمہارا کام تو دعا کرنا ہے، اب اس فکر میں نہ رہو کہ اس نے سنی یا نہیں سنی، بس ہم تو دعا کرتے رہیں گے۔ ہم تو بندے ہیں اور بندگی و عبدیت کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں، اگر نہیں بھی ملا تو مانگنے کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔ اور چوں کہ دعا خود بھی عبادت ہے، اس لیے عبادت کا ثواب تو کہیں گیا ہی نہیں۔

قبول ست گرچہ ہنر نیستت

اور پھر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر کہاں جائے گا؟ ایک بزرگ روزانہ عبادت کرتے تھے، اور روزانہ رات کے اخیری حصہ میں آواز آتی تھی کہ تم کچھ بھی کرو، ہمارے یہاں قبول نہیں ہے۔ ایک مرتبہ ان کا ایک مرید بھی وہاں موجود تھا، وہ آواز اس کے کان میں بھی پڑ گئی تو کہنے لگا: حضرت! کیا آپ نے سنا نہیں؟ انہوں نے کہا: کیا تو نے سنا؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ کو یہ کہا جا رہا ہے کہ تم کچھ بھی کرو، ہمارے یہاں قبول نہیں ہے۔ ان بزرگ نے کہا: یہ آواز تو میں چالیس سال سے سن رہا ہوں۔ اس نے کہا: اس کے باوجود بھی آپ اسی میں لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا: اور کوئی جگہ اور دروازہ ہو تو بتاؤ، جہاں میں جاؤں؟ بس انھوں نے جیسے ہی یہ جواب دیا تو آواز آئی:

قبول ست گرچہ ہنر نیستت ❁ کہ جز ما پناہے دگر نیستت

ہم کو آپ کی عبادت قبول ہے اگرچہ اس میں کوئی ہنر نہیں ہے، کیوں کہ تمہارے لئے اور کوئی دروازہ بھی تو نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے دربار میں تو بندگی اور عبدیت کا اظہار ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کا معاملہ ہے، وہ بڑی بے نیاز ذات ہے۔ خدانہ

کرے کوئی ایسی چیز زبان سے نکل گئی تو لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں، اس لیے اس معاملہ میں آدمی کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

دو اَوقات کی دعا زیادہ سنی جاتی ہے

۱۵۰۰:- وعن أبي أمامة رضي الله عنه قال: قيل لرسول الله ﷺ: أيُّ الدُّعاءِ أَسْمَعُ؟ قال: ((جَوْفَ اللَّيْلِ الآخِرِ، وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ المَكْتُوبَاتِ))

(رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: اللہ تعالیٰ کے یہاں کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ (یعنی جلدی قبول ہوتی ہے؟) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات کے آخری حصہ اور فرض نمازوں کے بعد کی۔

ہاتھ تو اخیر میں پھیرا جاتا ہے

افادات:- یہ دو اوقات ایسے ہیں جن میں آدمی دعا کا اہتمام کرے اس لیے کہ ان اوقات میں مانگی گئی دعائیں جلدی قبول ہوتی ہیں۔ ان میں ایک فرض نمازوں کے بعد بھی دعا قبول ہوتی ہے مگر ہم لوگوں کو اس وقت ایسی جلدی ہوتی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعا کی نہ کی اور چہرے پر ہاتھ پھیر کر اُٹھ جاتے ہیں، حالاں کہ دعا میں چہرہ پر ہاتھ پھیرنا تو اخیر میں ہے۔

دیکھو! دعا کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینے کے سامنے تک اٹھائے، ہاتھوں کا رُخ آسمان کی طرف ہو، اور دونوں ہاتھوں کے درمیان میں ذرا سا فصل ہو، اس ہیئت کے ساتھ دعا مانگے، پھر جب دعا ختم کرے تو دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لے۔ اصل تو ہاتھوں کا پھیرنا دعا کا تکملہ اور تتمہ ہے۔ لیکن یہاں دعا تو کی نہیں اور ویسے ہی

ہاتھ چہرہ پر صرف پھیر لیے؛اس کا کیا مطلب ہوا؟

تین میں سے ایک چیز ضرور ہوتی ہے

۱۵۰۱ :-وعن عُبَادَةَ بنِ الصامت -رضی اللہ عنہ- : أَنَّ رسولَ اللهِ -ﷺ- قَالَ: ((مَا عَلَى الأَرْضِ مُسْلِمٌ يَدْعُو اللهَ تَعَالَى بِدَعْوَةٍ إِلاَّ آتَاهُ اللهُ إِيَّاهَا، أَوْ صَرَفَ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهَا، مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ، أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ))، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ القَوْمِ: إِذاً نُكْثِرُ قَالَ: ((اللهُ أَكْثَرُ)). رواه الترمذي، وقال: ((حديث حسن صحيح)).

ورواه الحاكم من روايةِ أبي سعيدٍ وزاد فِيهِ: ((أَوْ يَدخِرَ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مثْلَهَا))

ترجمہ:- حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے مگر یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگی ہے وہی اس کو عطا فرمادیتے ہیں، یا وہ چیز تو نہیں دیتے لیکن اس دعا کے بدلہ میں کوئی تکلیف ومصیبت اور برائی کو دور کردیتے ہیں؛ جب تک وہ کسی گناہ، یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔اس پر ایک آدمی نے عرض کیا: (اے اللہ کے رسول!) جب ایسا ہے تو پھر ہم خوب دعائیں کریں گے (دعا کرنے میں کمی نہیں کریں گے) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ بھی خوب دینے والا ہے (جتنا چاہو مانگو، اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں ہے)

حاکم کی روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ اس دعا کو جمع رکھتے ہیں جس کا اجر قیامت میں ملے گا۔

افادات:- اس لیے ان تین میں سے ایک چیز ضرور ہوتی ہے۔پہلی تو یہ کہ اس نے جو چیز مانگی، وہی چیز اس کو دیدیتے ہیں، دوسری یہ کہ اس کے بدلہ میں کسی مصیبت وپریشانی سے بچالیتے ہیں۔مثال کے طور پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے ایک ہزار روپے مانگے، اب یا تو ایک ہزار روپے مل گئے۔دوسری شکل یہ ہے کہ آپ کے بیٹے کو

کوئی بیماری آنے والی تھی اور اس میں ہزار دو ہزار خرچ ہونے والے تھے، لیکن اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آنے والی اس بیماری کو دفع کر دیا اور وہ اس بیماری سے محفوظ رہا۔ اور تیسری شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ نہ تو وہ چیز دی گئی، اور نہ تو اس کے بدلہ میں کوئی مصیبت دور کی گئی، بلکہ وہ دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں ذخیرہ ہوگئی۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں جمع رہتی ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا اتنا اجر عطا فرمائیں گے کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جس جس دعا کا اثر دنیا میں نظر نہیں آیا تھا، بندہ جب اس کا اجر و ثواب وہاں دیکھے گا تو یہ تمنا کرے گا کہ کاش! دنیا میں میری ایک بھی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی، تو آج ان سب کا بدلہ یہاں ملتا۔

دعائے کرب؛ نہایت مجرب

۱۵۰۲:- وعن ابنِ عباس رضی الله عنهما: أَنَّ رسولَ الله -ﷺ- كَانَ يقولُ عِنْدَ الكَرْبِ: ((لا إلهَ إلاَّ اللهُ العَظِيمُ الحليمُ، لا إلهَ إلاَّ اللهُ رَبُّ العَرْشِ العَظيمِ، لاَ إلهَ إلاَّ اللهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ، وَرَبُّ الأَرْضِ، وَرَبُّ العَرْشِ الكَرِيمِ)) (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصیبت کے وقت یہ کہا کرتے تھے: اس اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو عظمتوں والا اور حلم والا ہے، اس اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو عرش کا مالک اور عظمتوں والا ہے۔ اس اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب اور عرش کا مالک اور کرم والا مہربان ہے۔

تعریف مانگنے کے لیے ہی کی جاتی ہے

افادات:- کسی آدمی پر کوئی ناقابلِ برداشت مصیبت آجائے اس کے لیے

یہ دعا بہت مجرب ہے۔اس دعا میں دیکھا جائے تو کچھ مانگا نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات سے جب مخاطب کیا گیا تو اسی پر اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف ضرور دور کریں گے، جیسے: کسی سخی کو کہا جاتا ہے کہ آپ تو بڑے سخی ہیں، آپ تو ایسے ایسے صفات والے ہیں، وہاں کچھ مانگا نہیں جاتا کہ اتنا دو، بلکہ صرف تعریف کی جاتی ہے، اس لیے کہ معلوم ہے کہ جب اس کی تعریف کی جائے گی تو وہ دے گا ہی۔تو جیسے کسی سخی کی تعریف کرنا خود ایک طرح کا سوال ہے، ٹھیک اسی طرح اس دعا میں بھی سوال کے طور پر کوئی چیز مانگی نہیں جارہی ہے، اس کے باوجود کسی مصیبت کے وقت آدمی اللہ تعالیٰ کو جب ان کلمات سے پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو دور کردیتے ہیں۔ جیسے: کوئی بھوکا کسی سخی کو یوں کہے کہ: آپ کی سخاوت تو بہت مشہور ہے اور آپ کے دروازہ سے کوئی بھی آدمی خالی نہیں لوٹتا، اور وہ جانتا ہے کہ یہ بھوکا ہے تو وہ فوراً اس کی ضرورت پوری کرتا ہے۔اسی طرح کوئی بندہ کسی تکلیف ومصیبت میں گرفتار ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ کو ان پاکیزہ ناموں سے پکارے گا تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کی تکلیف کو دور کرے گا۔

دریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

ایک حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب بندہ ”أَللّٰهُمَّ“ کہتا ہے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ”لَبَّيْكَ يَاعَبْدِيْ“ میرے بندے! میں حاضر ہوں۔اللہ تعالیٰ کی بھی کیا عجیب شان ہے! کتنی عظمتوں اور کبریائی والی ذات ہے اس کے باوجود بندہ جب اس کو ”اے اللہ“ کہہ کر پکارتا ہے، تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندے! مَیں حاضر ہوں؛ اس جملہ پر تو آدمی کو مارے خوشی کے قربان ہوجانا چاہیے۔

نوٹ:- ''الادب المفرد'' میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل عنوان قائم فرمایا ہے: ''بَابُ الدُّعَآءِ عِنْدَ الْکَرْبِ'' اس موقعہ پر حضرت اقدس دامت برکاتہم نے مزید تفصیل کے ساتھ بڑا مؤثر درس دیا تھا؛ اس کو بھی پیش کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَابُ الدُّعَآءِ عِنْدَ الْکَرْبِ

مصیبت و پریشانی اور ناگہانی آفت کے وقت کی دعا

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو ہر ہر موقعہ پر کوئی نہ کوئی دعا سکھائی ہے، کوئی آدمی اچانک کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے، کوئی پریشانی لاحق ہو، کوئی پریشان کن اور غم و حزن میں ڈالنے والا معاملہ اور بے چین کرنے والا واقعہ اچانک پیش آجائے، اس وقت آدمی کیا کرے؟ تو اس موقعہ کی دعا بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی ہے۔ اس موقعہ کی مختلف دعائیں ہیں، اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو دعائیں ذکر کی ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَدْعُوْا عِنْدَ الْکَرْبِ: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمُ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مصیبت اور پریشانی کے وقت، یا اچانک آنے والی تکلیف و بے چینی کے موقعہ پر یہ دعا فرمایا کرتے تھے: نہیں کوئی معبود اس اللہ کے سوا جو بڑی عظمت والا اور حلم و تحمل والا ہے۔ نہیں کوئی معبود سوائے اس اللہ کے جو آسمانوں اور زمین کا اور عرشِ عظیم کا رب ہے۔

افادات:- ''رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ'' میں ''اَلْعَظِیْمِ'' کو رب کی صفت

بھی قرار دیا گیا ہے جس کا ترجمہ ہوگا: عرش کا عظمت والا رب۔ اور عرش کی صفت بھی قرار دیا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہوگا عظمت والے عرش کا رب۔ دونوں طریقوں سے پڑھا گیا ہے۔

اس باب میں انہوں نے کل تین روایتیں پیش کی ہیں، اس میں جو تیسری روایت ہے اس میں بھی تقریباً اسی دعا کو نقل کیا ہے جس میں تقریباً اسی جیسے ملتے جلتے الفاظ ہیں:

عن عبد اللہ بن الحارث قال سمعتُ ابن عباس رضی اللہ عنہما یقول: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ عِنْدَ الْكَرْبِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ، أَللّٰهُمَّ اصْرِفْ شَرَّهٗ.

ترجمہ:- عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی مصیبت اور تکلیف کے وقت یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو عظمت والا اور حلم والا ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں جو عرش عظیم کا رب ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور عرش کریم کا رب ہے۔ اے اللہ! یہ مصیبت جو پیش آئی ہے اس کے شر اور ضرر کو مجھ سے دور کردے۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

افادات:- یہ دونوں روایتیں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی منقول ہیں۔ ان میں جو کلمات بطورِ دعا کے سکھائے گئے ہیں، اس سلسلہ میں حضراتِ علماء نے تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ ان کلمات میں دعا کے طور پر تو کوئی بھی چیز نہیں ہے؟ ان میں تو صرف تہلیل، تسبیح اور

تحمید ہے؛ پھر یہ دعا کیسے ہوئی؟

اس کا جواب دیتے ہوئے حضراتِ علماء فرماتے ہیں کہ ان روایات میں شروعات کے کلمات بتلائے گئے ہیں کہ آدمی دعا سے پہلے یہ کلمات کہے، اس کے بعد جو دعا کرنی ہو کرے؛ تو دعا قبول ہوگی۔ چناں چہ دوسری روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی پڑھی گئی، اس میں ان کلمات کے بعد آخر میں یہ جملہ بھی ہے: ''أَللّٰھُمَّ اصْرِفْ شَرَّہٗ'' اے اللہ! یہ جو مصیبت پیش آئی ہے اس کے شر اور ضرر کو تو مجھ سے دور کردے۔ تو یہاں دعا کے کلمات بھی ہیں، اس کے شروع میں وہی تہلیل وغیرہ ہے۔

تعریف کا مطلب سوال ہی ہے

دوسرا جواب بھی دیا گیا ہے اور اسی کو زیادہ پسند بھی کیا گیا ہے کہ کبھی کسی چیز کی دعا کی جاتی ہے تو صاف لفظوں کے ذریعہ اس چیز کا نام لے کر مطالبہ کیا جاتا ہے، اور دعا کبھی بطورِ تعریض بھی ہوتی ہے۔ یعنی صاف صاف سوال نہیں کیا جاتا لیکن انداز بتلاتا ہے کہ سوال کیا جارہا ہے۔ جیسے: کوئی آدمی کسی سخی کی تعریف کرے، اور اس کے پاس جاکر کہے کہ آپ ایسے ہیں، آپ لوگوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں، لوگوں کے کام آتے ہیں، لوگوں کی پریشانیاں دور کرتے ہیں؛ تو اس کا مطلب سوال ہی ہوتا ہے، اگرچہ وہ اپنی زبان سے نہیں کہتا کہ آپ میری ضرورت پوری کیجئے، لیکن جو تعریف کررہا ہے، یہی گویا اس کی طرف سے ایک درخواست اور سوال ہے۔ ایسے ہی یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ کی تہلیل اور تسبیح بیان کی جارہی ہے اور صاف وصریح الفاظ میں سوال نہیں کیا جارہا ہے لیکن تعریضاً یہ سوال ہی ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب

کا تیسرا انداز اختیار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: حدیثِ پاک میں آتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کوئی بندہ اگر میری یاد میں مشغول ہوتا ہے اور میرے ذکر اور میری یاد میں مشغولی کی وجہ سے اس کو مجھ سے دعا مانگنے اور سوال کرنے کا موقع نہیں ملتا؛ تو مَیں اس کو دعا کرنے والوں سے بھی زیادہ دیتا ہوں۔ اور یہاں پر وہی شکل ہے۔

ان کلمات کے علاوہ اور بھی کلمات ہیں جو اچانک آنے والی مصیبت، پریشانی اور بے چینی کے موقعہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور دعا کے سکھائے ہیں، مصیبتیں دور کرنے کے لئے اور تکلیف و پریشانی سے نجات پانے کے لئے ان کلمات کو بڑا موٴثر قرار دیا گیا ہے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں بھی انہیں کلمات کو اسی سند سے نقل کیا ہے۔ دعائے کرب کے یہ کلمات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہیں۔

دعائے کرب کیوں نہیں پڑھتے؟

اس حدیث کے ذیل میں شرّاحِ حدیث نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ:-

امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَیں مقام اصفہان میں ابونُعیم اصفہانی کی خدمت میں حدیث حاصل کرنے کے لئے قیام پذیر تھا، وہاں ایک عالم اور اللہ والے ابوبکر بن علی نامی تھے، کسی نے حاکمِ وقت سے ان کے متعلق غلط شکایت کی اور حاکم نے ان کو جیل میں بند کر دیا۔ امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مَیں نے خواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، آپ کی دائیں طرف حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو مسلسل کوئی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے ابوبکر! تم ابوبکر بن علی سے کہو کہ: بخاری شریف میں جو دعائے کرب ہے؛ وہ کیوں نہیں پڑھتے؟ اس کو پڑھو، اللہ تعالیٰ

مصیبت دور کر دیں گے۔ چناں چہ مَیں نے بیدار ہونے کے بعد ان کے پاس جا کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پیغام پہنچایا۔ انہوں نے اس کو پڑھا اور چند ہی دن میں ان کو جیل سے رہائی مل گئی۔

ان کا کوئی قصور نہیں

ایک اور واقعہ حضرت حسن - جو حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں ان - کے متعلق لکھا ہے کہ: ولید بن عبد الملک جو بنو امیہ کے بادشاہوں اور خلفاء میں سے گزرا ہے، اس نے اپنے ماتحت حاکم عثمان بن حِبّان کو لکھا کہ حسن بن حسن کو بلا کر لوگوں کے سامنے کھڑا کرو، اور ان کو سو کوڑے مارو۔ چناں چہ اس نے ان کو گرفتار کروایا اور کوڑے مارنے کے لئے کھڑا کیا۔ اسی وقت حضرت علی بن حسین امام زین العابدینؒ جو حسن بن حسن کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں انہوں نے کھڑے ہو کر اسی مجمع میں کہا: اے میرے چچازاد بھائی! آپ وہ دعائے کرب کیوں نہیں پڑھتے؟ چناں چہ انہوں نے وہ پڑھی، اسی وقت حاکم نے اپنا سر جھکا لیا، پھر کچھ دیر بعد اپنا سر اُٹھا کر کہا: اس وقت اس آدمی کا چہرا مَیں نے دیکھا جس نے امیر المؤمنین کی خدمت میں ان کے متعلق غلط شکایت کی تھی، ان کو یہاں سے لے جاؤ، مَیں امیر المؤمنین کو خط لکھ دوں گا کہ ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔

بیٹی! کبھی کوئی تکلیف پیش آئے تو ’’دعائے کرب‘‘ پڑھیو

حضرت حسن بن حسن ہی کے حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی صاحبزادی کا نکاح کرایا تو اس کو رخصت کرتے ہوئے کہا: بیٹی! کبھی کوئی تکلیف پیش آئے؛ تو ’’دعائے کرب‘‘ پڑھیو۔

نفرت محبت سے بدل گئی

حضرت حسن بن حسن بن علی ہی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حجاج بن یوسف نے مجھے بلوایا، جب مَیں اس کے سامنے پہنچا تو مَیں نے یہی کلمات پڑھے۔ حجاج کہنے لگا: مَیں نے تو تم کو قتل کے ارادے سے بلوایا تھا، لیکن اب میرے دل میں تمہارے متعلق ایسی محبت جوش مار رہی ہے کہ کسی اور چیز کی محبت اتنی نہیں پاتا۔

یہ کلمات بہت مؤثر ہیں، ان کا اہتمام کیا جائے۔ یہ کلمات مختلف طریقوں سے منقول ہیں، صلوٰۃ الحاجت کی دعا کے شروع میں بھی پڑھے جاتے ہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سکھائی ہوئی ایک اور دعا

ان کے علاوہ اور کلمات بھی مصیبت و پریشانی کے موقعہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطورِ دعا منقول ہیں۔ چناں چہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں، پہلے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیماری میں ان کی ساری خدمت اور ان کے انتقال کے بعد ان کے غسل وغیرہ کا پورا کام انہوں نے ہی کیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ بڑی جلیل القدر صحابیہ ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ کلمات جو تم کسی مصیبت کے وقت پڑھو؛ مَیں تم کو نہ سکھاؤں؟ پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یوں کہا کرو: أَللّٰهُ أَللّٰهُ رَبِّيْ لَا أُشْرِكُ بِهٖ شَيْئاً، اس کے بعد دعا کیا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اپنے گھر والوں کو جمع کیا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ بنو ہاشم کو جمع کیا، اور دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہوکر اوپر کا سرا پکڑ کر فرمایا: میں تم کو ایک دعا سکھاتا ہوں، کسی بھی مصیبت کے وقت اس کو پڑھا کرو؛ ان شاء اللہ دور ہوجائے گی۔ پھر یہی دعا بتلائی: أَللّٰهُ أَللّٰهُ رَبِّيْ لَا أُشْرِكُ بِهٖ شَيْئاً"۔

میں پسند کرتا ہوں

اس سلسلہ میں ایک اور دعا بھی ہے جو دوسری روایت میں آرہی ہے، وہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منقول ہے:

حدثنا عبدالله بن محمد قال: حدثنا عبدالملك بن عمرو قال: حدثنا عبدالجليل عن جعفر بن ميمون قال: حدثني عبدالرحمٰن بن أبي بكرة أَنَّهُ قَالَ لِأَبِيْهِ: يَا أَبَتِ! إِنِّيْ أَسْمَعُكَ تَدْعُوْا كُلَّ غَدَاةٍ: أَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَدَنِيْ، أَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ، أَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَصَرِيْ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ. تُعِيْدُهَا ثَلَاثاً حِيْنَ تُمْسِيْ وَحِيْنَ تُصْبِحُ ثَلَاثاً. وَتَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ، أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ. تُعِيْدُهَا ثَلَاثاً حِيْنَ تُمْسِيْ وَحِيْنَ تُصْبِحُ ثَلَاثاً. فَقَالَ: نَعَمْ، يَا بُنَيَّ! سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ بِهِنَّ، وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَسْتَنَّ بِسُنَّتِهٖ.

قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: دَعَوَاتُ الْمَكْرُوْبِ: أَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ، وَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ.

ترجمہ:- حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اباجان! میں سنتا ہوں کہ آپ روزانہ صبح کے وقت ان کلمات کے ذریعہ سے

دعا کیا کرتے ہیں؟ اے اللہ! مجھے میرے جسم میں عافیت عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے میرے کان میں یعنی سننے کی صلاحیت میں عافیت عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے میری آنکھوں میں یعنی دیکھنے کی صلاحیت میں عافیت عطا فرما۔ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ آپ اس دعا کو صبح کے وقت بھی تین مرتبہ پڑھتے ہیں اور شام کے وقت بھی تین مرتبہ پڑھتے ہیں۔

اور آپ یہ دعا بھی کرتے ہیں: اے اللہ! مَیں تیری پناہ چاہتا ہوں کفر اور فقر سے۔ اے اللہ! مَیں تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر سے۔ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ آپ صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی ان کلمات کو تین تین مرتبہ پڑھتے ہیں۔ جواب میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جی ہاں؛ اے میرے بیٹے! مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کلمات اسی طرح پڑھتے ہوئے سنے، اور مَیں پسند کرتا ہوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر چلوں۔

(اسی طرح کی ایک اور روایت ان کے ایک دوسرے صاحبزادے سے بھی منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد کو نماز کے بعد یہ کلمات صبح اور شام پڑھتے ہوئے سنا تو مَیں نے یاد کر لئے، اور مَیں بھی پڑھنے لگا۔ جب میرے ابا نے سنا تو پوچھا: تم یہ کلمات کہاں سے سیکھ کر پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: مَیں نے آپ کو پڑھتے ہوئے سنا تو مَیں نے بھی یاد کر کے پڑھنا شروع کر دیئے۔ اس پر ابا نے کہا: ہاں! مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا؛ لہٰذا تم بھی اس کو پڑھا کرو)۔

پھر فرمایا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: پریشان حال کی دعاؤں میں یہ بھی ہے: اے اللہ! مَیں تیری ہی رحمت کا امیدوار ہوں، مجھے ایک لمحے کے لئے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کیجیو، اور میرے سارے معاملات کو ٹھیک کر دے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

افادات:- کسی بھی پریشانی، مصیبت اور بے چینی کے وقت پڑھنے کے لئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا بھی بتلائی ہے اور بزرگوں نے اس کو بھی بڑا مؤثر لکھا ہے۔

چند اور دعائیں

اس کے علاوہ ایک اور دعا بھی ہے جس کی نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے: "یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِیْثُ" آدمی مصیبت اور پریشانی کے وقت یہ دعا بھی پڑھے تو ان شاء اللہ اس کی پریشانی دور ہو جائے گی۔

اور ایک دعا یہ بھی ہے:- لَآ اِلٰهَ اِلَّآ أَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ.
نسائی شریف اور ترمذی شریف میں حضرت سعد بن أبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ دعا جو مچھلی والے نے مچھلی کے پیٹ میں پڑھی تھی (یعنی حضرت یونس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مچھلی کے پیٹ میں پڑھی تھی) اس دعا کے ذریعہ جب بھی کوئی مسلمان دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی دعا کو قبول کرے گا۔
اس پر ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ دعا حضرت یونس کے ساتھ خاص تھی یا تمام کے لئے عام ہے؟ تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام کے لئے عام ہے، کیا تم قرآنِ کریم میں یہ آیت نہیں پڑھتے؟ ﴿وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ حضرت یونس کو ہم نے غم وحزن اور پریشانی سے نجات دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو بھی نجات دیتے ہیں۔ گویا اس دعا میں ان کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ جو مسلمان بھی کسی بھی مصیبت کے وقت یہ دعا پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو مصیبت سے ضرور نجات دے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے

بَابُ كَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ وَفَضْلِهِمْ

اللہ کے نیک بندوں کی کرامتیں اور ان کی فضیلتیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰہ تَعَالٰی: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ، لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰہِ، ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ.

وَقَالَ تَعَالٰی: وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا. فَكُلِي وَاشْرَبِي.

وَقَالَ تَعَالٰی: كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ إِنَّ اللّٰہَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ.

وَقَالَ تَعَالٰی: وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰہَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ.

کرامت کی وضاحت

اہل سنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے اعزاز واکرام کے طور پر کبھی ایسی چیز وجود میں لائی جاتی ہے جو عادت کے خلاف ہوتی ہے، اسی کو کرامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دوام ذکر وطاعت؟

قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ

عَلَيۡهِمۡ وَلَاهُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ. اَلَّذِيۡنَ آمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ. لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِي الۡاٰخِرَةِ لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ، ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ﴾ سنو! اللہ کے جو نیک بندے ہیں ان پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے (ولی اللہ کون ہیں؟ تو قرآن پاک ہی بتلاتا ہے کہ) جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے دنیوی زندگی اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات اور فیصلوں میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

''ولی'' عربی زبان میں ''وَلِيَ يَلِيُ'' سے مشتق ہے، اس کا مطلب ہے: کسی کا قریبی اور دوست۔ ''ولی اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کا قریبی اور اللہ کا دوست۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس طرح لگے رہتے ہیں کہ ان سے کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں ہوتی، اور جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے ہوں؛ وہی ''اللہ کے ولی'' کہلاتے ہیں؛ اسی کیفیت کو صوفیا کے یہاں ''دوامِ ذکر'' اور ''دوامِ طاعت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

دنیا میں جتنی بھی چیزیں موجود ہیں ان سب کو اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ایک طرح کی نسبت اور تعلق قائم ہے، یہ بھی نسبت کا ایک درجہ ہے جو ہر ایک چیز کو حاصل ہے، لیکن یہاں نزدیکی اور نسبت کا ایک مخصوص درجہ مراد ہے جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کرنے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اپنے آپ کو بچانے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ انہیں کے لیے فرمایا گیا کہ اللہ کے ایسے بندے جو ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں لگائے رکھتے ہیں، اور اللہ کی نافرمانیوں سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں؛ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اب اگر یہ جنّت میں پہنچنے کے بعد کی حالت کا تذکرہ ہے تب تو بات بالکل

واضح ہے کہ وہاں پر نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ غم ہوگا۔ اور اگر دنیا کی حالت کا تذکرہ ہے تو مطلب یہ ہے کہ دنیاوالے دنیا کے وقتی اور معمولی نقصان کے نتیجے میں، یا نقصان کے پیش آنے کے خطرات سے خوف اور غم محسوس کرتے ہیں، اللہ کے مخصوص بندوں کو دنیا کی ان چیزوں کے نقصانات کی وجہ سے ایسا کوئی غم لاحق نہیں ہوتا، اور نہ وہ اس قسم کا خوف کرتے ہیں۔

سب سے بڑی کرامت

﴿وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا ولایت کے لئے ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کرتے ہوئے کوئی آدمی اللہ کا ولی نہیں بن سکتا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ سب سے بڑی کرامت استقامت یعنی شریعت کی پابندی ہے، اور یہی اصل مطلوب ہے۔ اگر کوئی آدمی اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگارہا، اور اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچارہا، تو پھر چاہے زندگی بھر اس کے ہاتھ پر کسی کرامت کا ظہور نہ ہو؛ تب بھی کوئی بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ اصل چیز تو دین پر جمنا اور سنت کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اگر کوئی آدمی ہوا میں اڑتا ہو اور پانی پر چلتا ہو، لیکن اس کی زندگی حضورِ اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین اور سنت کے مطابق نہیں ہے، تو اس کا ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا کار آمد نہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے: ''اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ'' دین پر مضبوطی کے ساتھ جمنا اور سنت کے مطابق عمل کرنا؛ ہر کرامت سے بڑھ کر ہے۔

اب اگر کسی نبی، پیغمبر اور رسول کے ہاتھوں خلافِ عادت کسی چیز کا ظہور ہو تو وہ ''معجزہ'' کہلاتا ہے، اور کسی غیر نبی، اللہ کے نیک بندہ کے ہاتھوں اگر خلافِ عادت

کسی چیز کا ظہور ہو تو وہ ''کرامت'' کہلاتی ہے۔ یہاں بھی قرآنِ پاک کی جو آیتیں پیش کر رہے ہیں وہ اللہ کے ایسے بندوں کے متعلق ہیں جو نبی نہیں تھے۔

کھاؤ پیو

﴿وَهُزِّىٓ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا. فَكُلِىۡ وَاشۡرَبِىۡ﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ قرآنِ پاک میں موجود ہے، جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوگئی تو اس وقت باری تعالیٰ کی طرف سے ان کو کہا گیا تھا: اے مریم! کھجور کا درخت تمہارے لیے یہاں پیدا کر دیا ہے، اس کے تنے کو ہلاؤ، تو وہ آپ پر تازہ کھجوریں گرائے گا۔

جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی وہاں حضرت مریم علیہا السلام نقاہت کی وجہ سے پڑی ہوئی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطے بطورِ کرامت کھانے پینے کا انتظام کر دیا کہ کھجور کا ایک درخت وہاں اُگا دیا اور اس پر تازہ کھجوریں بھی فوراً لگ گئیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ اس کو اگر ہلاؤ گی تو تمہارے اوپر تازہ کھجوریں گریں گی، ان کھجوروں کو کھاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے قریب جو چشمہ پیدا کر دیا ہے اس میں سے پیو۔

حضرت مریم علیہا السلام پیغمبر تو ہیں نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں یہ چیز ظاہر کرائی جو ایک کرامت تھی اور اس کا تذکرہ قرآنِ پاک میں ہے، اس لیے یہاں لائے

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

ایک اور آیت پیش کی ہے: ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ﴾ حضرت

مریم علیہا السلام کے والد حضرت عمران بیت المقدّس کے خادموں میں سے تھے، اوران کی والدہ نے منّت مانی تھی کہ مجھے جو بچّہ پیدا ہوگا اس کو میں اپنے یا گھر کے کام کاج میں نہیں لگاؤں گی، بلکہ بیت المقدّس کی خدمت کے لئے فارغ کردوں گی۔ اس زمانہ میں اس طرح کی منّت مانی جاتی تھی کہ اپنی اولاد میں سے کسی کو اللہ کے گھر کی خدمت کے لئے فارغ کردیا جائے، کسی دوسرے کاموں میں لگایا ہی نہ جائے۔ تو حضرت مریم اپنی والدہ کے پیٹ میں تھیں اسی زمانہ میں ان کے والد حضرت عمران کا انتقال ہوگیا، اور عام طور پر بیت المقدّس کی خدمت کے لئے لڑکے کی منّت مانی جاتی تھی، لیکن جب بچّی پیدا ہوئی تو ان کی والدہ کو فکر لاحق ہوئی کہ میں نے تو اپنے پیٹ میں جو حمل تھا اس کے متعلق یہ منّت تھی کہ اس کو بیت المقدّس کی خدمت کے لئے فارغ کردوں گی، اب یہ تو بچّی ہوئی، اور بیت المقدس کی ان ذمہ داریوں کو مرد اور لڑکا سنبھال سکتا ہے، یہ لڑکی کیسے سنبھال سکے گی؛ اب کیا کریں؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا کہ: آپ کی اس منّت کو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول کرلیا گیا ہے، اب آپ اسی لڑکی کو اس خدمت کے لئے فارغ کردو۔ چناں چہ ان کو فارغ کردیا گیا۔ اب سوال آیا کہ اس بچّی کو کون سنبھالے گا؟ چوں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ تھیں، تو خالو ہونے کے ناطے حضرت زکریا علیہ السلام نے مطالبہ کیا کہ میں اس بچّی کی پرورش کروں گا اور اس کو اپنے پاس رکھوں گا، اس لیے کہ اس کی خالہ بھی میرے نکاح میں ہے، لیکن بیت المقدّس کے دوسرے خدام نے کہا کہ: نہیں! آپ ہم سے بڑھ کر اس کے حقدار نہیں ہیں، لہٰذا صرف آپ کے کہنے سے یہ بچی آپ کے حوالے نہیں کی جائے گی۔

دراصل حضرت مریم علیہا السلام کے والد بھی بیت المقدّس کے خدّام میں سے

تھے، اس لیے سب خدام کو ان کے ساتھ عقیدت و محبت تھی لہٰذا ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ اس بچی کی پرورش وہ کرے۔ ویسے رشتہ داری کے لحاظ سے حضرت زکریا علیہ السلام ہی اس کے زیادہ حقدار تھے، لیکن دوسرے حضرات بھی اپنا دعویٰ چھوڑنے کے لئے تیّار نہیں تھے، تو اب فیصلے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ نہر میں جو پانی جاری ہے اس میں وہ سب لوگ جو حضرت مریم علیہا السلام کو اپنی پرورش میں لینا چاہتے ہیں اپنا اپنا قلم ڈال دیں، جس کا قلم بہاؤ کے خلاف چلے گا وہی ان کی پرورش کا حقدار ہوگا۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا تو حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی کے بہاؤ کے خلاف چل دیا، اور وہی پرورش کے حقدار ٹھہرے اور انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کی ذمہ داری سنبھال لی۔ پھر انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے لئے ایک کمرہ فارغ کر دیا کہ تم اسی میں رہو، اور حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی کہیں باہر جاتے تو ان کی حفاظت کی خاطر اس کمرہ کو تالا لگا دیتے، لیکن جب واپس آتے اور تالا کھولتے تو وہاں ان کے پاس بہت سارے پھل فروٹ رکھے ہوئے دیکھتے۔ یہ دیکھ کر ان کو بہت تعجب ہوتا کہ یہاں تو کوئی بھی آیا گیا نہیں، خود مَیں ہی تالا لگا کر گیا تھا، پھر یہ پھل فروٹ کہاں سے آتے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت مریم علیہا السلام نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب روزی عطا فرماتا ہے۔

بہر حال! حضرت مریم علیہا السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ انتظام ہوا تھا، اور یہ ایک ایسی چیز تھی جو حضرت مریم علیہا السلام کے ہاتھوں خلافِ عادت ظاہر ہوئی تھی اور حضرت مریم علیہا السلام پیغمبر بھی نہیں تھیں، اس لیے یہ کرامت ہی ہوئی، اسی مناسبت سے یہ آیت پیش کی ہے۔

اصحابِ کہف کا قصہ

ایک اور آیت لائے ہیں جس میں اصحابِ کہف کے قصے کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ أَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾

اصحابِ کہف کچھ نوجوان تھے جو اپنی قوم سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوئے، یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے کے درمیانی زمانہ کا ہے، ان کا بادشاہ دقیانوس بڑا ظالم اور بت پرست تھا، اپنے ظلم وزیادتی کے ذریعہ ہر ایک کو بت پرستی کے لیے مجبور کرتا تھا اس وجہ سے پوری قوم بت پرست تھی، ان کا ایک سالانہ تیوہار اور میلا ہوتا تھا جس میں سب لوگ بستی سے باہر جاتے تھے اور خوشیاں مناتے تھے اور اپنے بتوں کو راضی کرنے کے لئے ان کی پوجا بھی کرتے تھے۔

چناں چہ اسی میلے اور تیوہار کے روز جب سب لوگ باہر میدان میں گئے ہوئے تھے اور بتوں کو راضی کرنے میں مشغول تھے، عین اسی وقت اسی قوم کے چند نوجوانوں کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ ہماری قوم یہ کیا کر رہی ہے؟ جن بتوں کو اپنے ہاتھوں سے تراشا اور بنایا اسی کی عبادت کر رہی ہے اور اسی کو معبود بنا رہی ہے؟ چناں چہ جب وہ سب پوجا کے اندر مشغول تھے اسی دوران ان میں سے ایک نوجوان وہاں سے ہٹ کر سب سے الگ ہو کر ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گیا، دوسرے کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بات ڈالی، وہ بھی اسی طرح وہاں

آ کر بیٹھا، تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا؛ سب اسی طرح آ کر وہاں بیٹھے، ان میں سے کوئی کسی کو پہچانتا نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے دل میں یہی بات ڈالی اور ہر ایک اسی طرح اپنی قوم کے ان کرتوت اور بت پرستی سے بددل ومتنفّر ہو کر ان سے ہٹ کر اسی درخت کے نیچے آیا۔

جب مہرِ سکوت ٹوٹی

اب ہر ایک اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا ہوا تھا، اور چوں کہ بادشاہ بڑا ظالم تھا، اگر اس کو پتہ چل جاتا کہ یہ لوگ بت پرستی سے نفرت کرتے ہیں اور اس سے الگ ہو گئے ہیں تو اس کی طرف سے سزا ملنے، بلکہ جان جانے کا اندیشہ تھا، اور ان میں سے ہر ایک کو یہی خطرہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا میری حالت کے متعلق اس کو اطلاع کر دے، ہر ایک یہی سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں یہ کون ہے، اس لیے سب خاموش بیٹھے رہے۔ بہت دیر تک خاموشی والی کیفیت رہی، اس کے بعد ان میں سے ایک نے کہا: ہم کب سے یہاں آ کر بیٹھے ہیں، کوئی کچھ نہیں بولتا، چلو! ہم آپس میں بات چیت کر لیں چناں چہ ان میں سے ایک نے کہا: ہماری قوم جو کر رہی ہے اس کے متعلق میرے دل میں یہ آتا ہے کہ وہ کوئی اچھا کام نہیں کر رہی ہے، جن بتوں کو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے تراشا انہیں کی پوجا اور عبادت میں مشغول ہیں؟ یہ تو بالکل غلط حرکت ہے۔ دوسروں نے کہا: ہم بھی اسی جذبہ سے ان سے الگ ہو کر یہاں آئے ہوئے ہیں۔ بس! اتنی ہی بات چیت سے سب کے خیالات نمایاں ہو گئے کہ ہم سب ایک ہی خیال کے ہیں، اور ایک ہی جذبہ دل میں پیدا ہوا ہے، اسی لئے الگ ہوئے ہیں، اس لیے ہمیں ان سب سے علاحدگی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہونا چاہیے۔ چناں چہ ایک

جگہ مقرر کر کے وہ سب اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ ان کے حال کی اطلاع بادشاہ کو ہوگئی کہ کچھ نوجوان ایسے ہیں جو ہمارے دین سے الگ ہو گئے ہیں اور ہماری بت پرستی کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

چناں چہ بادشاہ نے ان کو دربار میں بلایا اوران سے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمت دی اورانہوں نے بادشاہ کے سامنے حق کا اظہار کر دیا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ بالکل غلط ہے۔ بادشاہ نے جب ان کی بات سنی تو بہت غصہ ہوا اوران کو سزا دینے کا ارادہ کیا، لیکن چوں کہ وہ بھی اپنی قوم کے بڑے لوگوں کی اولاد میں سے تھے اس لیے بادشاہ نے فوری طور پر ان کو سزا نہیں دی، بلکہ ان کا شریفانہ لباس اتروا دیا اور کہا کہ تم لوگوں کو سوچنے کے لئے کچھ وقت دیا جاتا ہے تاکہ اپنے اس ارادہ سے باز آ جاؤ، اور قوم پہلے سے جو کر رہی ہے اسی میں سب کے ساتھ شریک رہو، اگر تم اپنے اس نئے نظریہ سے باز نہیں آئے تو پھر مَیں تم سب کو قتل کر دوں گا۔

ڈسٹرب نہ کریں

جب ان کو کچھ مہلت ملی تو آپس میں مشورہ کرنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ: جب ہم ان لوگوں سے اور جس چیز کی یہ لوگ پوجا عبادت کرتے ہیں الگ ہو گئے ہیں، اور ایک اللہ ہی کی عبادت میں مشغول ہیں، ان کے عقائد اور اعمال سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر ہمیں چاہیے کہ ان کے درمیان رہنے کے بجائے کسی غار میں جا کر پناہ لے لیں، وہاں اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اپنی رحمت پھیلائے گا اور آسانی کا کوئی انتظام کر دے گا۔ چناں چہ یہ مشورہ کر کے وہ لوگ آبادی چھوڑ کر ایک غار میں جا کر ٹھہر گئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غار والی قیام گاہ کو لوگوں کے اوپر مخفی رکھا، پھر

جب وہ لوگ لیٹے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر نیند طاری کردی اور اسی نیند میں وہ تین سو سال تک سوتے رہے۔ یہ ان کی کرامت تھی کہ تین سو سال نیند میں رہنے کے باوجود ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، جیسے تندرست تھے ویسے ہی رہے، قدرتی طور پر وہ کروٹیں بھی بدلتے رہتے، اوران کے لباس پر بھی کوئی فرق نہیں آیا۔ اوراللہ تعالیٰ نے اس غار میں قدرتی طور پر ایسا انتظام کردیا کہ وہاں ہوا اور روشنی کی آمدورفت بھی تھی، لیکن دھوپ اندر نہیں جاسکتی تھی، وہ غار اس انداز سے بنا ہوا تھا کہ صبح میں جب دھوپ نکلتی تو ان کے غار سے ٹکرا کر دائیں طرف نکل جاتی، اور شام کو غروب کے وقت بائیں طرف ہو کر نکل جاتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ غار شمالاً و یمیناً ایسا بنا ہوا تھا کہ سورج کے طلوع اور غروب کے وقت میں بھی دھوپ اندر نہیں پہنچتی تھی، ہاں! روشنی اور ہوا پورے طور پر آتی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے بطور کرامت یہ انتظام کیا گیا تھا۔

وہ تو سوتے رہے اور یہاں بادشاہ نے ان کو بہت تلاش کروایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس غار والی جگہ کو ایسا مخفی رکھا کہ بہت جستجو کے بعد بھی ان کا کوئی پتہ نہیں چلا پایا، تو بادشاہ نے ان کے نام سیسہ کی ایک تختی پر لکھوا کر اپنے خزانہ میں محفوظ کرلیے کہ اس نام کے کچھ نوجوان ہیں جن کے ایسے ایسے حالات ہیں، وہ اچانک ایسے غائب ہوگئے کہ ان کا پتہ ہی نہیں چلا۔

تین سو سال کے بعد وہاں کے حالات میں بہت کچھ انقلاب آچکا تھا، اللہ تعالیٰ نے وہاں والوں کو حق اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور تین سو سال کے عرصہ میں وہاں پر سب ہی دینِ حق پر قائم ہوگئے، اس وقت وہاں جو بادشاہ تھا وہ بھی اہلِ حق ہی میں سے تھا، اس زمانہ میں ایک چرچا اور بحث یہ چھڑ گئی کہ مرنے کے بعد

دوبارہ زندگی نصیب ہوگی یا نہیں؟ اہلِ حق میں سے ہونے کے باوجود بعض یہ کہتے تھے کہ ہاں! دوبارہ زندگی ہوگی، اور بعض کہتے تھے کہ دوبارہ زندگی کیسی؟ آدمی جب مرجائے گا اور گل سڑ جائے گا، اس کا جسم مٹّی میں مل جائے گا؛ تو وہ دوبارہ پیدا کیسے ہوگا اب جو لوگ انکار کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ اگر دوبارہ زندگی ہے تو دلیل سے ہمیں سمجھاؤ، اور دلیل سے سمجھانے کے بعد بھی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ بادشاہ بھی بڑا متفکر تھا کہ ان کو کیسے سمجھایا جائے۔

روایتوں میں ہے کہ وہ اللہ کے حضور میں بہت گڑگڑاتا تھا، ٹاٹ کا لباس پہن کر تنہائی میں جاکر رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا تھا کہ کوئی ایسی شکل پیدا ہوجائے کہ جو لوگ دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں ان کی سمجھ میں بات آجائے۔

جب جاگے دنیا بدلی ہوئی تھی

اِدھر ان لوگوں کو سوئے ہوئے تین سو سال پورے ہوچکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی آنکھ کھولی تو ان کو بھوک کا احساس ہوا، انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کسی ایک آدمی کو بستی میں بھیجو، تاکہ وہ جاکر سب کے لیے کھانا لے آئے، اور دیکھو! ذرا چھپ چھپا کر جانا۔ چناں چہ ایک آدمی پیسے لے کر بازار پہنچا، جب وہ دکان پر پہنچا اور اس نے سکہ دیا تو دکاندار نے کہا: یہ سکہ کہاں سے لائے؟ دکاندار یوں سمجھا کہ اس کو پرانے زمانہ کا کوئی خزانہ ملا ہوگا، اس نے دوسرے دکانداروں کو جمع کیا اور سب نے اس کو پکڑلیا۔ شدہ شدہ یہ بات بادشاہِ وقت تک پہنچی، تو بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلاکر تمام حالات سے آگاہی چاہی، اس نے سب کچھ بتادیا کہ ہمارا ایسا ایسا معاملہ ہے، تو بادشاہ اس کے ساتھ تمام لوگوں کو لے کر غار پر پہنچا اور ان سب سے ملاقات ہوئی۔ یہ

واقعہ دیکھ کر گویا اب تو سب لوگوں کو یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو تین سو سال تک اس طرح سلائے رکھنے اور زندگی کو باقی رکھنے پر قادر ہے؛ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ بادشاہ کے ان سے ملاقات کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو موت عطا فرمادی۔

بہرحال! یہ ان کی کرامت تھی اسی نسبت سے اس واقعہ کو یہاں پر ذکر کیا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت

۱۵۰۳:- وعن أَبي محمد عبد الرحمٰن بن أَبي بكرٍ الصديق رضی اللہ عنہما: أَنَّ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوا أُنَاساً فُقَرَاءَ وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَرَّةً: ((مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ، فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ أَرْبَعَةٍ، فَلْيَذْهَبْ بِخَامِسٍ بِسَادِسٍ)) أَوْ كما قَالَ، وأَنَّ أَبَا بكرٍ -رضی الله عنه- جَاءَ بِثَلاَثَةٍ، وانْطَلَقَ النبيّ ﷺ بعَشَرَةٍ، وأَنَّ أَبَا بَكرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النبيّ ﷺ، ثُمَّ لَبِثَ حَتَّى صَلَّى العِشَاءَ، ثُمَّ رَجَعَ، فجاءَ بَعْدَ مَا مَضَى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللهُ. قالت امْرَأَتُهُ: مَا حَبَسَكَ عَنْ أَضْيَافِكَ؟ قَالَ: أَوَما عَشَّيْتِهِمْ؟ قالت: أَبَوْا حَتَّى تَجِيءَ وَقَدْ عَرَضُوا عَلَيْهِمْ، قَالَ: فَذَهَبْتُ أَنَا فَاخْتَبَأْتُ، فَقَالَ: يَا غُنْثَرُ، فَجَدَّعَ وَسَبَّ، وقَالَ: كُلُوا لاَ هَنِيئاً. وَاللهِ لاَ أَطْعَمُهُ أَبَداً، قَالَ: وايْمُ اللهِ مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنْ لُقْمَةٍ إلا ربا من أسفلِها أكثرَ منها حتى شبعوا، وصارتْ أكثرَ مما كانتْ قبلَ ذلكَ، فنظرَ إليها أبو بكر فقالَ لامرأتِهِ: يا أختَ بني فراسٍ ما هذا؟ قالت: لا وقُرَّةِ عيني لهي الآنَ أكثرُ منها قبلَ ذلكَ بثلاثِ مراتٍ! فأكل منها أبو بكرٍ وقال: إنَّما كانَ ذلكَ من الشيطانِ، يعني: يمينَهُ. ثم أكلَ منها لقمةً، ثُمَّ حَمَلَهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ. وَكَانَ

بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ، فَمَضَى الأَجَلُ، فَتَفَرَّقْنَا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلاً، مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ أُنَاسٌ، اللهُ أَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ فَأَكَلُوا مِنْهَا أَجْمَعُونَ.

وَفِي رِوَايَةٍ: فَحَلَفَ أَبُو بَكْرٍ لا يَطْعَمُهُ، فَحَلَفَتِ المَرْأَةُ لا تَطْعَمُهُ، فَحَلَفَ الضَّيْفُ.-أَوِ الأَضْيَافُ- أَنْ لاَ يَطْعَمُهُ أَوْ يَطْعَمُوهُ حَتَّى يَطْعَمَهُ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: هٰذِهِ مِنَ الشَّيْطَانِ! فَدَعَا بِالطَّعَامِ فَأَكَلَ وَأَكَلُوا، فَجَعَلُوا لا يَرْفَعُونَ لُقْمَةً إِلاَّ رَبَتْ مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا، فَقَالَ: يَا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ، مَا هٰذَا؟ فَقَالَتْ: وَقُرَّةِ عَيْنِي إِنَّهَا الآنَ لأَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ أَنْ نَأْكُلَ، فَأَكَلُوا، وَبَعَثَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ أَنَّهُ أَكَلَ مِنْهَا.

وَفِي رِوَايَةٍ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ قَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمَانِ: دُونَكَ أَضْيَافَكَ، فَإِنِّي مُنْطَلِقٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَافْرُغْ مِنْ قِرَاهُم قَبْلَ أَنْ أَجِيءَ. فَانْطَلَقَ عَبْدُ الرَّحْمَانِ، فَأَتَاهُمْ بِمَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: اطْعَمُوا؛ فقالوا: أين رَبُّ مَنْزِلِنَا؟ قَالَ: اطْعَمُوا، قالوا: مَا نَحْنُ بِآكِلِينَ حَتَّى يَجِيءَ رَبُّ مَنْزِلِنَا، قَالَ: اقْبَلُوا عَنَّا قِرَاكُمْ، فَإِنَّهُ إِنْ جَاءَ وَلَمْ تَطْعَمُوا، لَنَلْقَيَنَّ مِنْهُ فَأَبَوْا، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ يَجِدُ عَلَيَّ، فَلَمَّا جَاءَ تَنَحَّيْتُ عَنْهُ، فَقَالَ: مَا صَنَعْتُمْ؟ فَأَخْبَرُوهُ، فَقَالَ: يَا عَبْدَ الرَّحْمَانِ، فَسَكَتُّ: ثُمَّ قَالَ: يَا عَبْدَ الرَّحْمَانِ، فَسَكَتُّ، فَقَالَ: يَا غُنْثَرُ أَقْسَمْتُ عَلَيْكَ إِنْ كُنْتَ تَسْمَعُ صَوْتِي لَمَا جِئْتَ! فَخَرَجْتُ، فَقُلْتُ: سَلْ أَضْيَافَكَ، فقالوا: صَدَقَ، أَتَانَا بِهِ، فَقَالَ: إِنَّمَا انْتَظَرْتُمُونِي والله لا أَطْعَمُهُ اللَّيْلَةَ. فَقَالَ الآخَرُونَ: واللهِ لا نَطْعَمُهُ حَتَّى تَطْعَمَهُ فَقَالَ: وَيْلَكُمْ مَا لَكُمْ لا تَقْبَلُونَ عَنَّا قِرَاكُمْ؟ هَاتِ طَعَامَكَ، فَجَاءَ بِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ فَقَالَ: بِسْمِ اللهِ، الأُولَى مِنَ الشَّيْطَانِ، فَأَكَلَ وَأَكَلُوا. (متفق عَلَيْهِ)

قَوْلہ:((غُنْثَرُ))بغینٍ معجمۃٍ مَضمُومَۃٍ ثُمَّ نُونٍ ساکِنَۃٍ ثُمَّ ثاءٍ مثلثۃٍ وَھُوَ:الغَبِیُّ الجَاھِلُ.وقولُہُ:((فَجَدَّعَ))أَیْ شَتَمَہُ،والجَدْعُ القَطْعُ.قولُہ((یَجِدُ عَلَیَّ))ھُوَ بکسرِ الجِیمِ:أیْ یَغْضَبُ.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبدالرحمٰن (جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں، صحابی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بڑے بھائی ہیں وہ) فرماتے ہیں کہ اصحابِ صفہ فقیر لوگ تھے (اس زمانہ کی مسجدِ نبوی کے ختم پر ایک چبوترہ بنا ہوا تھا، جو لوگ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس علم حاصل کرنے آتے تھے، وہ وہیں پڑے رہتے تھے، یہی ان کی قیام گاہ تھی، ان کی ضرورتوں کا تکفل اور ذمہ داری حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے سنبھال رکھی تھی، وہ حضرات حصولِ علم میں لگے رہتے تھے) ایک روز ایسا ہوا کہ اصحابِ صفہ کے کھانے کا کوئی انتظام نہیں تھا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے فرمایا: جس کے گھر دو آدمیوں کے کھانے کا انتظام ہو، وہ ان میں سے ایک کو ساتھ لے جائے۔ اور جس کے گھر چار آدمیوں کے کھانے کا انتظام ہو وہ ان میں سے دو ایک کو اپنے ساتھ لے جائے (مطلب یہ ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے گھر کے کھانے میں چند اور آدمیوں کو بھی اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق شامل کر لیوے) چناں چہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تین آدمیوں کو اپنے گھر لے گئے اور خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس آدمیوں کو کھلانے کے واسطے اپنے گھر لے گئے۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو شام کا کھانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھایا اور وہیں رہے، عشاء کی نماز ادا کی اور رات کا کچھ حصہ (جتنا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا) گزرنے کے بعد جب گھر آئے تو ان کی اہلیہ نے کہا: آپ کے مہمانوں کی میزبانی سے کس نے آپ کو روک دیا (یعنی آپ کے گھر تو مہمان تھے پھر بھی آپ اتنی دیر سے آئے، گویا مہمانوں کا کھانا باقی ہے آپ کو اس کی فکر

نہیں ہوئی ؟) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم نے ان کو شام کا کھانا نہیں کھلایا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ نے کہا: ہم نے تو کھانا پیش کیا تھا لیکن انہوں نے کھانے سے انکار کیا اور کہا: جب تک صاحبِ خانہ نہیں آئیں گے وہاں تک ہم نہیں کھائیں گے۔

دوسری روایت میں ہے: انہوں نے کہا کہ ہم نے بہت اصرار کیا کہ کھالو، ورنہ وہ بہت ناراض ہوں گے، ہمیں ڈانٹیں گے، لیکن انہوں نے نہیں مانا۔ حضرت عبدالرحمٰن ؓ کہتے ہیں کہ میں تو جا کر چھپ گیا، اس لئے کہ مجھے ڈر تھا کہ ابا مجھ پر غصہ ہوں گے اور اب میری خیر نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن ؓ کو بہت برا بھلا کہا اور آواز دی: اے جاہل! تو کہاں ہے؟ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ نے کہا: میں تجھے قسم دے کر کہتا ہوں کہ جہاں کہیں بھی ہے وہاں سے نکل۔ حضرت عبدالرحمٰن ؓ کہتے ہیں کہ میں ڈرتے ڈرتے باہر آیا تو مجھ سے فرمایا: مہمانوں کو کھانا کیوں نہیں کھلایا؟ حضرت عبدالرحمٰن ؓ نے عرض کیا: ان سے پوچھ لیجئے۔ مہمانوں نے کہا: ان کا کوئی قصور نہیں ہے، انہوں نے تو کھانا پیش کیا تھا، ہم نے ہی کھانے سے انکار کیا تھا۔ خیر! حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہمانوں کے سامنے کھانا رکھوایا، جب وہ آ ہی گئے تھے تو مہمانوں نے کہا: آپ بھی کھائیے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم لوگ کھاؤ، میں تو نہیں کھاؤں گا۔

یہاں روایت مختصر ہے، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میری وجہ سے نہیں کھایا، اس لیے اب میں ہی نہیں کھاؤں گا اور قسم کھالی، مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ جب تک تم نہیں کھاؤ گے ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم لوگوں نے یہ کیا کیا؟ یہ تو بہت برا ہوا، چناں چہ انہوں نے اپنی قسم توڑ دی اور کہا: لاؤ! کھانا لاؤ۔ چناں چہ کھانا رکھا گیا، انہوں نے سب سے پہلے بسم اللہ کہہ کر ہاتھ بڑھایا تو مہمانوں نے بھی کھانا شروع کیا (اب کھانا کم تھا اور سب اسی میں سے کھا رہے تھے لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کھانا کم

ہونے بجائے اس میں اضافہ ہورہا تھا) کہتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! ہم کوئی لقمہ نہیں لیتے تھے مگر اس کے نیچے سے کھانا جتنا اٹھایا جاتا اس سے زیادہ بڑھ جاتا تھا، یہاں تک کہ سب نے پیٹ بھر کر کھالیا، پھر بھی کھانا شروع میں جتنا رکھا گیا تھا اس سے زیادہ ہی بچا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا: اے قبیلۂ بنوفراس والی! یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ بھی کہنے لگی: میری آنکھوں کی ٹھنڈک! یہ کھانا تو پہلے جتنا تھا اس کے مقابلہ میں تین گُنا ہوگیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس میں سے کھایا اور کہا: میں نے کھانا نہ کھانے کی جو قسم کھائی تھی وہ دراصل شیطان کا اثر تھا، چناں چہ حضرت ابوبکرؓ نے اس میں سے کھایا اور بچا ہوا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھی لے گئے۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے اور دیگر لوگوں کے درمیان معاہدہ اور مقررہ مدّت تھی وہ بھی پوری ہوگئی، ہم بارہ آدمی تھے، ہر ایک الگ الگ ہوگئے، اور ہر ایک کے ساتھ کچھ لوگ تھے۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے: جب مہمانوں نے کھانا نہیں کھایا، اور کہا: جب تک میزبان نہیں آئیں گے ہم نہیں کھائیں گے، اس کا جب حضرت ابوبکرؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے قسم کھالی کہ مَیں اس میں سے نہیں کھاؤں گا، یہ سن کر ان کی بیوی نے بھی قسم کھالی کہ میں بھی نہیں کھاؤں گی، اور مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا: یہ تو شیطانی حرکت ہوئی۔ چناں چہ کھانا منگوایا خود بھی کھایا، مہمانوں نے بھی کھایا۔ اور جب بھی لقمہ ایک اٹھاتے تو نیچے سے زیادہ ہوجاتا تھا۔ انہوں نے اپنی بیوی سے کہا: اے قبیلۂ بنوفراس والی! یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ بھی کہنے لگی: میری آنکھوں کی ٹھنڈک! یہ پہلے جتنا تھا اس کے مقابلہ میں تین گُنا ہوگیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی کھایا، اور کہا: میں نے کھانا نہ کھانے کی جو قسم کھائی تھی وہ شیطان کا اثر تھا، پھر ایک لقمہ کھایا، اور بچا ہوا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھی لے گئے اور تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس میں سے کھایا۔

بہر حال! اس روایت کو یہاں لانے کا مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے میں اتنی برکت رکھی تھی کہ اتنے سارے آدمیوں کے کھانے کے بعد بھی جتنا رکھا تھا اس میں اس سے کئی گنا اضافہ ہوگیا، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت تھی۔

امّت کے مُحدَّث

۱۵۰۴:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((لَقَدْ كَانَ فيما قَبْلَكُمْ مِنَ الأُمَمِ نَاسٌ مُحَدَّثُونَ، فَإِنْ يَكُ في أُمَّتِي أحدٌ فإنَّهُ عُمَرُ)).

(رواه البخاري. ورواه مسلم من رواية عائشة)

وفي روايتهما قال ابن وهب: ((مُحَدَّثُونَ)) أيْ مُلْهَمُونَ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ''مُحدَّث'' لوگ ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امّت میں ایسا کوئی ہوسکتا ہے تو وہ عمر ہیں۔

ابن وہب کے حوالہ سے ''مُحدَّث'' کا مطلب بیان کیا ہے کہ ایسے لوگ جن کے دلوں پر الہام ہوا کرتا ہے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق وصداقت کی بات ڈالی جاتی ہے)۔

افادات:- آگے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت لائیں گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی چیز کے متعلق یوں کہتے: کہ میرا خیال ہے کہ یہ ایسا ہے، تو وہ ویسا ہی ہوتا تھا۔ گویا یہی وہ چیز تھی جس کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''مُحدَّث'' اور ''ملہَم'' سے تعبیر کیا ہے۔

وہ مستجاب الدعوات تھے

۱۵۰۵:- وعن جابر بنِ سَمُرَةَ رضي الله عنهما، قَالَ: شَكَا أَهْلُ الكُوفَةِ

سَعْداً یعنی: ابنَ أَبِي وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ إِلَى عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فَعَزَلَهُ، واسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّاراً، فَشَكَوا حَتَّى ذَكَرُوا أَنَّهُ لا يُحْسِنُ يُصَلِّي، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَاأَبَاإِسْحَاقَ! إِنَّ هَؤُلاَءِ يَزْعُمُونَ أَنَّكَ لا تُحْسِنُ تُصَلِّي، فَقَالَ: أَمَّا أنا واللهِ فَإِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلاَةَ رسولِ الله ﷺ لا أُخْرِمُ عَنْهَا، أُصَلِّي صَلاَتَي العِشَاءِ فَأَرْكُدُ فِي الأُولَيَيْنِ، وَأُخِفُّ فِي الأُخْرَيَيْنِ. قَالَ: ذَلِكَ الظَّنُّ بِكَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ، وأَرْسَلَ مَعَهُ رَجُلاً - أَوْ رِجَالاً - إِلَى الكُوفَةِ يَسْأَلُ عَنْهُ أَهْلَ الكُوفَةِ. فَلَمْ يَدَعْ مَسْجِداً إِلاَّ سَأَلَ عَنْهُ، وَيُثْنُونَ مَعْرُوفاً، حَتَّى دَخَلَ مَسْجِداً لِبَنِي عَبْسٍ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ، يُقالُ لَهُ أُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ، يُكَنَّى أَبَا سَعْدَةَ، فقَالَ: أَمَا إِذْ نَشَدْتَنَا فَإِنَّ سَعْداً كَانَ لا يَسِيرُ بالسَّرِيَّةِ وَلاَ يَقْسِمُ بالسَّوِيَّةِ، وَلاَ يَعْدِلُ في القَضِيَّةِ. قَالَ سَعْدٌ: أَمَا وَاللهِ لأَدْعُونَّ بِثَلاَثٍ: اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هَذَا كَاذِباً، قَامَ رِيَاءً، وَسُمْعَةً، فَأَطِلْ عُمْرَهُ، وَأَطِلْ فقْرَهُ، وَعَرِّضْهُ لِلْفِتَنِ. وَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ إِذَا سُئِلَ يَقُولُ: شَيْخٌ كَبِيرٌ مَفْتُونٌ، أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ.

قَالَ عَبدُ الملكِ بن عُمَيْرٍ الراوي عن جابرِ بنِ سَمرَةَ: فَأنا رَأَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلَى عَيْنَيْهِ مِنَ الكِبَرِ، وإِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوارِي فِي الطُّرُقِ فَيَغْمِزُهُنَّ.

(متفق عَلَيْهِ)

تشریح:- کوفہ؛ عراق کا ایک شہر ہے۔ کوفہ اور بصرہ یہ دونوں شہر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں آباد کئے گئے، دونوں آبادیاں نئی نئی تھیں اور یہ چھاؤنی بھی تھی، عام طور پر لشکر سے تعلق رکھنے والے لوگ وہیں رہائش پذیر ہوتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں کا گورنر بنایا تھا۔

حضرت سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلۂ بنوزہرہ سے تعلق رکھتے ہیں جو قریش کا ایک قبیلہ ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں، اسی لئے بعض روایتوں میں حضرت سعد کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ کے ماموں کہا گیا ہے ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے ماموں ہیں، اگر کسی کے پاس ایسا ماموں ہوتو بتائے۔ یہ ان دس صحابہ میں سے بھی ہیں جن کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں جنّت کی خوشخبری ارشاد فرمائی تھی۔ اوران کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا بھی فرمائی تھی: ’’اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ دُعَاءَ سَعْدٍ‘‘ اے اللہ! سعد کی دعا کو قبول فرما۔ اس کا اثر یہ تھا کہ وہ مستجاب الدعوات تھے، جو بھی دعا کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جاتی تھی۔ اہلِ اسلام کا ایرانیوں کے ساتھ جو آخری مقابلہ ہوا تھا اس میں سپہ سالار یہی تھے۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ ان کے بڑے فضائل ہیں اور سب سے پہلے کوفہ کے گورنر یہی بنائے گئے تھے۔ اب آبادی میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، بعض لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کر دیا، لیکن یہ بات نہیں تھی کہ ان لوگوں کی شکایت درست تھی، بلکہ یہ فیصلہ احتیاط کے طور پر تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت

اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جس وقت انتقال ہورہا تھا تو اپنے پیچھے اپنا نائب اور جانشین مقرر کرنے کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو وصیت فرمائی تھی اس میں وہی چھ حضرات تھے جن کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنّت کی خوشخبری سنائی تھی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے وقت ان سے راضی تھے، ان حضرات میں حضرت سعد بن

اَبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا تھا: اگر حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میرا جانشین مقرر کیا جائے تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر کوئی دوسرا مقرر ہوتو میں اس کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی نہ کسی جگہ پر عہدہ ومنصب ضرور دے، اس لئے کہ میں نے ان کو کسی خیانت یا کمزوری کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔

بہر حال! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی جگہ پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گورنر مقرر کیا جو ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق جو شکایتیں پہنچی تھیں ان کی تحقیق کروائی۔ ویسے بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ ان کی طرف سے جو گورنر اور حکمران مقرر کئے جاتے تھے ان کے متعلق اگر کوئی شکایت پہنچتی تو اس کی تحقیق کرتے، اگر شکایت صحیح ثابت ہوتی اور ان کو تنبیہ کرنا مناسب ہوتا تو تنبیہ کرتے، اور اگر معزول کرنا مناسب ہوتا تو معزول کر دیتے، اور اگر شکایت غلط ہوتی تو پھر شکایت کرنے والوں کو سزا دیا کرتے تھے۔ لیکن یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطورِ احتیاط پہلا کام تو یہ کیا کہ ان کو منصب سے معزول کر دیا، اس کے بعد شکایت کی تحقیق کی۔

شکایت یہ تھی کہ وہ ٹھیک طریقے سے نماز نہیں پڑھاتے۔ چناں چہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس بلوایا اور فرمایا: اے ابواسحاق! (یہ حضرت سعد کی کنیت تھی، اور عرب میں دستور تھا کہ کسی بڑے آدمی کو جب مخاطب کیا جاتا تھا تو اس کا اعزاز اور تکریم یہی ہوتی تھی کہ اس کو کنیت کے ساتھ مخاطب کیا جائے) ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آپ نماز برابر نہیں پڑھاتے؛ کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ حضرت سعد بن اَبی وقاصؓ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! اللہ کی قسم! مَیں ان کو اسی طریقے

سے نماز پڑھاتا ہوں جیسی مَیں نے نبیٔ کریم ﷺ کی نماز دیکھی ہے۔

(بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میں اسلام لانے والوں میں ساتواں ہوں، اور میں سب سے پہلا وہ آدمی ہوں جس نے اسلام میں دشمن پر تیر چلایا، اور ہم درختوں کے پتّے کھاتے تھے جس کی وجہ سے ہمارے منھ اور ہونٹ کے کنارے پھٹ جاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے لئے ہم نے اتنی ساری تکلیفیں اٹھائیں، اور ہم نبیٔ کریم ﷺ کی صحبت میں بہت پہلے سے رہنے والے لوگ ہیں، اب اگر میری نماز بھی ٹھیک نہیں ہے تب تو میں تو گمراہ ہوگیا۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں مشقتیں اٹھائیں اور نماز بھی ٹھیک نہیں ہوئی تو گویا میرے ہاتھ سے دنیا بھی گئی اور آخرت بھی گئی؛ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟) پھر کہا: میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اسی طرح نماز پڑھاتا ہوں، اس میں سے کوئی چیز بھی چھوڑتا نہیں ہوں۔ جب عشاء کی نماز پڑھاتا ہوں تو پہلی دو رکعات کو لمبا کرتا ہوں (کیوں کہ اس میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۃ بھی ملائی جاتی ہے جس میں قراءت لمبی ہوتی ہے) اور بعد والی دو رکعتیں ہلکی کرتا ہوں۔ ان کی یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے ابو اسحاق! آپ کے متعلق میرا گمان یہی تھا۔ یعنی ان لوگوں نے آپ کے متعلق جو شکایت کی تھی تو میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ شکایت درست نہیں ہے، اس لیے کہ آپ جیسا آدمی جس نے نبیٔ کریم ﷺ کی طویل صحبت اٹھائی ہو اور جن پر حضورِ اکرم ﷺ کو بھی اطمینان ہو، اور جن کو بارگاہِ نبوت سے جنّت کی بشارت دی گئی ہو، اور اتنے پرانے اسلام لانے والے شخص بھلا نماز کے معاملے میں کوئی کوتاہی کیسے کرسکتے ہیں؟ لیکن چوں کہ بات کی تحقیق کرنا ضروری تھی اس لئے میں نے پوچھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ بلایا تھا اور یہ گفتگو مدینہ میں ہوئی تھی، جب ان کے جواب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطمینان ہو گیا تو پھر دوسرا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان کے ساتھ کچھ لوگوں کو یا ایک آدمی کو کوفہ بھیجا کہ وہاں کی ہر مسجد میں جا کر اہلِ صلاح اور نیک لوگوں سے پوچھو کہ ان کے متعلق جو شکاتیں کی گئی ہیں؛ کیا درست ہیں؟ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے حضرت محمد بن مسلمہ کو بھیجا تھا جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں اور قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے ہیں۔ چناں چہ حضرت سعد بن اُبی وقاص اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما نے نماز کے اوقات میں کوفہ کی ہر ہر مسجد والوں سے ملاقات کی۔ حالاں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مقام حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہت اونچا ہے۔ لیکن امیر المؤمنین کا حکم تھا اس لیے ان کو مسجد میں لے جاتے اور اہلِ مسجد سے قسم دے کر پوچھتے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کے متعلق کچھ شکایتیں پہنچی ہیں، جن کی تحقیق کے واسطے ان کو ساتھ لے کر مجھے بھیجا ہے، کیا آپ حضرات کو ان کے متعلق کوئی شکایت ہے؟ جس سے بھی پوچھتے سبھی ان کی خوبیاں بیان کرتے اور کہتے کہ ہمیں ان سے کوئی شکایت نہیں ہے، ان کے اندر کوئی کمی نہیں ہے، یہ تو ہر طرح کی خوبی سے مزیّن ہیں، کسی بھی مسجد والوں نے ان کی کوئی برائی نہیں کی۔ یہاں تک کہ جب مسجدِ بنو عبس میں پہنچے اور یہی سوال پوچھا تو ایک آدمی کھڑا ہوا جس کا نام اسامہ بن قتادہ اور کنیت ابو سَعدہ تھی اس نے کہا: جب آپ نے قسم دی ہے تو مجھے بولنا پڑے گا، ورنہ شکایت نہ کرتا، ان کی ایک شکایت تو یہ ہے کہ جب یہ کوئی لشکر کہیں بھیجتے ہیں تو خود تو گھر بیٹھے رہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب مال تقسیم کرتے ہیں تو انصاف سے کام نہیں لیتے۔ اور فیصلوں میں بھی انصاف نہیں کرتے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا

انصاف دیکھئے کہ وہ تو جانتے تھے کہ ان کے متعلق جو باتیں کہی گئی ہیں ان کی حقیقت کیا ہے یعنی سب باتیں جھوٹی ہیں، اس کے باوجود انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے، بلکہ یوں کہا: اے اللہ! تیرا یہ بندہ اگر جھوٹا ہے اور محض شہرت اور دکھلاوے کے لئے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر لمبی کر، اس کا فقر بڑھادے، اور اس کو فتنوں میں مبتلا کردے۔

جب کوئی چھوٹا آدمی کسی بڑے آدمی کے متعلق کوئی اعتراض کرتا ہے تو اس کے دل میں یہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ میرے اس اعتراض کے نتیجہ میں میری شہرت ہوجائے گی کہ فلاں آدمی نے تو فلاں کو بھی نہیں چھوڑا اور اس کے متعلق شکایت کی۔ تو گویا اس آدمی کا کھڑے ہوکر یہ باتیں کہنا اسی جذبے سے تھا کہ میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بڑے آدمی کے متعلق جب یہ سب کہوں گا تو مجھے لوگوں کے درمیان شہرت حاصل ہوجائے گی۔

ایک لطیفہ

ایک واقعہ یاد آیا بطورِ لطیفہ سنادیتا ہوں۔ ایک آدمی مشہور ہونا چاہتا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ مشہور ہونے کے لئے کیا کروں؛ تو اس نے جاکر زمزم کے کنویں میں پیشاب کردی۔ اس کے بعد وہ جہاں بھی جاتا تو لوگ اس کی طرف انگلیاں اُٹھاتے کہ یہ وہی آدمی ہے۔ تو وہ خوش ہوتا کہ سب مجھے جانتے ہیں۔

درحقیقت وہ خود بھی جانتا تھا کہ حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ باتیں نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ایک شکل تو یہ ہوتی کہ واقعۃً حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ باتیں نہیں تھی، لیکن سامنے والا اپنی معلومات کی وجہ سے یہی سمجھتا کہ ان میں یہ کمزوریاں ہیں، اس صورت میں تو وہ خود اپنے آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتا، بلکہ اپنے آپ کو صحیح سمجھتے ہوئے اعتراض کرتا، لیکن یہ آدمی تو خود بھی سمجھتا تھا کہ میں جھوٹا ہوں، محض

شہرت حاصل کرنے کے لیے اعتراض کررہا تھا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کرنے والے راوی عبدالملک بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن أبي وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا کے اثر سے اس کا یہ حال ہوا کہ اس کی عمر بڑی لمبی ہوئی، یہاں تک کہ اس کی پلکیں بھی آنکھوں پر جھک گئی تھیں، اور فقر وفاقہ میں بھی مبتلا ہوا، اور ایسے فتنے میں مبتلا ہوا کہ راستہ چلتے ہوئے لڑکیوں کو چھیڑا کرتا تھا۔ اگر کوئی اس سے کہتا کہ یہ کیا حالت ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا: میں فتنے میں مبتلا ایک بوڑھا ہوں جس کو سعد بن أبي وقاص کی بددعا لگ گئی ہے۔ اس میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت ظاہر ہوتی ہے اس بنیاد پر اس روایت کو یہاں پیش کیا ہے۔

مجھے سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بددعا لگ گئی

۱۵۰۶:- وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ سَعِيْدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بن نُفَيْلٍ خَاصَمَتْهُ أَرْوَى بِنْتُ أَوْسٍ إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَادَّعَتْ أَنَّهُ أَخَذَ شَيْئاً مِنْ أَرْضِهَا فَقَالَ سَعِيْدٌ: أَنَا كُنْتُ آخُذُ مِنْ أَرْضِهَا شَيْئاً بَعْدَ الَّذِيْ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ مَاذَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ أَخَذَ شِبْراً مِنَ الْأَرْضِ ظُلْماً طُوِّقَهُ إِلَى سَبْعِ أَرْضِيْنَ. فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ: لَا أَسْئَلُكَ بَيِّنَةً بَعْدَ هٰذَا فَقَالَ سَعِيْدٌ: أَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَأَعْمِ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِيْ أَرْضِهَا. قَالَ: فَمَا مَاتَتْ حَتَّى ذَهَبَ بَصَرُهَا وَبَيْنَمَا هِيَ تَمْشِيْ فِيْ أَرْضِهَا إِذْ وَقَعَتْ فِيْ حُفْرَةٍ فَمَاتَتْ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بِمَعْنَاهُ وَأَنَّهُ رَآهَا عَمْيَاءَ تَلْتَمِسُ الْجُدُرَ تَقُوْلُ أَصَابَتْنِيْ دَعْوَةُ سَعِيْدٍ وَأَنَّهَا مَرَّتْ عَلَى بِئْرٍ فِيْ

الدَّارِ الَّتِيْ خَاصَمَتْهُ فِيْهَا، فَوَقَعَتْ فِيْهَا، فَكَانَتْ قَبْرَهَا

تشریح:- حضرت عروہ حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے ہیں۔ یہ صحابی نہیں ہیں، ان کے بڑے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ صحابی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں، انہی سے روایت ہے کہ حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہی چچازاد بھائی ہیں جن کے نکاح میں حضرت عمر کی بہن فاطمہ تھیں، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا مشہور واقعہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے چلے تھے، راستے میں کسی نے پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے اپنے ارادہ کا اظہار کیا تو اس نے کہا: پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں، وہ بہنوئی حضرت سعید بن زیدؓ یہی تھے۔ حضرت عمرؓ واپس ہوئے، ان کے گھر گئے تو دروازہ اندر سے بند تھا، اور قرآنِ پاک کی تعلیم ہورہی تھی، حضرت خبیب یا حضرت خباب ان کو قرآنِ پاک سکھا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ چھپ گئے۔ قصہ معلوم ومشہور ہے۔ ان کے خلاف اَرْوٰی بنت اَوس نے مروان بن حکم کے یہاں دعوی دائر کیا (جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مدینہ منورہ کے گورنر تھے) کہ انہوں نے میری زمین پر ناجائز قبضہ کرلیا ہے مروان نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ: یہ عورت آپ کے متعلق کیا کہہ رہی ہے؟ حضرت سعید بن زیدؓ نے جواب میں فرمایا: اس سلسلہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد براہِ راست سننے کے بعد بھی بھلا مَیں اس کی زمین لے سکتا ہوں؟ مروان بن حکم نے پوچھا؟ آپ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا کون سا ارشاد سنا ہے؟ حضرت سعید بن زیدؓ نے فرمایا: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو آدمی کسی کی ایک بالشت زمین ناجائز طریقہ سے لے گا تو اللہ تعالیٰ کل قیامت کے روز سات زمینوں تک کی ایک بالشت زمین اس

کے گلے میں طوق بنا کرڈالیں گے۔ یہ سن کرمروان بن حکم نے کہا: آپ کے اس بیان کے بعد میں آپ سے کوئی گواہ نہیں مانگتا (گویا اس نے اس مقدمہ کوخارج کر دیا) اس کے بعد حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے اللہ! یہ عورت جس نے میرے خلاف دعوی دائر کیا ہے، اگر جھوٹی ہے تو اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے، اوراس کو اسی زمین میں موت دے (یعنی وہی زمین اس کے لئے موت کا سبب بن جائے) راوی عروہ بن زبیر کہتے ہیں: آخر موت آنے سے پہلے وہ اندھی ہوگئی اوراسی زمین میں چل رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گری اوراس کی موت ہوگئی۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ: محمد بن زید بن عبداللہ کہتے ہیں: میں نے اس عورت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ اندھی ہو چکی تھی اور دیواروں کا سہارا لے کرٹٹول ٹٹول کر چلتی تھی ، اور لوگوں سے کہا کرتی تھی: مجھے سعید بن زید کی بددعا لگ گئی۔ جس زمین کے متعلق اس نے حضرت سعید بن زید کے خلاف دعوی دائر کیا تھا اس میں ایک گھڑا تھا، ایک مرتبہ وہاں سے گزر رہی تھی کہ اس میں گری اور وہی زمین اس کی قبر بن گئی۔

افادات:- یہاں پر بھی حضراتِ صحابہ کی اسی انصاف پسندی کا نمونہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ پہلے ہی سے جانتے تھے کہ وہ عورت جھوٹی ہے، انھوں نے ناجائز طریقہ سے اس کی زمین نہیں لی تھی ، پھر بھی احتیاط کے طور پر کہہ رہے ہیں کہ اگر اپنے دعوے میں جھوٹی ہے تب ہی اس کے ساتھ ایسا کرنا۔

طوق بنا کر گلے میں ڈالنے کا مطلب کیا ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اندر دھنسا دیا جائے گا اور چاروں طرف زمین ہوگی ، یہ ایک طرح کا طوق ہی ہو گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ایک بالشت زمین کی ساتوں تہہ تک جتنی مٹّی ہوگی اس کوطوق بنا کراس کے گلے میں ڈالا جائے گا اوراس کو اُٹھانے پر مجبور کیا جائے گا۔

چھ ماہ بعد بھی لاش جوں کی توں

۱۵۰۷:- وعن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہما، قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أُحُدٌ دعَانِي أَبي من اللَّيلِ فَقَالَ: مَا أُرَانِي إِلاَّ مَقْتُولاً في أَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ من أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، وإِنِّي لاأَتْرُكُ بَعْدِي أَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رسول الله ﷺ، وإِنَّ عَلَيَّ دَيْناً فَاقْضِ، وَاسْتَوْصِ بِأَخَوَاتِكَ خَيْراً. فَأَصْبَحْنَا، فَكَانَ أَوَّلَ قَتِيلٍ، وَدَفَنْتُ مَعَهُ آخَرَ في قَبْرِهِ، ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِي أَنْ أَتْرُكَهُ مَعَ آخَرَ، فَاسْتَخْرَجْتُهُ بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ، فإِذا هُوَ كَيَوْمِ وَضَعْتُهُ غَيْرَ أُذُنِهِ، فَجَعَلْتُهُ في قَبْرٍ عَلَى حِدَةٍ. (رواه البخاری)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت جابرؓ ان صحابہ میں سے ہیں جن سے بکثرت حدیثیں کتبِ حدیث میں منقول ہیں، ان کے والد حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں اور غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔ اور پہلے بھی کسی بات کے ضمن میں آپ کو بتلایا تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد مسجدِ نبوی سے اُحد کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں ایک جگہ پر قیام کیا، حضرت جابرؓ اسی موقعہ کا یہ قصہ بیان کرتے ہیں کہ رات کو ابانے مجھے بلایا اور فرمایا: مَیں اپنے متعلق یہ سمجھتا ہوں کہ شروع لڑائی ہی میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ میں سے جو لوگ شہید ہوں گے، مَیں بھی شاید انہیں میں شہید ہونے والا ہوں، اور مَیں اپنے پیچھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کے علاوہ تم سے زیادہ محبوب کسی اور کو نہیں چھوڑ رہا ہوں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو مجھے تم سے بھی زیادہ محبوب ہیں، ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد میری نگاہوں میں تم سب سے زیادہ محبوب ہو) اور میرے اوپر کچھ قرضہ ہے تم اس کو ادا کر دینا۔ اور اپنی بہنوں کے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرو (جیسا کہ پہلے بتلایا تھا کہ ان کی نو بہنیں تھیں، اور یہ اپنے ابا کے اکیلے لاڈلے بیٹے تھے، ان کے ابا کو یہ خیال ہوا کہ میں

شہید ہونے والا ہوں تو ان کو تاکیداً وصیت فرمائی کہ اپنی بہنوں کا خیال رکھنا) حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: جب صبح ہوئی تو غزوۂ احد میں سب سے پہلے شہید ہونے والے میرے ابا ہی تھے (یعنی ابا کا خیال بالکل صحیح ثابت ہوا۔ گویا ان کو جو بات پیش آنے والی تھی اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی الہام ہو گیا تھا، یہ ان کی ایک کرامت تھی۔ اور چوں کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو بہت زخم پہنچے تھے، اور ستر (۷۰) سے زیادہ مسلمان شہید ہوئے تھے، سب کے لئے الگ الگ قبر کھودنا مشکل تھا، اس لئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک قبر میں دودو، تین تین حضرات کو دفن کرنے کا حکم دیا تھا حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:) میرے ابا کی قبر میں ایک اور ساتھی بھی دفن کئے گئے۔ ایک مدّت کے بعد میرے جی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ میرے ابا کی قبر میں کسی اور کو رہنے دوں (گویا میرے جی میں آیا کہ مستقل قبر کھود کر اپنے ابا کو الگ دفن کردوں) چناں چہ چھ مہینے کے بعد میں نے اس قبر سے ابا کی لاش نکالی تو دفن کے وقت ان کی جو کیفیت تھی اس وقت بھی بعینہٖ اسی کیفیت میں تھے، سوائے کان کے کہ اس پر زمین کا ذرا سا اثر آ گیا تھا، چناں چہ علاحدہ قبر کھود کر میں نے دفن کردیا۔ (گویا ان کی لاش کا چھ مہینہ کے بعد بھی جوں کا توں محفوظ رہنا ان کی ایک طرح کی کرامت تھی اسی مناسبت سے اس روایت کو یہاں ذکر کیا ہے)۔

غیبی لائٹ

۱۵۰۸:- وعن أنس - رضی اللہ تعالٰی عنہ - : أَنَّ رجلين مِنْ أصحاب النَّبِيِّ ﷺ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ، وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا. فَلَمَّا افْتَرَقَا، صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَاحِدٌ حَتَّى أَتَى أَهْلَهُ. (رواہ البُخاری مِنْ طُرُقٍ)

وفي بَعْضِهَا: أَنَّ الرَّجُلَيْنِ أُسَيْدُ بْنُ حُضير، وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ رضی اللہ عنہما.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں (کہ ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے) رات دیر گئے اندھیرے میں (جب وہ حضرات آپ کے پاس سے اپنے گھر جانے کے لیے روانہ ہوئے تو) دو صحابی (حضرت اُسید بن حضیر انصاری، اور حضرت عبّاد بن بشر مہاجری رضی اللہ عنہما بھی) اپنے گھر کی طرف لوٹے (اندھیری رات میں راستہ نظر آئے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں کے لئے یہ انتظام ہوا کہ) ان کے آگے آگے چراغ کی طرح سے دو روشنیاں پیدا کر دی گئیں (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے آگے دو چراغ جل رہے ہیں، چناں چہ) دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے، جب دونوں کا راستہ الگ ہونے والا تھا تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک چراغ ہو گیا یہاں تک وہ اپنے گھر پہنچ گئے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اندھیری رات میں ان کو راستہ دکھلانے کے لئے چراغ کا قدرتی طور پر پیدا ہو جانا ان دونوں حضرات کی کرامت تھی، اسی مناسبت سے یہاں ذکر کیا ہے)۔

تین صحابیوں کا واقعہ

۱۵۰۹:- وعن أبي هريرة -رضي الله عنه- قَالَ: بعث رسول الله ﷺ عَشَرَةَ رَهْطٍ عَيْناً سَرِيَّة، وأَمَّرَ عَلَيْهَا عاصِمَ بنَ ثَابِتٍ الأنْصَارِيَّ - رضی اللہ تعالیٰ عنہ -، فانْطلقوا حَتَّى إِذَا كَانُوا بالهَدْأةِ؛ بَيْنَ عُسْفَانَ وَمَكَّةَ؛ ذُكِرُوا لِحَيٍّ مِنْ هُذَيْل يُقَالُ لَهُمْ: بَنُو لحيانَ، فَنَفَرُوا لَهُمْ بِقَرِيبٍ مِنْ مِئَةِ رَجُلٍ رَامٍ، فَاقْتَصُّوا آثَارَهُمْ، فَلَمَّا أَحَسَّ بِهِمْ عَاصِمٌ وأَصْحَابُهُ، لَجَأُوا إِلَى مَوْضِعٍ، فَأَحَاطَ بِهِمُ القَوْمُ، فَقَالُوا: انْزِلُوا فَأَعْطُوا بِأَيْدِيكُمْ وَلَكُمُ العَهْدُ وَالمِيثَاقُ أَنْ لا نَقْتُلَ مِنْكُمْ أَحَداً. فَقَالَ عَاصِمُ بنُ ثَابِتٍ: أَيُّهَا القَوْمُ، أَمَّا أنا، فَلاَ أنْزِلُ عَلَى ذِمَّةِ كَافِرٍ: اللَّهُمَّ أَخْبِرْ عَنَّا

نَبِیَّكَ ﷺ، فَرَمُوهُمْ بِالنَّبْلِ فَقَتَلُوا عَاصِماً. وَنَزَلَ إِلَيْهِمْ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ عَلَى العَهْدِ والمِيثَاقِ، مِنْهُمْ خُبَيْبٌ، وَزَيْدُ بنُ الدَّثِنَةِ وَرَجُلٌ آخَرُ. فَلَمَّا اسْتَمْكَنُوا مِنْهُمْ أَطْلَقُوا أَوْتَارَ قِسِيِّهِمْ، فَرَبَطُوهُمْ بِهَا. قَالَ الرَّجُلُ الثَّالِثُ: هَذَا أَوَّلُ الغَدْرِ، واللهِ لا أَصْحَبُكُمْ إِنَّ لِي بِهَؤُلَاءِ أُسْوَةً، يُرِيدُ القَتْلَى، فَجَرُّوهُ وعَالَجُوهُ، فَأَبَى أَنْ يَصْحَبَهُمْ، فَقَتَلُوهُ. وانْطَلَقُوا بِخُبَيْبٍ، وزَيْدِ بنِ الدَّثِنَةِ، حَتَّى بَاعُوهُمَا بِمَكَّةَ بَعْدَ وَقْعَةِ بَدْرٍ؛ فابْتَاعَ بَنُو الحَارِثِ بن عَامِرِ بنِ نَوْفَلِ بنِ عبدِ مَنَافٍ خُبيباً، وكان خُبَيْبٌ هُوَ قَتَلَ الحَارِثَ يَوْمَ بَدْرٍ. فَلَبِثَ خُبَيْبٌ عِنْدَهُمْ أسيراً حَتَّى أَجْمَعُوا عَلَى قَتْلِهِ، فاسْتَعَارَ مِنْ بَعْضِ بَنَاتِ الحَارِثِ مُوسَى يَسْتَحِدُّ بِهَا فَأَعَارَتْهُ، فَدَرَجَ بُنَيٌّ لَهَا وَهِيَ غَافِلَةٌ حَتَّى أَتَاهُ، فَوَجَدَتْهُ مُجْلِسَهُ عَلَى فَخِذِهِ وَالمُوسَى بِيَدِهِ، فَفَزِعَتْ فَزْعَةً عَرَفَهَا خُبَيْبٌ. فَقَالَ: أَتَخْشَيْنَ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذَلِكَ. قالت: واللهِ مَا رَأَيْتُ أسيراً خيراً مِنْ خُبَيْبٍ. فواللهِ لَقَدْ وَجَدْتُهُ يَوماً يَأْكُلُ قِطْفاً مِنْ عِنَبٍ فِي يَدِهِ وإِنَّهُ لَمُوثَقٌ بِالحَدِيدِ وَمَا بِمَكَّةَ مِنْ ثَمَرَةٍ، وَكَانَتْ تَقُولُ: إِنَّهُ لَرِزْقٌ رَزَقَهُ اللهُ خُبَيْباً. فَلَمَّا خَرَجُوا بِهِ مِنَ الحَرَمِ لِيَقْتُلُوهُ فِي الحِلِّ، قَالَ لَهُمْ خُبَيْبٌ: دَعُونِي أُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَتَرَكُوهُ، فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ: واللهِ لَوْلَا أَنْ تَحْسَبُوا أَنَّ مَا بِي جَزَعٌ لَزِدْتُ: اللَّهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَداً، وَاقْتُلْهُمْ بَدَداً، وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ أَحَداً. وقال:

فَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِماً ❁	عَلَى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ للهِ مَصْرَعِي
وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الإِلَهِ وإِنْ يَشَأْ ❁	يُبَارِكْ عَلَى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

وَكَانَ خُبَيبٌ هُوَ سَنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ قُتِلَ صَبْراً الصَّلَاةَ. وأَخْبَرَ - يعني: النبيّ ﷺ -

أَصْحَابَهُ يَوْمَ أُصِيبُوا خَبَرَهُمْ.

وَبَعَثَ نَاسٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى عَاصِمِ بْنِ ثَابِتٍ حِيْنَ حُدِّثُوا أَنَّهُ قُتِلَ أَنْ يُؤْتَوا بِشَيْءٍ مِنْهُ يُعْرَفُ، وَكَانَ قَتَلَ رَجُلاً مِنْ عُظَمَائِهِمْ، فَبَعَثَ اللهُ لِعَاصِمٍ مِثْلَ الظُّلَّةِ مِنَ الدَّبْرِ فَحَمَتْهُ مِنْ رُسُلِهِمْ، فَلَمْ يَقْدِرُوا أَنْ يَقْطَعُوا مِنْهُ شَيْئاً. (رواه البخاری)

قولُهُ: ((الهَدْأَةُ)): مَوْضِعٌ، ((والظُّلَّةُ)): السَّحَابُ. ((والدَّبْرُ)): النَّحْلُ. وَقَوْلُهُ: ((اقْتُلْهُمْ بِدَداً)) بِكَسْرِ الباءِ وفتحِهَا، فَمَنْ كَسَرَ قَالَ هُوَ جمع بِدَّةٍ بكسر الباء وهي النصيب ومعناه: اقْتُلْهُمْ حِصَصاً مُنْقَسِمَةً لِكُلِّ واحدٍ مِنْهُمْ نَصِيبٌ، وَمَنْ فَتَحَ قَالَ معناهُ: مُتَفَرِّقِينَ فِي القَتْلِ واحداً بَعْدَ واحدٍ مِنَ التَّبْدِيدِ.

سیرت کی کتابوں میں اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ ماہِ صفر ۴ھ میں پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عرب کے دو قبیلے عضل اور قارہ کے کچھ لوگ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے قبیلے کے لوگ اسلام لا چکے ہیں، ان کو قرآنِ پاک سکھانے اور اسلامی احکام کی تعلیم دینے کے لئے آپ اپنے صحابہ میں سے کچھ حضرات کو ہمارے ساتھ بھیجئے تاکہ وہ وہاں آ کر ہمیں قرآنِ پاک سکھائیں اور اسلامی احکام سے واقف کریں۔ ان کی درخواست پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی اور امارت میں بھیجا، اس سے دو کام مقصود تھے، ایک تو ان لوگوں کی تعلیم مقصود تھی، اور دوسرے یہ کہ قریش کے حالات کی خبر بھی ملتی رہے گی۔ لیکن ان قبیلے والوں کا مقصد تو مسلمانوں کو دھوکا دینا تھا، اور اس بہانہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے چند لوگوں کو اپنے یہاں لے جا کر قتل کرنا تھا، اسی واقعہ کو اس روایت میں بیان کیا ہے۔

ترجمہ مع تشریح: - حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش کا حال اور خبریں معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا اوران کا امیر حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا، چناں چہ یہ حضرات مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور جب مقامِ ہَدْ اَہ - جو عُسفان اور مکہ مکرمہ کے درمیان میں واقع ہے - پہنچے تو انہیں لوگوں نے ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کو اُکسایا (کہ دیکھو! مدینہ منورہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت آرہی ہے، ان کو گرفتار کر کے مکہ والوں سے کچھ رقم حاصل کرنے کا بڑا اچھا موقعہ ہے۔ اس لئے کہ مکہ والے مسلمانوں کے دشمن تھے، اگر ان کا کوئی بھی آدمی مکہ والوں کو مل جاتا تو وہ خریدنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔اس طرح انہوں نے قبیلۂ بنولحیان کو وَرغلایا اوراس بات پر آمادہ کیا) چناں چہ ان کے دوسو آدمی - جن میں سوتو مشّاق تیرانداز تھے - مسلمانوں کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے، اوران کے چلنے کے آثار کو دیکھ دیکھ کر ان کی جستجو اور تلاش میں آگے بڑھے۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے ساتھیوں نے محسوس کیا (کہ کچھ لوگ ہمارا پیچھا کر رہے ہیں اور ہمیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں) تو یہ سب ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے، ان دوسو آدمیوں نے اس ٹیلے کو چاروں طرف سے گھیر لیا اوران سے کہا: تم لوگ نیچے آجاؤ، ہم تم سے وعدہ اور عہد و پیمان کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میں تو (ان کا مقابلہ کرتے ہوئے جان دینا پسند کرتا ہوں لیکن) کسی کافر کی امان میں جانا پسند نہیں کرتا (اور وہ حضرات ایسی جگہ میں ان حالات کے اندر گرفتار تھے کہ اب پتہ نہیں وہ زندہ رہیں گے یا مقابلہ میں مارے جائیں گے، اور پھر ان کی کوئی اطلاع مدینہ منورہ پہنچے گی یا نہیں، اس لیے کہ خبر پہنچانے والا تو کوئی تھا ہی نہیں) اس لیے انہوں نے دعا کی: اے اللہ! ہماری حالت کی خبر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو کردینا (اور دوسری دعا یہ کی کہ: اے اللہ! میں تیرے دین کی حفاظت کے لئے کوشش کررہا ہوں، اب تو میرے جسم کی حفاظت کیجیو۔ یہ دعا کرنے کے بعد حضرت عاصم نے نیچے اترنے سے انکار کردیا اور) مقابلہ شروع کیا، ادھر سے ان تیراندازوں نے ان پر تیر برسائے اور وہ شہید ہوگئے۔

مکھیوں کے جھنڈ اور سیلاب سے نعش کی حفاظت

(روایتوں میں آتا ہے کہ ان کی دونوں دعائیں قبول ہوئیں، پہلی تو اس طرح سے کہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے حالات سے آگاہ کردیا۔ اور ان کی لاش کی بھی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی، جس کا قصہ یہ ہوا کہ دراصل حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ احد میں قریش کے کئی آدمیوں کو قتل کیا تھا، ان میں قریش کی ایک عورت سلافہ بنت سعد کے دو بیٹوں کو بھی قتل کیا تھا۔ لہٰذا اس عورت نے اعلان کیا تھا کہ اگر کوئی آدمی عاصم بن ثابت کی لاش یا کھوپڑی لاکر دے گا؛ تو میں انعام میں اس کو سو اونٹ دوں گی۔ اور اس نے قسم کھائی تھی کہ میں ان کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شہید ہوگئے ہیں تو سو اونٹ کی لالچ میں ان کی لاش کا سر کاٹنے کے لئے کچھ لوگ مکہ مکرمہ سے نکلے، جب وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش کی حفاظت کے لئے شہد کی مکھیوں کا پورا ایک جُھنڈ بھیج دیا جو کسی کو بھی لاش کے قریب آنے نہیں دیتا تھا۔ ان لوگوں نے سوچا کہ رات کو اندھیرے میں جب یہ مکھیاں چلی جائیں گی تو ہم سر کاٹ لیں گے، لیکن رات کا اندھیرا ہوا اس سے پہلے ہی بارش شروع ہوئی اور پانی اتنا آیا کہ ان کی لاش کو بہا کر لے گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش کی حفاظت فرمائی۔ یہ تو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پورا قصہ ہوا۔

اور ان میں سے جب بھی کوئی شہید ہوتا تو وہ لوگ دوسرے کو پیش کش کرتے کہ دیکھو! ابھی بھی نیچے آجاؤ، تمہاری جان بچ جائے گی، لیکن انہوں نے مقابلہ کیا یہاں تک کہ ان میں سے سات صحابہ تو شہید ہو گئے، اس لیے کہ وہ دوسو آدمی تھے اور ان میں بھی سو تو بڑے مشّاق تیر انداز تھے، اور تین زندہ بچ گئے تو انہوں نے پھر سمجھایا کہ اب تو تم تین ہی بچ گئے ہو، تم ہمارا مقابلہ تو نہیں کر سکتے، نیچے آجاؤ، ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ چناں چہ ان کے کہنے پر جو) تین باقی رہ گئے تھے وہ نیچے اتر آئے، ان میں ایک حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ، دوسرے حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ اور تیسرے عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ تھے۔ جب انہوں نے ان پر قبضہ کر کے اپنی تحویل میں لے لیا اور ان کی کمانیں کھول کر ان کی تانت سے ان کی مشکیں باندھنا شروع کیں تو یہ منظر دیکھ کر ان تین میں سے ایک عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: (جب تم نے ہمیں امان دیدی اور وعدہ کرلیا کہ تم ہمیں قتل نہیں کرو گے تو پھر ڈوریوں سے ہمارے بازوؤں کو باندھنے کا کیا مطلب ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری نیتوں میں خیر نہیں ہے) اس لیے مَیں تمہارے ساتھ آنے کے لئے تیار نہیں ہوں، مَیں بھی اسی راہ (شہادت) کو پسند کرتا ہوں جو میرے دیگر سات ساتھیوں نے پسند کی، چناں چہ ان لوگوں نے ان کو زبردستی کھینچ کر اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے انکار کیا تو ان کو وہیں قتل کر دیا۔

اب دو صحابی یعنی حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما رہ گئے، چناں چہ وہ لوگ ان دونوں کو مکہ مکرمہ لے گئے (چوں کہ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ مکہ والے ان دونوں کو بڑی قیمت دے کر خرید لیں گے، انہوں نے ان کو پیسے کے لالچ ہی میں قید کیا تھا) چناں چہ ان دونوں کو مکہ مکرمہ میں بیچ دیا۔ یہ قصہ غزوۂ بدر کے بعد کا ہے۔

اطمینان رکھو؛ میں ایسا نہیں کروں گا

حارث بن عامر ایک قریشی آدمی تھا جو غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا جس کو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ہی نے قتل کیا تھا، اس لیے اس کے بیٹوں نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید لیا کہ ان کو باپ کے بدلہ میں قتل کریں گے، لیکن ان لوگوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو خریدنے کے بعد فوراً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اپنے یہاں کچھ دنوں تک قید رکھا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس وقت حرمت والے مہینے چل رہے تھے، ان کے ختم ہونے کا انتظار کیا۔ یہاں تک کہ ایک دن حارث بن عامر کے گھر والوں نے فیصلہ کرلیا کہ آئندہ کل ان کو قتل کرنا ہے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو بھی یقین ہوگیا کہ آئندہ کل یہ لوگ مجھے قتل کرنے والے ہیں تو حارث بن عامر کے گھر میں جہاں وہ قید تھے وہیں انہوں نے ان کی ایک لڑکی سے اُسترہ مانگا، ان کا مقصد یہ تھا کہ زیرِ ناف وغیرہ کی صفائی کرلیں (اس سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی آدمی کو جب کسی بھی طریقہ سے اپنی موت واقع ہونے کا یقین ہوجائے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ نہا دھولے اور اپنے زیرِ ناف اور بغل وغیرہ کی صفائی کرلے) اس لڑکی نے ان کو استرہ دیدیا (اور وہ اپنے کام میں لگ گئی) اسی درمیان اس کا ڈیڑھ دوسال کا چھوٹا سا بچّہ جو ابھی نیا نیا چلنا سیکھا تھا، وہ کھیلتے کھیلتے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچ گیا (حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیڑیوں میں بندھے ہوئے تھے، جب بچّہ قریب پہنچا تو) حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنی ران پر بٹھالیا (وہ عورت اپنے کام میں مشغول تھی، اس کو پتہ ہی نہیں چلا کہ میرا بچّہ ان کے پاس پہنچ گیا ہے) اچانک جب اس کی نظر پڑی اور دیکھا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس کے بچّے کو اپنی ران پر بٹھا رکھا ہے اور دوسرے ہاتھ میں استرہ ہے، یہ منظر دیکھ کر وہ ایک دم سہم گئی (ظاہر ہے کہ وہ لوگ دوسرے روز حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے تھے، ان کو تو انتقام لینے کا اس سے اچھا موقعہ اور کہاں مل سکتا تھا، اس

لیے وہ یہ سمجھی کہ اب تو ضرور کچھ نہ کچھ ہوگا، اس لئے دیکھتے ہی اس کے ہوش وحواس اُڑ گئے) اس کی گھبراہٹ کو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی محسوس کیا تو فرمایا کہ کیا تجھے یہ ڈر ہے کہ میں اس بچّے کو قتل کردوں گا؟ تم اطمینان رکھو میں ایسا نہیں کروں گا (اس لیے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ جنگ میں بھی عورتوں، بوڑھوں اور بچّوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو جب کافروں نے قید کیا ہو، اور اس کو یقین ہو جائے کہ وہ اس کو مارڈالنے والے ہیں، ایسی حالت میں اس کے قبضے میں ان کا کوئی بچّہ یا اور کوئی فرد آجائے تو اس کو چھیڑنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ چناں چہ انہوں نے بچّے کو کچھ نہیں کیا، کچھ دیر کھیل لگا کر چھوڑ دیا، حالاں کہ ان کو یقین تھا کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنے والے ہیں، اگر انتقامی طور پر وہ کچھ کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے۔ بعد میں وہ عورت اسلام لے آئی) وہ بیان کرتی ہے کہ: اللہ کی قسم! خبیب سے اچھا قیدی میں نے نہیں دیکھا (اس سے زیادہ ان کے اخلاق اور کیا ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے ایسی حالت میں بھی کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی)۔

بے موسم پھل: حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت

(پھر وہی عورت حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قصہ بیان کرتی ہے کہ) ایک دن میں نے خبیب کے ہاتھ میں انگور کا ایک خوشہ دیکھا جس کو وہ کھا رہے تھے حالاں کہ وہ گھر کے ایک کونہ میں بیڑیوں میں بندھے ہوئے پڑے تھے، مزید برآں مکہ کے بازار میں بھی اس وقت وہ پھل نہیں ملتے تھے (اور اگر بازار میں مل رہے ہوتے تب بھی وہ تو بیڑیوں میں بندھے ہوئے تھے، ان کو انگور لا کر کون دیتا) وہ عورت کہا کرتی تھی: دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا رزق تھا جو خبیب کو کھلایا گیا تھا (یہاں تو اس قصہ کو لانے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی حالت

میں بے موسم پھل حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہونا ان کی کرامت تھی، اور اس باب کے شروع میں جو آیتیں پیش کی تھیں ان میں حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ بتلایا تھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پاس پھل رکھے ہوئے ہیں، حالاں کہ اس وقت وہ پھل بازار میں نہیں تھے۔ حضرت مریم علیہا السلام نبی نہیں تھیں، اور نبی کے علاوہ کسی صالح انسان سے خلافِ معمول کوئی بات صادر ہو؛ اسی کو کرامت کہتے ہیں اور کرامت کا تذکرہ قرآنِ پاک میں ہے۔ تو جیسے وہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی ایسے ہی یہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت ہے)۔

مجھے کوئی پرواہ نہیں

خیر! دوسرے روز جب وہ لوگ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حرم کے باہر لے گئے تاکہ ان کو قتل کریں تو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا: مجھے موقعہ دو کہ میں دو رکعات نماز پڑھ لوں۔ ان لوگوں نے کہا: ٹھیک ہے پڑھ لو۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو رکعات ادا کیں، اس کے بعد کہا: اللہ کی قسم! اگر تم لوگ یہ گمان نہ کرتے کہ میں گھبرا گیا ہوں تو اور زیادہ نماز پڑھتا۔ پھر انہوں نے دعا فرمائی: اے اللہ! تو ان میں سے ایک ایک کو پکڑیو، اور ہر ایک کو الگ الگ ماریو، کسی کو مت چھوڑیو (چناں چہ ان کی یہ دعا قبول ہوئی، بعد ان میں سے کوئی نہیں بچا) اور انہوں نے یہ اشعار بھی پڑھے:-

فَلَسْتُ أُبَالِي حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِماً ❁ عَلَى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي

وَذٰلِكَ فِيْ ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ ❁ يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٖ

جب مَیں اسلام کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کون سے پہلو پر اللہ کے واسطے میری جان جا رہی ہے۔ یہ جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے وہ اللہ کے واسطے ہو رہا ہے، اور اگر

اللہ چاہے تو میرے جسم کے کٹے ہوئے ٹکڑوں میں بھی برکت پیدا کرسکتا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے وہ آدمی ہیں جنہوں نے ہر مسلمان کے لئے جو اس طرح گرفتار کر کے قتل کیا جائے نماز کا طریقہ جاری کیا (جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں یہ واقعہ آیا تو آپ نے اس بات کو برقرار رکھا، اس لیے یہ ایک سنّت بھی ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو دشمن گرفتار کر کے مارڈالنا چاہتے ہوں اور اس کو موقعہ ملے، یا دشمن ہی اس کو پوچھیں کہ بتا! تیری آخری خواہش کیا ہے؟ تو وہ یوں کہہ دے کہ میں دو رکعات نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ ایک مسلمان کے لیے صحیح طریقہ یہی ہے)۔

”یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن“ کی برکت

روض الانف میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قصہ لکھا ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ بولے بیٹے اور آپ کے لاڈلے تھے۔ ایک مرتبہ وہ طائف سے آرہے تھے، انہوں نے ایک خچر کرائے پر لیا، خچر والا راستہ میں ان کو ایک انجان جگہ پر لے گیا، جہاں انہوں نے دیکھا کہ کئی لوگ مرے پڑے ہیں۔ اس خچر والے نے فوراً اپنا نیزہ نکالا اور ان کو مارنے کے لیے آگے بڑھا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ یہ تو مجھے قتل کردے گا تو انہوں نے اس سے کہا: مجھے دو رکعات نماز پڑھنے کا موقعہ دے۔ اس نے کہا: یہ جتنے مردے پڑے ہوئے ہیں ان سب نے دو رکعات نماز پڑھنے کی اجازت مانگی تھی، لیکن دو رکعات سے ان کا کوئی کام نہیں بنا۔ چلو! تم بھی جلدی سے پڑھ لو۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو رکعات نماز ادا کی اور اس کے بعد کہا: ”یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن“ تو غیب سے آواز سنائی دی: ”لَا تَقْتُلُوْهُ“ ان کو مار یومت۔ وہ آدمی گھبرا گیا، اِدھر اُدھر دیکھنے لگا لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ پھر وہ نیزہ لے کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے

لئے آگے بڑھا تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر کہا: ’’یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن‘‘ پھر غیب سے وہی آواز آئی، پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی نہیں دکھا، پھر وہ آگے بڑھنا چاہتا ہی تھا کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسری مرتبہ ’’یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن‘‘ کہا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سوار نیزہ لے کر آیا، جس کے سرے پر آگ کا ایک شعلہ نکل رہا تھا، اس سوار نے خچر والے کو ختم کر دیا۔ پھر کہا: مَیں ایک فرشتہ ہوں جب آپ نے پہلی مرتبہ ’’یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن‘‘ کہا؛ تو مَیں ساتویں آسمان پر تھا، جب دوسری مرتبہ ’’یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن‘‘ کہا، تو میں پہلے آسمان پر آ گیا تھا، اور آپ نے جب تیسری مرتبہ ’’یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن‘‘ کہا؛ تو میں یہاں پہنچ گیا۔ اسی موقعہ پر ایک روایت بھی ذکر کی ہے کہ جب کوئی آدمی مصیبت میں تین مرتبہ ’’یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن‘‘ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ’’اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن‘‘ تیری طرف متوجہ ہے، مانگ کیا مانگتا ہے؟

چہرہ بسوئے قبلہ

جس دن حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی دی گئی اسی دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب شہید کیا جانے لگا تو انہوں نے چاہا کہ ان کا چہرہ قبلے کی طرف ہو، لیکن ان لوگوں نے چہرہ قبلے کی طرف نہیں کیا، جب سولی دیدی گئی تو ان کا چہرہ خود بخود قبلے کی طرف ہو گیا، ان لوگوں نے چہرے کو قبلہ سے پھیر دیا تو دوبارہ قبلہ کی طرف ہو گیا، وہ لوگ بار بار قبلہ کی طرف سے پھیرتے تھے اور ان کا چہرہ خود بخود قبلے کی طرف ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ عاجز آ کر ان لوگوں نے اسی حال میں چھوڑ دیا۔

لاش کو زمین نے اندر لے لیا

پھر ان کی لاش کی حفاظت کے لئے مکہ والوں نے چالیس آدمی مقرر کئے جو دن رات پہرہ دیتے تھے، تاکہ مسلمان آ کر ان کی لاش نہ لے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش لینے کے لئے مدینہ منورہ سے دو صحابہ حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما کو بھیجا، یہ دونوں بڑے بہادر اور بہت عمدہ گھوڑے سوار تھے۔ وہ دونوں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش لینے کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئے۔ جس وقت وہ پہنچے تو رات ہو چکی تھی اور چالیس دن گزر چکے تھے پھر بھی لاش جوں کی توں تھی اس میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، اور جو چالیس آدمی ان کی نگرانی کے لئے مقرر تھے وہ سب سو رہے تھے۔ ان لوگوں نے بڑے اطمینان سے لاش اتاری، گھوڑے پر رکھی اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ جب ان لوگوں کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ لاش نہیں ہے تو وہ سب گھوڑے لے کر فوراً تلاش میں نکلے، یہ دونوں جا رہے تھے ان کا پیچھا کیا، جب ان دونوں نے دیکھا کہ ہم پکڑے جائیں گے تو لاش کو زمین پر رکھ دیا، جیسے ہی لاش کو زمین پر رکھا گیا کہ فوراً زمین پھٹی اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش اندر چلی گئی، اور زمین برابر ہو گئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش پر ان کافروں کو قدرت نہیں دی۔ یہ قصہ تو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کا ہوا۔

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ

اب اس روایت میں حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ نہیں ہے کہ ان کا کیا ہوا؛ وہ بھی میں بتا دیتا ہوں۔ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صفوان بن اُمیہ نے خریدا،

چوں کہ صفوان کا باپ امیہ غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا، اسی کے انتقام کے لئے اس نے حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوخریدا تھا کہ میں اپنے باپ کے بدلہ میں ان کو قتل کروں گا ان کوخریدنے کے بعد اس نے دیر لگانا مناسب نہیں سمجھا، اس لیے دوسرے ہی دن ان کو قتل کرنے کے لیے نستاس نامی اپنے غلام کے ساتھ حرم کے باہر مقامِ تنعیم میں- جہاں لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں اور حرم کے باہر کی سب سے قریبی جگہ وہی ہے- بھیج دیا، اس لیے کہ حرم میں قتل کرنے کو وہ لوگ بھی برا سمجھتے تھے۔ جب وہ قتل کے لئے لے جائے گئے اور مکہ والوں کو پتہ چلا تو وہ بھی تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ ان کی قتل کی تیاری ہورہی تھی تو تماشہ دیکھنے والوں میں ابوسفیان بھی تھے جو اس وقت تک اسلام لائے نہیں تھے اور مکہ والوں کے سردار تھے، انہوں نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: اے زید! سچ سچ بتلاؤ! آج اگر ہم تمہیں چھوڑ دیں اور تم اپنے گھر میں سلامت پہنچ جاؤ؛ اور تمہاری جگہ پر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیا جائے (نعوذ باللہ منہ)؛ تو کیا تمہیں یہ گوارا ہے؟ جواب میں حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قتل ہونا تو دُور کی بات رہی، آپ کو اپنی جگہ پر رہتے ہوئے ایک کانٹا بھی لگ جائے اور مَیں اپنے گھر میں سلامت رہوں؛ یہ بھی مجھے پسند نہیں ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا: مَیں نے آج تک کبھی کسی کو کسی کے ساتھ ایسا محبت کرنے والا نہیں دیکھا جیسا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رفقاء اور ساتھیوں کو ان سے محبت کرتے دیکھا۔ خیر! پھر ان کو شہید کر دیا گیا۔

وہ بے نیاز ذات ہے

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے ساتھ معاملات بھی بڑے عجیب وغریب ہیں، ایک طرف تو دشمنوں کو ان کے قتل کرنے کا

موقعہ دیتے ہیں، اور دوسری طرف ان کے جسم کی اس طرح حفاظت بھی کرتے ہیں۔
جیسے: حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے بنی اسرائیل پیچھے دوڑے تو وہ بھاگے۔
روایتوں میں آتا ہے کہ کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی، ایک درخت کے قریب پہنچے تو وہ پھٹا
اور حضرت زکریا علیہ السلام اس کے اندر داخل ہوگئے تو وہ درخت پھر سے جُڑ گیا، اس طرح
اللہ تعالیٰ نے ان کو درخت کے اندر چھپالیا، لیکن ان کے کپڑے کا کچھ حصہ درخت کے
باہر رہ گیا۔ وہ لوگ جب ان کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ اسی درخت
میں چھپے ہوئے ہیں، تو وہ لوگ آرہ لے کر آئے اور اس درخت کو اوپر سے چیرنا شروع
کیا، جب آرہ ان کے سر کے قریب پہنچا اور انہوں نے آہ کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ کی طرف
سے وحی آئی کہ آہ مت کرنا، اگر آہ بھی کروگے تو ہم ان سب لوگوں کو ہلاک کردیں گے۔
یہاں بھی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: دیکھو! ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا انتظام
کیا اور دوسری طرف ان لوگوں نے چیرنا چاہا تو آہ کرنے کی بھی اجازت نہیں دی۔ اللہ
تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے، اپنے بندوں کے ساتھ جس طرح چاہے پیش آئے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک
طرف تو دشمن کو موقعہ دیا کہ ان کو قتل کردیں، اور جب قتل ہوگئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ
نے ایسی آفتیں بھیجیں کہ ان کے قاتلوں میں سے ایک بھی نہیں بچا، سب کی موت بڑی
عبرتناک ہوئی۔

بہرحال! اس قصہ میں کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں، اسی لئے اس کو یہاں ذکر کیا ہے
علّامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اولیاء اللہ کی کرامتوں کے سلسلہ میں بہت ساری حدیثیں
ہیں، اس کتاب میں پہلے بھی کچھ روایتیں گزری ہیں، جیسے: ایک غلام کا قصہ گزرا جس

کے ماں باپ نے جادوگر کے پاس جادو سیکھنے کے لئے مقرر کیا تھا، وہ جادو سیکھنے کے لئے جاتا تھا، راستہ میں ایک راہب ملتا تھا۔ (پورا قصہ حدیث کے اصلاحی مضامین: ۱/ ۲۶۷ تا ۲۷۳ پر ہے) وہ بھی اس کی کرامت ہی تھی۔ اور بھی کئی قصے اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت

۱۵۱۰:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما **قَالَ: مَا سَمِعْتُ عمر** رضی اللہ عنہ **يقولُ لِشَيءٍ قَطُّ: إِنِّي لأَظُنُّهُ كَذَا، إِلاَّ كَانَ كَمَا يَظُنُّ.** (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ابّا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب بھی کسی چیز کے متعلق یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرا خیال ہے کہ معاملہ ایسا ہے؛ تو وہ ایسا ہی ہوتا تھا۔

افادات:- یعنی جو حقیقت ہوتی تھی وہی بات اللہ تعالیٰ ان کے دل میں ڈالتے تھے۔ پہلے بھی ایک روایت گزر چکی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: حضرت عمر میری امّت کے ان لوگوں میں سے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ یہ بھی ان کی ایک طرح کی کرامت ہی ہے، اس لئے یہاں پر ذکر کیا ہے۔